زیٹیوں کا بادشاہ

حلیم بابا

علی عباس حسینی

شائع کردہ

ادارہ فروغ اُردو

۳۷- امین آباد پارک لکھنؤ

پاکستان میں ملنے کا پتہ:

مبارک بکڈپو- بندر روڈ

مقابل ڈینسو ہال کراچی ۲

مطبوعہ:

سرفراز پریس لکھنؤ

۱۹۵۵ء

قیمت



انتساب

ان تمام شعراء گرامی کے نام

جنکے

اشعار پر ظہور نے چھریاں

چلائی ہیں!

علی عباس حسینی

عرضِ مصنّف

کہتا ہوں نئے طرز سے افسانۂ بانا   کچھ خواب ہے، کچھ اصل ہے، کچھ طرزِ بیاں ہے

حکیم بانا، کوئی باقاعدہ ناول نہیں ہے۔ یہ ایک مضحک کردار کی بیان کردہ داستان ہے۔ یو پی کے دیہاتوں میں۔ جب زمینداروں کا دور دورہ تھا، بھانت بھانت کے جانور دکھائی دیتے تھے ــــــ پڑھے لکھوں میں بھی، اور ان پڑھ جاہلوں میں بھی۔ حکیم امان عرف حکیم بانا اسی طرح کا ایک "جنور" تھا۔ باوجود علم وفضل کے جُبّہ و دستار کے وہ حد درجہ لاغی، جھوٹا اور نٹیا تھا۔ ہماری جاگیردارانہ سوسائٹی میں اس کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ روبرو عزت وتوقیر اور پس پشت تضحیک و مذمت۔

حکیم بانا کا کردار اس سوسائٹی کی کلچرل ذہنیت کو نمایاں کرتا ہے، جس میں غیبت بھی تھی، رومانیت بھی، حقیقت سے چشم پوشی بھی تھی، جھوٹے خوابوں کی تعبیروں کی تلاش بھی، پرانی عظمتوں کی جھلک بھی اور زوال پذیر ہونے کے سارے آثار و قرائن بھی۔

یہ کردار تفنن طبع کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ عجب نہیں کہ پسند خاطر ہو کر اُردو کے مزاحیہ کرداروں میں اضافہ ثابت ہو۔

علی عباس حسینی

لکھنؤ
مارچ ۱۹۵۵ء

پس منظر

سنہ ۱۹۳۰ء میں مہندی پور یوپی کے دوسرے دیہاتوں سے مختلف نہ تھا۔ تین چار ہزار کی آبادی، کھیت، کھلیان، باغ۔ رعایا پرجا کے مٹی کے کچے مکانات یا پھونس کے جھونپڑے۔ زمینداروں کے مکانات نیم پختہ یا پکّی حویلی۔ سب سے بڑے زمیندار تھے محمود علی خاں، مگر کچھ چھوٹے بڑے اور بھی حصہ دار تھے۔ اُن میں آپس میں چشمکیں بھی ہوتیں، کشیدگیاں بھی اور مقدمہ بازیاں بھی۔ مگر خانصاحب سب کے محترم تھے۔ ان کا سب خیال کرتے تھے، اور صبح شام سب ہی کو انکی کوٹھی ایک حقہ پان کھینچ لاتا تھا۔ اُس وقت سب نجی درد دُکھ بھول جاتے۔ بڑے لطف کی باتیں ہوتیں۔ ادبی چھیڑ چھاڑ، شعر و شاعری، ہنسی مذاق، خوش گپیاں اور زیٹ بازیاں۔

ان نشستوں کے صدر ہوتے تھے خاں صاحب۔ مگر اس کی روح رواں تھے ظہور، مبین، لالہ بنسی دھر اور حکیم امان عرف حکیم بانا۔

خاں صاحب کی شخصیت گاؤں بھر پر حاوی تھی۔ یہ عظمت و ثروت انھیں ورثہ میں ملی تھی۔ ان کا خاندان نوابی میں ضلع کا حاکم اور صوبیدار رہ چکا تھا۔ اب یہ بقیۃ السیف تھے۔ لیکن اب بھی مہندی پور کے علاوہ ان کے پاس کئی مسلّم گاؤں تھے۔ جنکی مجموعی آمدنی تین ہزار روپیہ مہینہ تھی۔ وہ خوشرو و بلند بالا تھے۔ ان کا چہرہ آفتابی تھا، آنکھیں بڑی بڑی، پلکیں غلافی، حلقہ دار گھنی داڑھی اور چہرے پر ایک خاص طرح کی

شادابی - خاں صاحب کا سن پچاس کے لگ بھگ تھا - مگر بے فکری و آسودگی کی زندگی نے انھیں جوان مزاج بنا رکھا تھا - انھوں نے عربی فارسی گھر پر اچھے اچھے معلّموں سے پڑھی تھی - تھوڑی سی انگریزی بھی ضلع اسکول میں حاصل کی تھی - مزاج سادہ اور صوفیانہ تھا سماع کے دلدادہ تھے - بزرگوں اور عالموں کی بڑی تعظیم و توقیر کرتے تھے - شعر و سخن کا بھی ذوق رکھتے تھے اور خوشدلی و خوش وقتی میں زندگی بسر کرتے تھے -

ان کی کوٹھی عام طور سے "ڈیوڑھی" پکاری جاتی تھی - یہ ایک پختہ چہار دیواری سے گھری ہوئی تھی، جس کے اندر خانہ باغ بھی تھا، چھوٹا سا تالاب بھی تھا، اور زنانے مردانے الگ الگ حصے تھے - مردانے میں دیوان خانہ الگ تھا، غلام گردش علیحدہ، اصطبل اور گراج جدا اور مویشیوں کے لئے احاطہ الگ - دیوانخانے کے ایک کمرے میں ریاست کا دفتر تھا، اسی میں کتب خانہ بھی تھا - لالہ بنسی دھر قانون گوئی سے ریٹائر ہو کر اس ریاست کے مدار المہام ہو گئے تھے اور دیوانجی کے خطاب سے یاد کئے جاتے تھے - دفتر کا کمرہ صرف ان کے موجودگی میں کھلتا تھا ورنہ لالہ جی اسے بند ہی رکھتے تھے - اور کوئی کتاب یا رجسٹر بغیر ان کی اجازت کے وہاں سے نہیں نکالا جا سکتا تھا - دفتر کی بغل میں بڑا ہال تھا اور اس کے دوسرے بازو پر دفتر کے متوازی اور برابر ایک اور کمرہ - ہال کے آگے ایک بڑا سا دالان تھا - جس میں تختوں کا چوکا لگا رہتا تھا - اس پر سفید چاندنی بچھی رہتی تھی اور ایک مسند مع گاؤ - اس کی دونوں بغلوں میں مونڈھے، کرسیاں اور لیت لگی ہوئی بڑی بڑی بنچیں قرینے سے رکھی رہتی تھیں - دالان کے آگے لمبا چوڑا ایک چبوترا تھا پھر وسیع پختہ صحن -

دن میں خاں صاحب دالان میں بیٹھتے تھے - رات کی نشستیں ہال میں ہوتیں

جہاں فرش و مسند و قالین ہوتے انہیں پر آنے والے پھیل پھیل کر بیٹھتے، حقوں کا دور چلتا اور خوش دلی کی باتیں ہوتیں۔ گرمیوں کی رات میں نشست دیوانخانے کے آگے والے چبوترے پر ہوتی یا بڑے صحن میں۔ شام کی نشستوں میں موسم کے لحاظ سے حقہ اور پان کے ضیافتی معمول میں چاء یا شربت کا اضافہ ہوجاتا تھا۔

ظہور حال ہی میں ضلع کے صاحب کلکٹر کی پیشکاری سے ریٹائر ہوئے تھے۔ ان کی نوّے روپے ماہوار کی ملازمت میں بڑی برکت ہوئی تھی۔ دس آدمیوں کا خاندان خاصی شان و شوکت سے چلا تھا۔ دو لڑکیوں کی شادیاں دھوم دھام سے کی تھیں۔ اب بھی جبکہ پینتس روپے کچھ آنے پنشن رہ گئی تھی بڑا لڑکا بی۔اے میں پڑھ رہا تھا منجھلا دسویں اور چھوٹا نویں میں تھا۔ تین لڑکیاں قابل شادی بیٹھی تھیں۔ پھر بھی آبائی کچا گھر پختہ بن گیا تھا، کئی گاؤں میں حصے اور باغ خرید لئے گئے تھے اور دونوں وقت ان کے ہاں گوشت ترکاری ضرور پکتی تھی۔

ظہور کا قد پانچ فٹ دس انچ کا تھا۔ چوڑے چکلے ہاتھ پاؤں، پکا گندمی رنگ، خشخشی کھچڑی داڑھی، آنکھوں میں زندہ دلی کی چمک۔ وہ گاؤں کے سب سے بڑے بذلہ سنج تھے۔ خود بھی شعر موزوں کر لیتے تھے اور ہزاروں اچھے اچھے شعر انھیں یاد تھے۔ وہ سلسلۂ گفتگو میں موقع کی مناسبت سے شعر ضرور پڑھ دیتے تھے اور اگر ضرورت سمجھتے تھے تو موقع و محل کے لحاظ سے شعر میں ترمیم کر کے اسے حسبِ حال بنا دیتے تھے۔ لوگ ان کے پاس بیٹھنے اور ان سے ملنے جلنے میں ایک طرح کی خوشی محسوس کرتے تھے۔ اور وہ جس مجلس و محفل میں جاتے گویا اس کی جان بن جاتے تھے۔

مبین کا سن بھی پچاس کے لگ بھگ تھا مگر انھوں نے آجتک ضلع سے باہر

قدم نہ نکالا تھا۔ ان کے والد ستر بہتر برس کے ہونے پر بھی ضلع کی کچہری میں مختاری کرتے تھے۔ اور فوجداری کے مقدمات کی وکالت کے لئے دور دور مشہور تھے۔ انھوں نے گاؤں والے مکان کو ایک پختہ کوٹھی کی صورت دیدی تھی۔ باپ کے حکم سے مبین اسی کوٹھی میں رہتے اور بوڑھی ماں کی خدمت کرتے تھے۔ ان کے ذمے دو کام تھے۔ ماں کو صبح شام سلام کر لینا اور ان کے دل بہلاوے کے لئے ہر دوسرے سال ایک نیا پوتا یا پوتی پیدا کرنا۔ بقول بڑی بی کے "اللہ نے کھانے کو کافی دیا تھا۔ اس کا کوئی کھانے والا بھی تو ہونا چاہیئے"۔ اس لئے مبین صاحب بے فکری اور خوش حالی سے بسر کرتے اور خوش گپیوں میں وقت کاٹ کر کھانے والوں کی تعداد بڑھانے کی سعادت حاصل کرتے رہتے تھے۔ غالباً اسی محنت شاقہ کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ لمبے، کالے اور دبلے پتلے تھے۔ بڑی بی جب انھیں دیکھتیں تو یہی کہتیں "لاکھ جتن کرتی ہوں مگر مبین کسی طرح ہرا نہیں ہوتا خواہ مخواہ ہی کی فکروں سے سوکھتا چلا جاتا ہے!"

لالہ بنسی دھر خاندانی پٹواری تھے۔ انھوں نے گاؤں کے زمینداروں کے ساتھ اُردو فارسی پڑھی تھی۔ اور اپنی محنت و خوشامد سے قانون گوئی کے درجہ تک ترقی کی تھی۔ انھوں نے ہر طرح کے زمینداروں اور حاکموں کی نگاہیں دیکھی تھیں۔ اس لئے وہ بڑے تجربہ کار تھے۔ خاں صاحب کی ریاست سے ان کا خاندانی تعلق چلا آتا تھا۔ ریٹائر ہونے پر اسی لیے وہ مدارالمہام بنا دیئے گئے تھے۔

وہ اچھے خاصے لحیم شحیم شخص تھے۔ بڑی سی چوٹیا سر پر، داڑھی مونچھ صاف، موٹی گردن اُٹھے ہوئے بازوؤں کے گوشت میں دھنسی ہوئی۔ سینہ پیچھے دبا ہوا، توند آگے نکلی ہوئی۔ آدمی ہوشیار بھی تھے اور ہنس مکھ بھی۔ انھیں اُردو فارسی کے ہزاروں

شعر یاد تھے۔ کالیستھوں کی بات میں وہ اکثر گھراتیوں کے مقابلے میں بیت بازی کے لئے آگے بڑھا دیے جاتے تھے۔ لالہ جی اس قدر تیزی سے شعر پڑھتے تھے کہ اکثر ناموزوں ٹکڑے موزوں اور موزوں حصّے ناموزوں بن جاتے تھے۔ مگر ان کی زبان کی سیلابی روانی میں محسوس کبھی نہ ہوتا تھا کہ کہاں غلطی کی اصلاح کر دی اور کہاں صحیح مصرعہ کی حجامت بنا دی۔ وہ خاں صاحب کو آقائے ولی نعمت سمجھتے تھے۔ ان کا بڑا لحاظ کرتے تھے ظہور کی تیز زبانی سے وہ ڈرتے تھے۔ مبین کو گاؤں کا رئیس سمجھتے تھے۔ اور حکیم بانا کو استاد کامل مانتے تھے۔ وہ بزرگ داشت کے بڑے سختی سے قائل تھے اور اس پر اتنی ہی سختی سے عامل۔

اب رہے اس قصّہ کے ہیرو اور میر داستان، حکیم بانا۔ تو ان سے تعارف کے لئے ایک پورا باب درکار ہے۔ واسمعوا وابصروا!

دوسرا باب

"حلیہ اقدس"

دیکھئے شیخ، مصور سے کھنچے یا نہ کھنچے صورت اور آپ سے بے عیب البشر کی صورت یا!

ہر تجارتی کارخانہ کا ایک مارکہ ہوتا ہے۔ کوئی مچھلیاں بنا دیتا ہے، کوئی جل پری کوئی تاج، کوئی تلوار ہیں، کسی کی شناخت پھول سے ہوتی ہے کسی کی طوطے سے، کوئی اُلو ہی کو اپنی پہچان قرار دیتا ہے۔ اگر اپنے مُنہ میاں مٹھو بننے، بے پر کی اڑانے اور زیٹ ہانکنے کا کوئی کارخانہ کھلتا ——— ملک کے صنعتی پروگرام کے ماتحت اس کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔ تو اس مبالغہ در مبالغہ اور زیٹ در زیٹ مِل کے مارکہ بنتے حکیم اماں عرف حکیم بانا!

صورت شکل ماشاء اللہ، ہاتھ پاؤں سبحان اللہ، سج دھج استغفراللہ! ۔ مگر حکیم بانا ۔ ارے توبہ حکیم اماں! ۔ اپنی نظروں میں حسین بھی تھے، وجیہ بھی تھے، دیدہ رو بھی تھے، پہلوان بھی تھے، بنوٹئے بھی تھے، تلوریئے بھی تھے، عالم بھی تھے، طبیب بھی تھے، مولوی بھی تھے، موسیقی داں بھی تھے، شاعر بھی تھے، ادیب بھی تھے، نقاد بھی تھے، ہفت زبان بھی تھے، ہمہ داں بھی تھے اور ہر فن مولا بھی!

قد شریف پانچ فٹ چھ انچ، جسم تنگ لُوٹنے والا لگا، منڈاسر کاغذی بیل، چھوٹی پیشانی شلوکے کی سنجاف، آنکھیں املی کا چیاں، ناک کا پھیلاؤ برساتی نالا، کلّوں

پر جلد تاشے پر منڈھا ہوا چمڑا۔ داڑھی بھٹے کے بال، ہونٹ تربوز کی قاش، گردن، سینہ اور پیٹ بالکل جھنجھر، اور ٹانگیں گرہ دار بانس کی چھڑی!

لباس میں ہندوستانی کپڑوں پر عربی وضع غالب۔ سر پر چوگوشیہ ٹوپی، جسم پر چست قبا، دامن قدم کو چومتے ہوئے۔ کمر میں گھوڑے یا اونٹ کے بالوں کا ایک رسّا لپٹا ہوا، ٹانگوں میں ایک بر کا پائجامہ، جو اپنی اونچائی کی وجہ سے اکثر قبا کے دامن ہی میں منہ چھپائے رہتا۔ پاؤں میں زرد رنگ کی زیر پائی یا کینوس کا پمپ، ہاتھ میں بانس کی چھڑی، جو بار بار مہندی لگانے اور کڑوا تیل پلانے سے آبنوسی رنگ کی ہوگئی تھی۔ جب چلتے تو قبا کے دامن سے پھڑ پھڑ کی صدا آتی اور جب ہنستے یا غصہ کرتے تو ادھ کھلے منہ سے "ہوں، ہوں" کی آواز نکلتی اور چہرے پر پھیلی ہوئی چھوٹی بڑی نسیں ابھر آتیں۔

باتیں کرنے کا ڈھنگ بھی خاص تھا۔ جملہ اکثر و بیشتر ناتمام رہتا۔ آدھی بات زبان پر آدھی پیٹ میں۔ آواز ایسی بھاری کہ معلوم ہوتا گھڑے میں منہ ڈال کر بول رہے ہیں۔ اس کی گونج میں اکثر مطلب خبط ہو جاتا۔ اگر بھولے سے کوئی دہرانے کی خواہش کر بیٹھتا تو "ہوں ہوں" کہہ کر اسے "بہرا، کم عقل، گدھا، الّو کا معزز خطاب عطا فرما دیتے۔ اور ان تیوروں سے دیر تک گھورتے رہتے جیسے اس پر غور کر رہے ہیں کہ پوچھنے والے کو سزائے موت دیں یا حکم جاں بخشی۔ اگر بدنصیبی سے خود ان کے لڑکے سے ایسی غلطی سرزد ہو جاتی تو دوبارہ لب ہلانے کی زحمت گوارا، "ہوں، ہوں" بھی نہ کرتے، فوراً اپنا ڈنڈا اس طرح ہلاتے کہ غریب کے ہفتوں آ ماہ بدھی تھوپی جاتی۔

مریضوں کی کمی کے موسم میں جب آمدنی گھٹ جاتی، اور "گھر میں" کی جھاتیوں سے چڑچڑا ہٹ

انھوں نے مختلف موضوعات پر طرح طرح کے سوالات بنا رکھے تھے۔ ایک ہوشیار وکیل کی طرح مدعا علیہ میں جہاں بھی کمزوری پاتے اسی نکتہ پر سوالات کی بھرمار کرکے اُسے بوکھلا دیتے۔ سوالات بھی بالکل جرح کے ڈھنگ کے ہوتے۔ لاکھ ہیر پھیر کیجیے، وہ گھما پھرا کر چور پکڑ لیتے۔ وہ بزعم خود تاریخ، جغرافیہ، منطق، فلسفہ علم ہندسہ، علم ہئیت کسی چیز میں بند نہ تھے۔ کیمیا، ریمیا، سیمیا، جفر، رمل، نجوم، طب علم الحیوان، علم الابدان نفسیات، طبیعات، نباتیات، تجربات، لسانیات، شاعری موسیقی، مصوری، نجاری، حدادی، شہسواری، تیراندازی، شمشیرزنی، کشتی، بانا، بنوٹ، گتکا، پیری، لاٹھی، غرض دنیا کا کوئی علم اور کوئی فن ایسا نہ تھا جس میں حکیم بانا یکتائے زمانہ نہ ہوں۔

وہ قصیدہ بھی کہتے تھے، غزل بھی، لیکن ان کا ہر شعر سر پکڑ کر سننا پڑتا تھا۔ دیر تک غوطہ لگانے کے بعد اکثر ذہن خالی ہاتھ پلٹتا۔ دُرِ معنی تو کہاں گھونگھے سیپیاں بھی ہاتھ نہ لگتیں۔ وہ ہر خیال کو اس طرح پیچ در پیچ تشبیہوں اور استعاروں میں لپیٹتے تھے جس طرح گوبھی کا پھول پتوں میں لپٹا رہتا ہے۔ وہ مبالغہ در مبالغہ کو سب سے بڑا کمال سمجھتے تھے۔ اُردو میں ناسخ اور فارسی میں بدر چاچ وظہوری ان کے محبوب شاعر تھے۔ معمولی خیال، سیدھی سی بات ان کے دہن مبارک سے نکل کر ایک معمہ اور چیستاں بن جاتی تھی، جس کے حل نہ کرنے کی سزا یقینی تھی اور صحیح حل بتانے کا کوئی انعام نہ تھا۔

یہ مبالغہ در مبالغہ، زٹیں ہانکنا، اور بے پر کی اُڑانا نظم تک محدود نہ تھا بلکہ نثر میں بھی ان کا روزمرہ بن گیا تھا۔ آپس کی نجی گفتگو میں بھی وہ اس کی بیساکھی لگائے بغیر

بڑھ جاتا تو گھریلو بیماریاں اکثر اسی طرح کے عمل جراحی کا نتیجہ ہوتیں۔ آخر حکیم بانا کا ہاتھ کسی نہ کسی پر تو صاف ہونا ہی چاہیئے تھا!

حکیم بانا سے سارا گاؤں ڈرتا اور چڑھتا تھا۔ مگر سب ان کے حاجتمند بھی تھے۔ پڑھے لکھے بوڑھے ان سے اس لئے ڈرتے تھے کہ ان سے بحث کرکے یا انکی زیٹ پر انھیں ٹوک کر مفت کا جھگڑا کون مول لے۔ ان سب کے بیوی بچے، پوتے، نواسے تھے۔ اور گاؤں بھر میں یہی اکلوتے حکیم۔ دیہاتی مثل ہے۔ "جہاں کو نوں رو کھ ناہیں اُہاں رنیڈے رُوکھ!"[1] حکیم بانا مزاجاً سٹ گلو سہی، حکیم ہونے کی وجہ سے نباتِ سفید بھی تو تھے۔ وہ خفا ہو گئے تو "ہے شرط کہ" کہہ کر ڈنڈا ہی سیدھا نہ کریں گے بلکہ سارے گھر کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور سیدھے منہ بات نہ کریں گے۔

نوجوان طلبار اس لئے ڈرتے تھے کہ حکیم بانا انھیں دیکھتے ہی جگت گرو بن بیٹھتے تھے۔ اور امتحان لینا شروع کر دیتے تھے کس درجے میں پڑھتے ہو، کیا پڑھتے ہو، کس سے پڑھتے ہیں سے ابتدا ہوتی تھی۔ پھر ریاضی، فلسفہ، جغرافیہ، تاریخ، شعر وسخن کے نکات پر سوالات کی بوچھار ہونے لگتی تھی۔ اب خواہ آپ ایم، اے کے طالب علم ہوں یا عربی میں فارغ التحصیل، حکیم بانا کے امتحان میں پاس ہونا ضروری ہے۔ آپ ان کے اُلٹے سیدھے سوالات کے جوابات میں ذرا سا بھکے، اٹکے یا چوکے اور انھوں نے سارے سامعین پر آپ کی کم علمی ظاہر کر دی۔ وہ مجمع کو اس طرح "ہوں ہوں" کر کے دیکھتے گویا کہہ رہے ہیں "دیکھی آپ نے ان صاحبزادے کی ناقابلیت و بے استعدادی! ابھی انھیں برسوں تعلیم دے سکتا ہوں!

---

[1] جہاں کوئی درخت نہ ہو وہاں رنیڈ ہی درخت ہے! یعنی گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است!

تیس برس تک مختلف ملکوں پر اپنا قہر نازل کر کے وہ مہندی پور باپ کے مقابلے کے لئے اچھی طرح تیار ہو کر پلٹے تھے۔ مگر اس درمیان میں امین صاحب کو اوپر کا فرم نکل آئے وہ دوسرے جہاں چل بسے اور بیٹے کے لئے میدان صاف چھوڑ گئے۔ انھوں نے آتے ہی گرتے ہوئے کچے دیہی مکان کی خود مرمت کی، اپنی طبابت اور حذاقت کے قصیدے پڑھے اور اپنے طوالی سفر کے واقعات کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرنا شروع کر دیا۔

بن بیاہے پڑھے لکھے لڑکوں کی ہر جگہ کال ہے۔ حکیم جی کا سن چالیس سے تجاوز کر گیا تھا مگر گاؤں والوں نے انھیں کو تل ہی پایا۔ بہتیری مائیں وہاں بھی جوان بیٹیاں گھٹنوں سے لگائے بیٹھی تھیں۔ انھیں میں سے ایک ظہورہ کی حقیقی چچازاد بہن تھی۔ خاں صاحب نے بیچ میں پڑ کر اس کے ہاتھ پیلے کرا دیئے اور وہ حکیم امان کے سر منڈھ دی گئی۔ یا یوں کہئے کہ انکی خودستائی و خودنمائی کے دیو پر بھینٹ چڑھا دی گئی۔

راویوں کا بیان ہے کہ آرسی مصحف کے موقع پر جب پہلی بار دلھن نے چہرۂ پُرنور کی زیارت کی تو اس پر وہ ہیبت طاری ہوئی کہ وہ غش کر گئی۔ ہمیں جہاں تک علم ہے اس غش سے اس بی بی کو عمر بھر افاقہ نہ ہوا، اس لئے کہ شادی کے بعد سے کسی نے انکو ہنستے بولتے نہ دیکھا اور نہ کسی تقریب شادی و غم میں شرکت کرتے پایا۔

حکیم جی کو وہ کون سا ئل معلوم تھا، کون سا نسخہ انھوں نے تیار کیا تھا، یا کون سی جڑی بوٹی وہ دور کے ملکوں سے لائے تھے جس کے اثر سے وہ بیوی کی قینچی کی طرح چلنے والی زبان کو اس آسانی سے ہمیشہ کے لئے بند کر سکے، اسکی بہت سے لوگوں نے کھوج لگائی مگر آج تک پتہ نہ چل سکا۔ حکیم جی نے گاؤں والوں پر جہاں اور بہت سے ظلم توڑے ان میں سب سے زیادہ اذیت دہ اس نسخے کا چھپانا تھا۔ کاش وہ اس تریاق کو پیٹنٹ

بات نہ کرتے تھے۔ اس طرح کا جھوٹ وہ اس صفائی اور وثوق سے بولتے تھے کہ سچا ان سے آنکھ ملانے میں شرما جاتا تھا۔ اس دروغ بافی کے وقت ان کے لب ولہجہ میں اس قدر یقین اور خود اعتمادی ہوتی تھی کہ سننے والا اپنے کانوں کی جگہ اپنی آنکھوں پر شبہ کرنے لگتا تھا کہ کہیں اصل واقعہ کے دیکھنے میں اسی کی بصارت نے تو دھوکا نہیں دیا۔

وہ ضلع جگت، پھبتی، پھکڑ کسی چیز میں بند نہ تھے۔ صرف شرط اتنی تھی کہ فقرے سب انھی کی طرف سے وارد ہوں، کوئی کلّہ بہ کلّہ جواب نہ دے۔ اگر کہیں کسی نے منہ توڑ جواب دیدیا تو پھر حکیم بانا کا پارۂ حرارت آخری حدوں کو پار کر جاتا تھا۔ ایسے وقتوں میں نہ تو وہ دشنام بازی سے باز آتے تھے اور نہ حریف نوازی سے!

حکیم بانا کی مزاجی ساخت میں تھوڑا سا تو وراثت کو دخل تھا اور زیادہ تر پرداخت و تربیت کو۔ جب وہ پیدا ہوئے تو رخ زیبا دیکھتے ہی ماں نے مارے غیرت کے ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لیں۔ یعنی وہ جنّتی ان کو جنتے ہی جنّت کو سدھاریں۔ ان کے باپ، امین صاحب، سپاہی آدمی تھے۔ ہاتھ پاؤں کے تگڑے اور سخت جان۔ وہ انکی تعلیم و تربیت کی مصیبت کو جھیل لے گئے۔ مگر ان کا مزاج بھی خاصا کڑوا تھا اس لئے صاحبزادے کو سیدھا کرنے کے لئے انھوں نے خوب خوب قمچیاں سیدھی کیں اور بات بات پر بل نکالنے کی فکر میں لگے رہے۔ اس مار پیٹ کا یہ نتیجہ ہوا کہ امان لے جو کچھ پڑھاؤ سے طوطے کی طرح رٹ کر حفظ کر ڈالا۔ مگر روز روز کی زدوکوب نے تیکھے مزاج میں پسی ہوئی لال مرچوں کی تیزی چڑھا دی۔ اور اس گرگ زادہ میں کڑوا کریلا نیم چڑھا کی تلخی پیدا کر دی۔ اسی تقریب سیاست میں ایک دن انھوں نے باپ کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین کر انکی ٹانگ پر کھینچ مارا اور خود گاؤں سے بھاگ گئے۔

کرا کے دوسروں تک پہنچنے دیتے! ہمیں یقین ہے کہ دنیا کی ایک تہائی آبادی انکو دعائے خیر سے یاد کرتی اور بڑے سے بڑا سائنسٹیٹ بھی اسے ہائڈروجن بم سے زیادہ اہم ایجاد کا درجہ دیتا اور انھیں امن کے نوبل انعام کا مستحق قرار دیتا!۔

شریمتی جی کا اس مسئلے میں کیا خیال تھا، یہ نہیں معلوم۔ بس اتنا بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ انجمن خواتین ہند نے کوئی احتجاجی رزولیوشن اس موضوع پر نہیں پاس کیا، نہ لوک سبھا میں ان کے متعلق کوئی سوال کیا گیا اور نہ طلاق کے قانون پر بحث کے درمیان کسی یا یہ لیمانی ممبر نے دوران تقریر میں اس واقعہ کا حوالہ دیا۔

اس شادی کے بعد ہی حکیم امان کو حکیم بانا کا خطاب ملا۔ جیسی کہ ہمارے ہاں کی ریت ہے سسرال والیوں نے ان کے ساتھ بھی طرح طرح کے مذاق کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ہر موقع پر ان کا ڈنڈا آڑے آیا۔ وہ حرزجاں کی طرح ہر وقت ساتھ رہتا تھا۔ اور حکیم جی اس کے بے دریغ استعمال میں کبھی کفایت سے کام نہ لیتے تھے۔ انھوں نے روٹیوں، بوریوں میں رکھے ہوئے روئی کے پہل اسی کی مدد سے توڑے اور بن بنے ہوئے پلنگ پر بیٹھ کر اپنے کو گرنے سے بچایا تو اسی کے سہارے۔ پہلی ہی رات جب وہ ہوں ہوں کرتے عروس کے کمرے میں داخل ہونے لگے تو انھیں اپنا چہرہ کسی چیز میں پھنستا محسوس ہوا۔ حکیم جی نے اپنا آبنوسی ڈنڈا فوراً اس طرح گھمایا کہ نہ صرف جال تار عنکبوت بنا بلکہ آس پاس لٹکی ہوئی جھنڈیاں اور قندیلیں بھی ٹوٹیں اور "ہائے اور اُدی" کی فریادیں بھی سنائی دیں۔ ایک جلی تن دور بھاگ کر بولی "ارے بُوا، یہ مُوا دولھا ہے کہ کوئی مرکھنی آنو جی! اب کئی دن کوئی کیسے لیٹ بیٹھ سکے گا!" دوسری نے اس سے بھی آگے نکل کر ہانک لگائی "دولھا میاں، یہ دلھن کا کمرہ ہے، بانا بنوٹ کا اکھاڑا

نہیں!" غالبًا اسی واقعے کی یادگار کے طور پر ساس اماں کے "حکیم دولہ" پکارنے کے علی الرغم سالیوں نے "حکیم بانا" کے خطاب پر اصرار کیا۔ گاؤں والے اس نسائی عطیہ کی کیوں مخالفت کرتے۔ انھیں حکیم جی کی ایک چِڑھ ہاتھ آئی۔ انھوں نے خوب انھیں جھنڈے پر چڑھایا۔

حکیم جی کے یہاں دو بیٹے ہوئے اور ایک بیٹی۔ لڑکے سخت جان تھے۔ وہ انکی ساری خشونتیں سہارے گئے۔ لڑکی نازک اور کمزور تھی یا زیادہ باغیرت۔ وہ پیدا ہونے کے تین ہی مہینے بعد ماں کو بسورتا اور انھیں "ہوں ہوں" کرتا چھوڑ کر سدھار گئی۔ ان کے تیور پر میل نہ آیا نہ انھوں نے بیوی کے کاہیدہ و تپیدہ بنانے میں کمی کی اور نہ بیٹوں کو کوفتہ بیختہ کرنے میں۔

حکیم بانا کی آمدنی کے دو مستقل ذرائع تھے۔ ایک تو تین چار سیر کے کھیت تھے جو انھوں نے شکمی اُٹھا رکھے تھے۔ ان سے سال میں اتنا غلّہ مل جاتا تھا کہ کھانے بھر کو ہو جاتا تھا۔ دوسرے انکی فیس تھی۔ یہ وہ ہر ایک سے ضرور لیتے تھے۔ مگر اسکی رقم مقرر تھی۔ ایک دو پیسہ فی مریض بس یہ دگنی ہو جاتی خاں صاحب کے گھرانے کے لئے۔ خاں صاحب کو خود ہی ایک دو پیسہ پیش کرتے شرم آتی۔ وہ دو سے کم دینا اپنی ہتکی سمجھتے تھے۔ حکیم بانا کے ہاں "مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے" کا معاملہ تھا۔

حکیم بانا کے مکان میں مردانہ حصہ نہ تھا۔ اس لئے مطب ڈیوڑھی ہی میں کرتے تھے یہاں ایک نیم شکستہ تخت پڑا رہتا تھا۔ اسے حکیم بانا ہر صبح اپنے ہاتھ سے جھاڑتے، پھر اپنی میلی سوزنی اس کے نصف حصّے پر اس طرح دوتہ کر کے بچھاتے کہ مریض کے حصّے میں ہمیشہ کھرا تخت آتا۔ ان کے سامنے کاٹھ کا ایک قلمدان ہوتا جس کے ایک خانے میں ایک سریشتے کا

قلم ہوتا، ایک خانے میں آدھا ٹوٹا ہوا ایک چاقو اور ایک گوشے میں صُوف پڑی ہوئی ایک دوات۔ قلم پر ہر روز نیا قط رکھا جاتا اور سوکھی دوات ہر صبح تر کی جاتی۔ اسی قلمدان کے پاس کاغذ کے چند ٹکڑے ہوتے یہ اُن کاغذوں کے برخوردار ہوتے جن میں پنساریوں کے ہاں سے سودا سلف بندھ کر آتا۔ حکیم بانا کے ہاں بھلا بازار سے اتنی چیزیں کہاں سے آتیں کہ ان میں لپٹا ہوا کاغذ نسخوں کے لئے کفایت کرتا۔ اس لئے اس کمی کو یا تو مریض خود پورا کرتے یا خاں صاحب کے دفتر کی ردّی آڑے آتی۔ مطب میں آنے والوں کے لئے قارورہ کی بڑی پابندی تھی۔ اگر کسی نے بیماری کی آمد سے پہلے ہی شیشی کا بندوبست نہ کیا اور زیرآب رجمع نہ کر سکا تو وہ حکیم بانا کو مطب میں نہ دکھا سکتا تھا۔ اس کے لئے ایک روپیہ حاضر کر کے گھر پر بلا لینے ہی میں مفر تھی۔ بلانے میں اسی دن قارورہ پیش کرنے کی شرط نہ تھی۔ ہاں یہ ضرور ہوتا کہ جب تک قارورہ ملاحظہ سے نہ گزارا جائے حکیم بانا بن بلائے گھر پر آتے، نسخہ میں مناسب تبدیلیاں کرتے اور فیس لیتے جاتے تھے۔ گویا بغیر قارورہ تشخیصِ مرض نامکمل تھی اور ہر روز بچشم خود معائنہ اور فیس وصول کرنا صحت کے لئے ضروری تھا۔

گاؤں سے باہر جانے کی صورت میں حکیم بانا کے لئے سواری کا بندوبست کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اگر کوئی سواری کا انتظام نہ کر سکے تو حکیم بانا پیدل بھی جا سکتے تھے۔ بس سواری کا کرایہ دونوں طرف سے فیس کے ساتھ پہلے ہی لے لیتے تھے۔ ایسے معالجوں میں انکی مستعدی قابلِ داد تھی۔ رات کے بارہ بجے ہوں یا دن کے۔ لُو چلتی ہو، یا مینہ پڑتا ہو، دس بیس میل کی دوڑ ان کے لئے کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی۔ مریض کے اعزا نے آکر خبر کی۔ انھوں نے فیس طے کی، پوچھا کوئی دواخانہ قریب ہے، اگر نہ ہوا تو کچھ دوائیں بھی ساتھ لے لیں، قبا کا دامن گردانا، اونچا گھٹنا نیفے میں گھڑیس کر اور اونچا کیا، کمر کے رسّے کو اور کس کر

باندھا، ڈنڈا ہاتھ میں مضبوط پکڑا اور چل کھڑے ہوئے۔
ان معالجوں میں اور نصف جہاں کی سیر میں اس عجوبۂ روزگار فن کار کو کیسے کیسے عجیب و غریب واقعات پیش آئے اور کون کون سے ہفتخوان پار کرنا پڑے، وہ انھیں کی زبان سے اس کتاب کا دلچسپ موضوع ہیں۔

تیسرا باب

"نیا دجلہ"

خاں صاحب کے پنج سالہ لڑکے حمید کی بسم اللہ تھی۔ بڑی منتوں مرادوں کا بچہ تھا چھ بیٹیوں پر پہلا بیٹا۔ ریاست کا وارث۔ بوڑھی دادی حضور بی کے دل کی ٹھنڈک، ماں باپ کی آنکھوں کا نور۔ ایسے چہیتے کا پہلا کام تھا۔ بسم اللہ کی رسم دل کے ارمان نکالنے کا بہانہ بنی تھی۔ دن میں دعوت تھی۔ رات میں میلاد۔ پھر قوالی۔ مراد آباد، بریلی، رامپور، دلی کے قوال بلائے گئے تھے۔ بیسیوں مہمان ہفتوں پہلے سے آکر ٹھہرے ہوئے تھے۔ تقریب کے دن گاؤں میں شہروں کی سی چہل پہل پیدا ہوگئی تھی، پرجا کو انعام واکرام، کپڑا، غلہ بانٹا جا رہا تھا۔ فقیروں کے لئے الگ رسد کھلی تھی۔ ہم چشموں اور زمینداروں بچوں کی آؤ بھگت دوسرے طور پر کی جا رہی تھی۔
خانصاحب کی کوٹھی کا ہال مہندی پور اور آس پاس کے گاؤں کے لوگوں سے بھرا تھا۔ دالان کے سامنے والے پختہ چبوترے پر بھی شامیانہ تان دیا گیا تھا۔ بڑے پھاٹک

سے زنانی ڈیوڑھی تک جھنڈیاں اور کاغذی قندیلیں لٹکائی گئی تھیں۔ کنوئیں سے متصل چھوٹے مکان میں دیگیں چڑھی تھیں، تنور گرم تھا اور بریانی کی خوشبو دور دور تک پھیل رہی تھی۔ زنانخانے میں میراثنیں ڈھول پیٹ پیٹ کر گلا پھاڑ رہی تھیں۔ غرض اندر باہر چہل پہل تھی گہما گہمی تھی، شور تھا، مسکراہٹیں تھیں، قہقہے تھے، چہچہے تھے!

دسمبر کی آخری تاریخیں تھیں، مطلع صبح سے ابر آلود تھا، سردی کافی تھی۔ پھر بھی بچہ بچہ تقریب میں شریک تھا۔ خاں صاحب سے دوری نزدیکی قرابتیں سب سے تھیں۔ پھر پلاؤ قورمے کی عطر آگیں خبر بھی گھر بیٹھنے نہیں دیتی تھی۔ کوئی چیسٹر پہنے تھا، کوئی روئی کا دگلا، کوئی رزائی اوڑھے تھا۔ کسی نے کمبل ہی لپیٹ رکھا تھا۔ مشکبو حقوں کا دور چل رہا تھا، چاندی کے ورق میں لپٹی ہوئی گلوریاں گنگا جمنی تھالیوں میں رکھ کر پیش کی جا رہی تھیں۔ انھیں کے ایک طرف سفید سفید بڑی بڑی الائچیاں بھی تھیں، تمباکو بھی اور چکنی ڈلی بھی۔ بچوں کو ہار پہنائے جاتے، بڑوں کو گلدستے نذر کئے جاتے تھے۔ لالہ بنسی دھر عطر کی شیشی لئے دروازے سے لگے کھڑے تھے۔ جو بھی اندر داخل ہوتا۔ اس کے کپڑوں رومالوں پر عطر لگا دیتے تھے۔ پورا مجمع معطّر و معنبر تھا اور ہر چہرے پر نشاط اور مسرت کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔

بسم اللہ کرنے والا حمید ابھی زنانخانے میں تھا۔ ماں اسے نئے نئے کپڑے پہنا کر دولھا بنا رہی تھی بہنیں نیگ مانگ رہی تھیں۔ حضور بی بات بات پر بلائیں لے رہی تھیں۔ خوشی میں آپے سے باہر تھیں۔ پوپلے منہ سے بار بار پان کچل کر کہتیں: "امی بھا نے اپنے لال کو دولھا بنا تو دیکھ رہی ہوں۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوں۔

اسکی شادی بیاہ تک کون جئے گا۔ میں اسی وقت دل کے حوصلے نکالوں گی!"

مہمان عورتوں کے لئے بھی دل بہلانے کا بہانہ ہاتھ آیا تھا۔ دیہاتی شریف زادیاں اُن کے پاس سال بھر گھر کی چار دیواری میں بند رہنے اور پلنگ کے بان توڑنے کے سوا کام ہی کیا تھا۔ ایسے تفریح کے مواقع سال دو سال میں کہیں ملتے تھے۔ اس لئے ہر ایک اچھے سے اچھا جوڑا پہنکر آئی تھی۔ کپڑے اور گہنے پہننے کا سلیقہ ہو یا نہ ہو مگر اپنی نظر میں ہر ایک آپ اپنی نظیر تھی۔ وہ ایک دوسرے پر فقرے کستیں، ہنستیں، پان چھالیا پھانکتیں اور گھر کے انبساطی ہنگامے میں موقع بے موقع اضافہ کرتی رہتی تھیں۔

خاں صاحب باہر کے مہمانوں کے خیر مقدم کرنے اور انکو انکی حیثیت عمر اور قرابت کے لحاظ سے بٹھانے اور جگہ دینے میں مشغول تھے کہ حکیم بانا تشریف لائے۔ سدا بہار تو تھے ہی اس موسم میں بھی ڈیون کی قبا زیب بر اور چوگوشیہ ٹوپی بر سر تھی۔ پھڑ پھڑ کرتے آئے۔ خاں صاحب کے سلام کے جواب میں "وعلیکم" کہتے صدر میں جاکر بیٹھ گئے۔ یہاں حمید کے لئے کار چوبی مسند و گاؤ لگا تھا۔ حکیم بانا نے گاؤ پر ٹیک لگائی اور اپنے سے ایک کم عمر کے سامنے سے حقہ کھینچ کر لمبے لمبے کش لگانا شروع کر دیئے۔

جیسے موسم بھی انھیں کی آمد کا منتظر تھا۔ دفعتہً ایک تڑاخا ہوا اور طوفانی بارش کے ساتھ اولے پڑنے لگے۔ لڑکے سمٹ کر الیتوں کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ ہر ایک ہی ہی کرکے اولے چننے اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔ بڑے بوڑھے، کچھ تو چبوترے کا فرش سمیٹنے، اٹھوانے لگے، کچھ پلاؤ کی دیگیں سنبھالنے میں دوڑ دیئے بھاگے، کچھ نے لونڈوں کو ڈانٹا اور اُن کے چنے ہوئے اولے چھین چھین کر خود کھانا شروع کیا اور کچھ

اطمینان سے چار زانو ہو کر بیٹھ گئے اور پورا پورا حقہ جی لگا کر پینے میں مصروف ہو گئے۔ ایک بڑے میاں پر سردی کا اثر جو زیادہ ہوا تو وہ چلم کی آگ پر اپنا ہاتھ سینکنے لگے۔ حکیم بانا نے ان کو بغور دیکھا۔ وہ بار "ہوں، ہوں، ہوں" کہا۔ پھر وہ بولے "آپ کو اتنی سی ژالہ باری سے سردی لگنے لگی! کہیں سفر عرب میں میرے ہمراہ ہوتے تو نہ جانے کیا گت بنتی!" لوگ کھسک کھسک کر قریب آ گئے۔ حکیم جی کوئی چٹ پٹا قصہ سنانے والے تھے۔ گاؤں کے نوجوانوں نے ایک دوسرے کو کہنیاں اور آنکھیں ماریں۔ مطلب تھا "حکیم بانا کوئی نئی زیٹ ہانکنے والے ہیں۔ آؤ لطف لیں۔ وقت کاٹنے کا اچھا بہانہ ہاتھ آیا!" سب سمٹ آئے۔

ایک شریر نے ٹہوکا دیا "ہاں قبلہ، ذرا ہم بھی سنیں، اس سفر میں برف سے متعلق کون سا واقعہ حضور کو پیش آیا؟"

حکیم بانا نے جلے ہوئے حقے کی نے سیدھی کر دی۔ وہ سلفہ ہو چکا تھا۔ پھر اب انھیں لبوں سے دوسرا کام بھی لینا تھا۔ وہ "ہوں، ہوں" کر کے کھانسے اور یوں گویا ہوئے۔ "ایک دن میں بغداد سے دمشق جا رہا تھا۔ نہ کسی کارواں کا ساتھ تھا، نہ سواری میں کوئی گھوڑا، اونٹ یا خچر۔ پا پیادہ، پیدل، ہوں، ہوں، ہوں! نہ کوئی ساتھی، نہ رفیق سفر، نہ ہمراہی۔ بالکل یکہ و تنہا۔ لق و دق صحرا۔ ہو کا عالم۔ میں اور اللہ کا نام! ہوں، ہوں، ہوں۔ دفعتہً ہوائے بارد سرد چلنے لگی۔ ایک لکۂ ابر آسمان پر محیط ہوا۔ رعد گرجا، برق چمکی اور ژالہ باری ہونے لگی! ہوں، ہوں، ہوں!"

ایک نوجوان نے تازہ بھرا ہوا حقہ حکیم بانا کے سامنے رکھ دیا۔ انھوں نے اسے بغور دیکھا۔ "ہوں، ہوں، ہوں" کہا۔ یہ گویا شکریہ تھا۔ پھر وہ بولے "میری پیٹھ پر میرا اسباب بندھا تھا۔ یہی ایک دری، ایک تکیہ، ایک کمبل، دو جوڑے کپڑے،

کچھ کھجوریں، کچھ روٹیاں، دو تین اُبلے انڈے ایک پُڑیے میں نمک، پیاز کی ایک گٹھی اور ایک منہ بند تاملیٹ میں تھوڑا سا پانی۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ ہاتھ میں یہی اپنے قصبے کی بانس کی چھڑی، نہ کوئی چھتری پاس کہ اولوں سے بچ سکوں، نہ کوسوں کوئی درخت کہ اس کے سایہ میں پناہ لے سکوں! ہوں، ہوں، ہوں!"۔

ہال کے باہر پانی بند ہو گیا، اولے بھی گل گئے۔ سردی چمک اُٹھی۔ چھوٹا بڑا ہر ایک سمٹ کر ہال میں آ گیا۔ اس شور میں حکیم بانا نے میٹھے ہوں، ہوں کیا کیے۔ سننے والوں نے آنیوالوں کو سمجھا کر، گھُرک کر، ڈانٹ کر خاموش کیا۔ حکیم بانا کی زیٹ کی جھڑی لگ گئی۔

"ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کروں، کیا نہ کروں، کدھر جاؤں، کیونکر اپنے کو اس بلائے آسمانی سے بچاؤں کہ اولے قدو قامت میں بڑھنے لگے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ ابتدا میں دانۂ عناب کے برابر تھے، ذرا سی دیر میں مرغی کے انڈے کے برابر، چند لمحے بعد بالکل بط کے انڈے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ ابھی انھیں کی چوٹ سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کاغذی بیل اور تاڑ کے پھل گرنے لگے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں بوکھلایا، بوکھلایا! اِدھر اُدھر بھاگ ہی رہا تھا کہ پوری پوری برف کی سلیں گرنے لگیں۔ ہوں، ہوں، ہوں، کوئی من بھر کی، کوئی دو من کی، کوئی دس من کی۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ چند ہی منٹ بعد یہ اور بھی بڑھیں۔ اب پوری پوری چٹانیں سر پہ آنے لگیں۔ کوئی اونٹ برابر، کوئی ہاتھی برابر، کوئی۔ کوئی خاں صاحب کی اس لمبی چوڑی کوٹھی کے برابر۔ ہاں ہوں، ہوں، ہوں ـــــ"

ایک نوجوان کے چہرے پر مسکراہٹ دکھائی دی۔ فوراً پلٹ پڑے۔ "بتاؤ تو میاں

صاحبزادے، تم ہوتے تو ایسے موقع پر کیا کرتے؟"
نوجوان سٹ پٹا کر اور سر کھجا کر بولا "جی، قبلہ۔ میں؟ میں بھلا کر ہی کیا سکتا تھا! وہیں بس کر چٹنی ہو گیا ہوتا اور کسی سِل کے نیچے دبا پڑا ہوتا!"
حکیم بانا کے سوکھے چہرے کی ساری رگیں اُبھر آئیں یعنی وہ مسکرائے۔ "ہوں ہوں ہوں۔ شاباش! ماشاء اللہ ضلع جگت بول لیتے ہو! ہوں، ہوں، ہوں! اور حق بات کہی تم نے۔ کوئی دوسرا ہوتا تو اس کے اوسان خطا ہو جاتے۔ اس بلا کا یقینی شکار ہو جاتا! ہوں، ہوں، ہوں۔ مگر وہاں تھے تمہارے حکیم امان ــــــ"
ظہور قریب ہی بیٹھے تھے، عادتاً بول اُٹھے "دیپلے ہوئے معرکے تھے بدر و حنین کے!"
حکیم بانا نے اُن کو بغور دیکھا۔ بغل میں رکھا ہوا ڈنڈا اُٹھا کر سامنے رکھ لیا۔ ظہور جھجک کر پیچھے ہٹ گئے۔ مبین مسکرا کر بولے "ظہور نے بات مان لی قبلہ، آپ فرمائیے!"
حکیم بانا بولے "ہوں، ہوں، ہوں۔ میں نے یہ حالت جو دیکھی تو جھٹ پلٹیہ سے گٹھر کھول سر پر رکھ لیا۔ خیال تھا کہ ایسا نہ ہو کوئی برف کا پہاڑ سر پر آ رہے! ہوں، ہوں، ہوں! گویا ازن ہائے گھر ابر سر کی وضع اختیار کر لی ۔۔۔!"
لالہ بنسی دھر وہیں سے کھڑے کھڑے بولے "سبحان اللہ حکیم صاحب قبلہ، آپ نے اردو کو ایک نیا فقرہ عطا کر دیا ــــ"
لوگوں نے انکی اس تعریف پر بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ حکیم بانا نے خود اپنے پر اپنے مخصوص انداز میں فقرہ چُست کر کے گویا ہنسنے کی اجازت دیدی تھی۔ اس "ہاہا" میں بہت سی دبی اور رُکی ہوئی ہنسیوں کو باہر نکل آنے کا موقع مل گیا۔ حکیم بانا خود بھی چیاں سی آنکھیں جھپکاتے اور ہوں، ہوں، ہوں کرتے رہے۔ پھر وہ بولے:۔

"جب سر کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو میں نے اپنا ڈنڈا سنبھالا اور بانا کے ہاتھ نکالنا شروع کیے، اب جناب، جو سل سامنے آتی ہے، جو چٹان سر کے قریب سے گزرتی ہے اس پر عصا پڑتا ہے تراق! تراق اور تڑا تڑ ٹو ٹکڑے ٹکڑے! ہوں، ہوں، ہوں۔ بس برفیلی چٹان کے ٹکڑے گرتے جاتے ہیں، ایک حصّہ داہنی جانب، دوسرا بائیں جانب۔ ایک ڈھیر ادھر ایک ڈھیر ادھر ہاہا ہوں ہوں ہوں۔ پورے گھنٹہ بھر یہ برف پاشی دعصا زنی جاری رہی! میرے پہلوؤں میں دونوں جانب برف کی قدِ آدم دیواریں پہلوں کھڑی ہوتی چلی گئیں۔ ہوں ہوں ہوں! اور میرے ہاتھ ہیں کہ مشین کی تیزی سے چلے جاتے ہیں، زنازن! زنازن! شناشن! شناشن! برف ہے کہ کان کے پاس سے گزر رہی ہے۔ سَن! سَن! شنائیں! شنائیں! اور ہاتھ پڑتے ہی برف پاش پاش ہوتی ہے! تڑاتڑ! تڑاتڑ! تڑاخ پڑاخ! تڑاخ پڑاخ! تڑ پڑ تڑاخ! تڑ پڑ تڑاخ! ہوں، ہوں، ہوں! ——"

حکیم بانا نے وفورِ جوش بیان میں ڈنڈا اٹھالیا۔ وہ لطف ونشاط سے گھٹنوں کے بَل کھڑے ہوگئے اور انھوں نے ڈنڈا گھمانا شروع کیا۔ چھوٹے بڑے سب پاس سے دور بھاگ گئے۔ ظہور اور بہن فرش پر لیٹ کر چھپکلی کی طرح اس سے چپک گئے۔ حکیم بانا نے دفعتہً لوگوں کی سراسیمگی محسوس کی۔ انھوں نے، ہوں، ہوں، ہوں کہا اور ڈنڈا روکا۔ اسے فرش پر رکھا اور چار زانو ہوکر کہا "اور میں ہوں کہ بانا کے زور پر زنّاٹے بھرتا۔ پینترے بدلتا، جھکائیاں دیتا، اُچھلتا پھاندتا، زقندیں بھرتا، چھلانگیں مارتا، ہوا میں اُڑتا چلا جارہا ہوں! ہوں، ہوں، ہوں! ——"

ایک نوجوان کی جو شامت آئی تو وہ بات کاٹ کر پوچھ بیٹھا "حکیم صاحب کیا لگے ابر بھی چتر بنا برابر آپ کے ساتھ ہی ساتھ چلتا رہا۔ آگے بڑھ کر اس نے راہ میں کوئی برف کا پہاڑ نہ کھڑا کیا؟"

حکیم بانا فوراً ڈنڈا اُٹھا کر گرجے "مردود! ملعون! ناشدنی! تو مجھے دروغ باف لاغی اور جھوٹا سمجھتا ہے! میرے بیانِ مصدق کو مشکوک و مشتبہ گردانتا ہے! ہے شرط کہ ایسا ڈنڈا ماروں کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے!——" ساتھ ہی ڈنڈا چلا۔ لوگوں نے ہائیں ہائیں" کہہ کر روک لیا۔ مبین نے نوجوان کو ڈانٹا "بڑے بدتہذیب ہو جی! بزرگوں کی گفتگو میں کوئی اس طرح، بیچ میں بولتا ہے!"

ظہور نے حکیم بانا کو سمجھایا "اجی قبلہ، آپ اس لونڈے کو نہ دیکھئے، اپنے کو دیکھئے، یہ صاحبزادے جمعہ جمعہ آٹھ دن کے تو ہیں۔ ابھی کیا جانیں۔ آپ فرمائیں، ہم لوگ ہمہ تن گوش ہیں!"

حکیم بانا نے قبا کی جیب سے آٹھ پہل تہہ کیا ہوا رومال نکالا۔ باچھوں سے کف پونچھا۔ پھر یوں پھول بکھیرے:۔

"خیر! آپ حضرات سفارش فرماتے ہیں تو میں اس چھوکرے کی جسارت اب کے معاف کئے دیتا ہوں۔ ہوں، ہوں، ہوں! میرے کلام کو اس نابکار نے کہاں سے قطع کیا تھا؟"

مبین نے جلدی سے سلسلۂ کلام یاد دلایا۔ "جی آپ بٹیروں کے زور پر زناٹے بھرتے اُڑتے چلے جا رہے تھے۔"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ کئی گھنٹے تک ان برف کی سلوں اور چٹانوں سے مقابلہ کرنے کے بعد——"

ایک ہمسن نے دبی زبان ٹوکا "آپ نے تو پہلے صرف ایک گھنٹہ بتایا تھا۔"

حکیم بانا نے انکو زہر کی نظروں سے گھور کر کہا "ہوں، ہوں، ہوں! آپ بھی

اس چھوکرے جیسی نالائقی پر اُتر آئے! ۔۔ بے شرط کہ ۔۔۔"
ظہور نے جلدی سے ہاتھ جوڑ کر کہا" جی قبلہ، ان کے حافظے نے غلطی کی۔ سن بھی تو وہ آپہنچا۔ اب عناصر میں اعتدال کہاں!"
حکیم بانا نے خاص طور پر معترض بزرگ کو متوجہ کیا" سنئے جناب، میں نماز صبح پڑھ کر بغداد سے روانہ ہوا تھا۔ بس آفتاب طلوع ہی ہو رہا تھا کہ اولے پڑنے لگے۔ اور میں بانا کے ہاتھ ہلا ہی رہا تھا کہ میری جیبی گھڑی نے ٹن ٹن بارہ بجائے! ہُوں، ہُوں ہُوں۔ آپ کے چہرے سے استعجاب کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے میں آپ کو مطلع کر دینا چاہتا ہوں کہ اس وقت جو جیبی گھڑی میرے پاس تھی وہ گھنٹے بجاتی تھی! ہوں، ہُوں ہوں! ۔ اُس کا بھی ایک طویل قصہ ہے، پھر کسی دن سناؤں گا۔ ہُوں، ہوں، ہُوں۔ اس ضمن میں آپ لوگوں کو ایک طبعیاتی مسئلہ بھی بتاتا چلوں۔ مرطوب ہوا میں آواز دور تک پھیلتی ہے اور تیز و بلند ہو جاتی ہے! ہُوں، ہُوں، ہُوں! میری جیبی گھڑی کی آواز اس طرح پھیلی تھی کہ سارا میدان گونج اُٹھا تھا۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں! بعد میں اخبارات سے معلوم ہوا کہ اس دن بغداد و دمشق دونوں مقامات پر لوگوں نے اسکی آواز سنی اور ان شہروں کے گھنٹا گھر اسی سے ملائے گئے! ہُوں، ہُوں، ہُوں! ۔۔۔"
ایک بھولے بچے نے پوچھ لیا" حکیم صاحب، کیا یہ دونوں شہر پاس ہی پاس ہیں؟"
حکیم بانا نے پہلے تو اُسے گھور کر دیکھا۔ ڈنڈے کو ہاتھ میں لیا۔ مگر ننھے بچے کے معصوم سہمے ہوئے چہرے، آبدیدہ آنکھوں نے انکو یقین دلا دیا کہ وہ واقعی ان شہروں کا فاصلہ جاننا چاہتا ہے۔ اس لئے اپنی لاعلمی چھپانے کے لئے فوراً کہا" نہیں، ان کے درمیان تقریباً چھ سو میل کا فاصلہ ہے! ہُوں، ہُوں، ہُوں! ۔۔۔"

بچہ گھبرا کر دوسرے بزرگوں کا منہ دیکھنے لگا۔ جیسی گھڑی کی آواز اور چھ سو میل تک سنائی دے۔ یہ عجیب بات اس غریب کی سمجھ میں کسی طرح نہیں آتی تھی۔ وہ کچھ کہنے والا ہی تھا کہ اس کے باپ نے، جو قریب ہی بیٹھے تھے، جلدی سے اسے اپنے پاس کھینچ لیا اور اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔

حکیم بابا نے جیب سے آٹھ تہوں والا رومال نکالا۔ لبوں کے کونے پونچھے اور فرمایا "میں دم لینے کے لئے ذرا سا رُکا تو میں نے دیکھا کہ میرے سر سے مستقل ایک آبشار جا رہی ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ میں نے گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا تو سوائے برف کی سلوں اور چٹانوں کے مینہ کی ایک بوند بھی نہیں گر رہی ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہی میری وضع کردہ اور قائم کردہ برف کی دیواریں! ہوں، ہوں، ہوں۔ الٰہی، یہ پانی کہاں سے؟ وہ بھی اس افراط سے کہ جیسے کسی نئے دریا نے ادھر کا رُخ کر لیا ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اس پانی کا بہاؤ اس قدر تیز کہ پاؤں اکھڑے جاتے ہیں وہ روانی وہ زور کہ ٹخنوں تک تو پانی ہے مگر آدمی تو کیا ہاتھی کے قدم بھی نہ جم سکیں! ہوں، ہوں، ہوں! عجیب تر بات یہ کہ میں جدھر جدھر جاتا ہوں جس رُخ پر گھومتا ہوں، یہ آبشار ساتھ ساتھ ہے۔ گویا بھوت کی طرح سر پر سوار ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں — بالآخر میں پاؤں گاڑ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اپنے عصا کو دونوں گھٹنوں میں دبا کر ہاتھ خالی کئے اور سر سے اپنے بستر کو اتارنے کی کوشش کی۔ مگر گٹھری ہے کہ ہلائے نہیں ہلتی! ہوں، ہوں، ہوں! میں نے دل میں کہا ع "یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟" اور گردن جھکا کر دونوں ہاتھ لگا کر زور کا جھٹکا دیا۔ گٹھری دور جا کر گری اور میں خود گرتے گرتے بچا! ہوں، ہوں، ہوں! —"

وہ رُکے تو پورے مجمع نے ایک لمبی سانس لی۔ انھوں نے رومال سے باچھوں کا کف صاف کیا۔ ظہور نے جھک کر ہبین کے کان میں ذوق کا مصرعہ پڑھا۔ ع

سر پہ شیطان کے اک اور بھی شیطان چڑھا"

ہبین نے ہنسی ضبط کرنے کے لئے منہ میں رومال ٹھونس لیا۔ شکر ہے کہ حکیم بانا کے کانوں تک یہ بھنک نہ پہنچی ورنہ قیامت ہی آجاتی۔ انھوں نے سب کو بے تاب و متوجہ دیکھ کر یوں کلام جاری رکھا۔

"اب جو دیکھا تو ایک پورا برفستانی پہاڑ، وہی جسے انگریز گلیشیر کہتے ہیں، سر پر سوار تھا! ہوں، ہوں، ہوں! — کچھ تو جسم کی فطری گرمی، کچھ حرکت کی حرارت، کچھ تمازت آفتاب، تینوں چیزوں نے مل کر اس گلیشیر کو پگھلا دیا تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ مگر لطف یہ تھا کہ جیسے ہی کوئی حصہ گلتا، اس سے بڑی چٹان اوپر سے گر کر اس پانی کے تموج کو بلیوں اچھال دیتی اور بڑھا دیتی تھی۔ گلیشیر کے قد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا، پہاڑ کی ضخامت بڑھتی جاتی تھی، پانی کی طغیانی اور سیلابی کیفیت میں زیادتی ہوتی جاتی تھی۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اور میں گاؤزمین کی طرح ——"

ظہور نے چپکے سے کہا "خیر آج آپ نے دوبارا اپنی صحیح جنس تو بتلائی!"

حکیم بانا نے سُنی ان سنی کر کے کلام جاری رکھا۔

"اور میں گاؤزمین کی طرح یہ سب کچھ اپنے سر پہ اُٹھائے، اپنے لائے ہوئے طوفان سے بے خبر، بانا کے ہاتھ نکالنے میں مشغول رہا۔ ہوں، ہوں، ہوں! ——"

ہبین نے مزاحاً کہا "قبلہ، اس گلیشیر کی موجودگی کی وجہ سے تو صحرائے عرب میں ایک نیا دریا نکل آیا ہوگا!"

حکیم بانا نے بغیر کسی جھجھک کے فرمایا "جی ہاں، اسی کا نام تو دجلہ ہے!"

چوتھا باب

"نخلستان برف"

دیر ہوئی تھی کہ پانی بند ہو گیا تھا اور اولے بھی رک گئے تھے، اس لئے میاں حمید کو زنانخانے میں ٹکنے نہ دیا گیا۔ وہ کچھ ڈرتے، کچھ لسوڑتے باہر آئے۔ خاں صاحب نے دالان سے انگلی پکڑلی اور اپنے ساتھ لاکر مسند پر بٹھایا۔ ساٹن کے نئے غلاف میں لپٹا ہوا نیا قرآن لاکر چاندی کی رحل پر رکھا گیا۔ چاندی کے قلمدان میں چاندی کا قلم، چاندی کی دوات اور چاندی کی ایک بڑی تختی بھی وہیں لاکر رکھی گئی۔ خاں صاحب نے حکیم بانا سے کہا "بسم اللہ!"، حکیم بانا نے قرآن کھول کر حمید کو سورۂ حمد کی تلاوت کرائی۔ اور چاندی کے قلم سے تختی پر الف بے لکھوائی۔ "مبارک! مبارک!" کا غلغلہ ہوا۔ صاحبزادے نے باپ کے حکم سے کھڑے ہو کر سب کو تسلیمیں کیں اور مختلف اعزاء سے دو دو پانچ پانچ روپئے انعام پائے۔ خاں صاحب نے حکیم بانا کی خدمت میں پچیس روپئے، چاندی کی ساری چیزیں اور قرآن مجید ہدیہ کیا۔ مٹھائی کا ایک بڑا خوان ان کو دیا گیا اور تمام حاضرین کو ایک ایک ہانڈی۔ حکیم بانا نے روپئے تو جیب میں رکھے بقیہ چیزیں اور مٹھائی کا خوان گھر بھیجدیا۔ اور دعوت میں شرکت کا انتظار کرنے لگے۔ جب حقے پان کا دور پھر چلنے لگا تو ظہور نے کہا "آج جو واقعات آپ نے

بیان کئے ان کا سلسلہ کچھ اچانک سا ختم ہوا۔ آخر یہ بھی تو معلوم ہو کہ آپ نے اس ہفتخوان کو کیسے طے کیا!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ میں آپ حضرات سے بیان کر رہا تھا کہ میں نے آبشار کی بلا کس مصیبت سے اپنے سر سے ٹالی۔ جب یہ دیکھا کہ یہ جوار بھاٹا اسی ندی میں اُٹھ رہا ہے تو میں ڈنڈے کی ٹیک لگا کر اس کے میلوں پھیلے ہوئے پہنا یا پاٹ کو پھاند کر ایک کنارے کھڑا ہو گیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اب برف باری بھی رک گئی تھی اور بارش بھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں بھوکا بھی ہوں اور مجھے سردی بھی لگ رہی ہے۔ گھبرا کر اِدھر اُدھر نظر ڈالی، گٹھری تو برف کے پہاڑ کے نیچے دبی پڑی تھی۔ اس کا وہاں سے نکلنا دشوار ہی نہیں، محال تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ ادھر سے تو نا اُمیدی ہوئی۔ بس اپنی سرنگ نظر آئی۔ دیواریں تو میرے عصا نے کھڑی کی تھیں، برف کی چٹانیں جو بعد میں گریں تو انھوں نے دونوں دیواروں پر قائم ہو کر خاصی چھت بنا دی تھی۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ میں اس سرنگ میں پلٹ کر گھس گیا۔ حد درجہ سردی تھی، مگر ہوا کے بند ہونے نے کپکپی کم کر دی۔ خیال آیا اگر ہاتھ پاؤں سینکنے کو کہیں سے آگ مل جاتی تو سردی کی تکلیف رفع ہو جاتی۔ چقماق پتھر آگ جلانے کے لئے جیب میں موجود تھا مگر اس ریگستان و برفستان میں لکڑی کہاں؟ ہوں، ہوں، ہوں۔ اسی تلاش میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ کوئی دو میل کے فاصلے پر گیا دیکھتا ہوں کہ ایک پورا نخلستان موجود ہے جس کا پانی تو جم گیا ہے، مگر سارے درخت ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے ٹکڑے پڑے ہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں! میں اپنے پیروں کے زور میں، اور بانا کے بند باندھنے کے بندوبست میں اس قدر تیزی سے اڑ رہا تھا کہ پورا نخلستان ایک ہی جست میں پار کر گیا تھا! ہوں، ہوں، ہوں! میں نے جلدی سے

چند کندے اُٹھائے، آگ جلائی۔ اور تھوڑی دیر کے لئے منظر کی دلفریبیوں میں اپنی جسمانی تکلیفات کو بھی بھول گیا۔ ہُوں، ہوُں، ہُوں۔

ظہور بول اُٹھے: "ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی!"

حکیم بانا نے فوراً جواب دیا۔ "جی ہاں۔ ہے

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں!

ہُوں، ہوُں، ہوُں۔ برف سے ڈھکی شاخیں، برف کی غیر مسطح دیواریں، برف ہی کی ناہموار چھتیں۔ ان پر جب سُرخ سُرخ شعلوں کا عکس پڑا تو منظر حد درجہ دلپذیر ہو گیا۔ گویا میں ایک مرمرادیدی محل میں تھا جس میں کہیں سنگ رخام لگا تھا کہیں سنگ سرخ۔ ہوں، ہوں، ہوں، پھر یہ گرمی میں سکون، التہاب میں اطمینان، حدّت میں لذّت، جہنم میں جنت، ہوں، ہوں، ہوں۔ مگر بھیگا لباس اب بھی تکلیف دے رہا تھا۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں۔

میں نے اپنے جسم سے کپڑے اتار ڈالے۔۔۔۔

ظہور نے پھر چٹکی لی۔ "ننگے ہو گئے؟"

حکیم بانا نے کہا "جی، وہ سرنگ میرے لئے خلوت تھی۔ کوئی دوسرا نہ تھا۔ کسی ستر کی حاجت نہ تھی۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ میں نے سارے کپڑے آگ پر سکھائے تازہ تازہ مچھلیاں بھون کر کھائیں، پانی پیا۔۔۔"

مبین نے کہا۔ "برفستان میں پانی!"

حکیم بانا نے ڈنڈا اُٹھا لیا "ہے شرارت۔۔۔"

مبین نے تیکھے پن سے جواب دیا۔ "جناب، آپ ہی نے تو ابھی کہا تھا کہ سارا پانی جم گیا تھا!"

حکیم بانا نے "ہوں، ہوں" کہہ کر ڈنڈا فرش پر رکھ دیا۔ پھر مدرسوں کی طرح مبین کو سمجھانے لگے: "اچھا، بتائیے تو کہ ابھی لڑکے جو اولے چن رہے تھے تو وہ ان کے ہاتھوں میں آتے ہی گلنے کیوں لگے تھے؟"

وہ بولے "جی ہاتھ کی گرمی سے!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ تو میں نے اتنے بڑے بڑے گندے جلائے تھے، کیا ان میں گرمی، حدت، سوزش، التہاب، کچھ نہ تھا۔ ہوں، ہوں ہوں۔ ارے جناب سوزشِ آتش نے انجماد سے شدتِ برودت سلب کر لی ---"

مبین نے کہا "اردو میں کہئے تو میری سمجھ میں آئے!"

حکیم بانا نے کہا "جی آگ کی گرمی نے برف میں سے جمے رہنے کی صلاحیت غائب کر دی۔ برف پگھل کر پانی ہو گئی۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اب پانی کی کمی کا سوال ہی کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ پورا دریا موجیں مار رہا تھا، اور مجھے بار بار خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جائے قیام کے فرش سقف، بام و در، سب پگھل کر مجھ پر نہ آ رہیں! ہوں، ہوں، ہوں ---"

حکیم بانا نے رک کر حقّہ کا کش لینے کے لئے جو ذرا گردن جھکائی تو ایک بچہ نے اپنے سے قدرے بڑے لڑکے سے پوچھا "یہ سقف و بام کس کو کہتے ہیں؟" اس شریر نے بے تامل جواب دیا "تختی و قلم کو کہتے ہیں۔ وہ کیا ابھی بسم اللہ کرانے میں جو حکیم صاحب کے چاندی کی پائی ہے!"

اس بے ساختہ اور بے تکے جواب پر لڑکوں میں "جو کھی، کھی کھی" کی آواز بلند ہوئی تو حکیم صاحب نے ڈنڈا اٹھا کر ادھر اُدھر نظر کی۔ گویا سانپ نے پھن اٹھا کر دیکھا، ہر طرف

خاموشی چھا گئی۔

حکیم بانا نے کہا: ہوں، ہوں، ہوں۔ میں اپنی گفتگو کے درمیان نہ کوؤں کی قائیں قائیں پسند کرتا ہوں اور نہ لڑکوں کی چائیں چائیں، ٹائیں ٹائیں اگر تم بدنصیبوں میں سے کوئی بھی بولا تو اس تنبیہہ الغافلین کو پہچان لو۔ یہ ہوگا اور تمہارا سر! ہوں، ہوں، ہوں۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ اب نہ تو سرنگ میں آگ کی کمی تھی اور نہ آب کی۔ بلکہ ہر لمحہ خطرہ بڑھتا جا رہا تھا کہ کہیں برف کی چھت اور دیواریں پگھل کر مجھ پہ نہ آ رہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں، ہوں۔"

مبین نے پھر پوچھا "اور یہ جو تازہ مچھلیاں جناب نے تناول فرمائیں، وہ کہاں سے آئیں؟"

حکیم بانا نے سر ہلا کر اس کی کم عقلی پر اظہارِ افسوس کیا۔ وہ بولے۔ جناب من نخلستان کی جھیل میں جو مچھلیاں تھیں وہ پانی کے ساتھ ساتھ جم گئی تھیں۔ ایک تو برف میں رکھنے سے وہ یونہی تازہ رہتی ہیں۔ ان کے باسی ہونے کا خیال تک نہیں پیدا ہو سکتا۔ بس آپ اسی سے سمجھئے کہ آپ کے دریاؤں سے مچھلیاں شکار کر کے دور دور کے شہروں مثلاً کلکتہ، ڈھاکہ، اور بمبئی کی طرف برف ہی میں رکھ کر بھیجی جاتی ہیں۔ ہوں، ہوں ہوں،۔ دوسرے برف جو پگھلی پانی گرم ہوا تو مچھلیوں کے جسم سے بھی ٹھنڈک کا اثر زائل ہوا اور وہ بھی رینگنے، پھڑکنے اور تیرنے لگیں! ہوں، ہوں، ہوں!۔ اب مچھلیوں کی کیا کمی تھی۔ اس بہتات سے تھیں اور اس آسانی سے پکڑی جا سکتی تھیں کہ اگر ضرورت ہوتی تو شاید بغداد و دمشق دونوں شہروں کے سارے باشندوں کو دعوت عام دی جا سکتی تھی۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ میں نے جلدی سے کپڑے سکھلائے، مچھلیاں کھائیں، اور بہ تقریب سفر تیار ہوا ——"

ظہور نے کہا "قبلہ ایسی سہی نہیں آپ کو رک کر ہر ذرہ پہ دل باندھنے کا موقع دینا چاہیئے تھا" ۔ حکیم بانا نے بھی مسکرا کر ہوں، ہوُں کہا۔

مبین نے کہا "یہ کیا معمّوں میں باتیں کرنے لگے"

ظہور نے کہا "ارے یار تم کو تو شاعری سے کوئی ربط نہیں۔ ورنہ غالب کا شعر یاد ہونا چاہیئے تھا:-

جب بہ تقریبِ سفر یار نے محمل باندھا
تپشِ شوق نے ہر ذرّہ پہ اک دل باندھا!

حکیم بانا بولے "مبین میاں آپ ظہور صاحب کی مہمل باتوں پر نہ جائیے۔

ایک صاحب اور بولے "قبلہ" ان دونوں سے آپ کا رشتہ مذاق کا ہے۔ جب جی چاہے ہنس بول لیجئے۔ مگر ہم تو اس عجیب واقعہ کے اختتام کے سننے کے مشتاق ہیں۔

حکیم بانا نے کہا " ہوُں، ہوُں، ہوُں۔ میں نے پھر کپڑے پہنے، ہاتھ میں ڈنڈا سنبھالا اور بانا کی چھلانگیں لگاتا چلا۔ گھنٹوں ہی برف کے پہاڑ اور دریا ملتے رہے اُن پر چڑھتا، کودتا، پھاندتا، تیرتا، پار کرتا چلا گیا۔ بالآخر وہی بے آب و گیاہ ریگستان، وہی بے نخل و درخت۔ صحرا۔ ہوُں، ہوُں، ہوُں"

اتنے میں دستر خوان لگ گیا اور خاں صاحب نے خود بڑھ کر کہا۔ حکیم صاحب کھانا تناول فرمالیجئے۔ ظہور صاحب سب لوگوں کو ساتھ لیکر چلیئے"

ظہور نے کہا "لیجئے قبلہ، یہ ریگستان تو نخلستاں ہی نہیں دستر خوان میں بہت جلد مبدّل ہو گیا ــــ"

اور سب لوگ ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حکیم بانا ہال سے ملے ہوئے

دالان میں آئے۔ انھوں نے اپنی زیر پائی پہنی اور چبوترے پر اترے جس کمرے میں دسترخوان لگا تھا وہاں تک پہنچنے میں تھوڑا سا پانی پڑتا تھا۔ لوگ عام طور پر کترا کے نکل جاتے تھے۔ لیکن نوجوان اور لڑکے عمداً اُسے پھلاند کر جاتے۔ حکیم بانا کے جسم میں ان میں سے کسی سے کم گرمی نہ تھی۔ وہاں پہنچتے ہی انھوں نے پانی میں عصا ٹیکا اور بانے والی چھلانگ ماری۔ اتفاق یہ کہ پانی کی تہہ میں اب تک کچھ اولے پڑے تھے عصا انھیں پر ٹکا، جیسے ہی حکیم صاحب کا بوجھ ڈنڈے پر پڑا وہ پھسل گیا اور حکیم بانا ایک چھپاکے کے ساتھ کیچڑ بھرے پانی میں آ رہے۔
بزرگ تو یہ کہہ کر دوڑ پڑے "ارے کیا ہوا بھائی؟ یہ کیا مصیبت آئی میاں؟" مگر ایک نوجوان نے مجمع کے پیچھے چھپکر فقرہ کسا۔ "جی، حکیم بانا نے پورا انگلستان پھر سے پار کیا!" — دوسرے نے بھی آڑ سے آواز لگائی۔ "کھیل رہے بانا کھیل! پیسے میں آپ ہی آپ!"

بس تین چار سو گلوں سے ایک ساتھ قہقہہ نکلا۔ قہہ! قہہ! قہہ! قہہ! قہہ! قہہ! ادھر حکیم بانا نے کیچڑ ہی میں پڑے پڑے بکنا اور بنکارنا شروع کیا۔ "ارے مردودو! میں پھسل گیا اور تم ہنستے ہو۔ ہے شرط کہ — چپ رہو بد تمیزو، بدتہذیبو! ارے مجھے ہاتھ پکڑ کر کوئی نکالو! ہنسنا بند کرو شیطانو! ہے شرط کہ — ارے کمبختو مجھے اُٹھاؤ — ہے شرط کہ! —"

وہ چیخ رہے تھے اور مجمع ہنسی سے بیتاب تھا۔ لڑکے اچھل رہے تھے، جوان پیٹ پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ بوڑھے منہ میں رومال ٹھونسے تھے۔ کوئی قریب نہ جاتا تھا۔ ایک نہ ایک چیخ اُٹھتا۔ "انھوں نے ڈنڈے سے برف کی دیوار بنائی!

انھوں نے اچک کر بڑھا ہوا دریا، میلوں پھیلا ہوا پاٹ پار کیا! ایسے یہ ایک ایک زقند میں کئی کوس اچک جاتے تھے!"

اور سب ہنستے ہنستے بے حال ہو جاتے۔ ان کے غصے پر، ان کے خفا ہونے پر قہقہہ تیز ہو جاتا۔ بالآخر خاں صاحب اپنے قیمتی جوتے سمیت خود ہی کیچڑ میں گھس گئے۔ انھوں نے حکیم جی کو سہارا دے کر اٹھایا۔ وہ غصے سے دیوانے ہو رہے تھے، اٹھتے ہی انھوں نے ہنسنے والوں پر ڈنڈا گھمانا چاہا۔ پاؤں سے زمین پائی پھسلی، وہ لڑکھڑائے اور پھر گر پڑے۔ اب کے خود ہی چوہا نہ بنے بلکہ خاں صاحب کے کپڑوں پر بھی سر سے پاؤں تک گل کاری کر دی۔

اتنے زور کا قہقہہ پڑا کہ ساری کوٹھی گونج اٹھی۔ زنانخانے سے حضور نی نے پچھوا بھیجا کاہے کا شور ہے۔ خاں صاحب "لاحول ولا قوۃ" کہہ کر پھر آگے بڑھے۔ اور حکیم بانا کا ہاتھ پکڑ کر باہر لائے۔ انھوں نے مجمع کو بڑے غصہ سے ڈانٹا۔ "کیا بدتمیزی ہے، خاموش رہو!" پھر وہ حکیم بانا سے بولے:۔

"قبلہ، آپ گھر جا کر نہا دھو کر جوڑا بدل ڈالیے، میں خاصا وہیں بھجوا دوں گا"۔

اور حکیم بانا بھیگا چوہا بنے مگر غصہ سے دانت پیستے گھر سدھارے!۔

پانچواں باب

"گرداب گرد"

حمید کی بسم اللہ کے بعد سے ابتدائی کتابیں پڑھانے کا کام حکیم بانا ہی کو سپرد کیا گیا۔ ان سے بڑے کئی عربی کے افاضل اور انگریزی کے گریجویٹ گاؤں میں موجود تھے۔ لیکن ان میں سے کسی کا مستقل قیام مہندی پور میں نہ رہتا تھا پھر انکی سی ہمہ دانی کسی اور میں نہ تھی۔ لیکن ان کے غصے سے ہر ایک واقف تھا۔ ناک پر دھرا رہتا تھا۔ عورتیں اس سے بہت گھبراتی تھیں۔ اللہ آمین کا پالا بچہ۔ یہ نہ جانے کب اُسے پیٹ کر رکھ دیں۔ اس لئے دوسرے ہی دن جب یہ سوال اُٹھا تو بیگم صاحبہ نے انھیں اندر بلا بھیجا۔ انھوں نے پردے کے پیچھے سے کہا "دیکھئے حکیم صاحب، حمید اس گھر کا چشم و چراغ ہے، اور کو کہتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ مگر میں نے سنا ہے آپ کے مزاج میں جھلاہٹ بہت ہے۔"

حکیم بانا اس سے زیادہ اپنی قدح نہ سن سکتے تھے۔ انھوں نے غصہ پیکر کہا "ہوں، ہوں، ہوں جنابہ بیگم صاحبہ، میں آپ کے لونڈے کو بغیر پڑھائے بھی زندہ رہ سکتا ہوں؟ میں نے اس کی اتالیقی کے لئے کوئی درخواست آپ کی خدمت میں نہیں پیش کی تھی۔ ہوں، ہوں، ہوں!" انھوں نے کہا "ہے ہے، دیکھئے نا میں اسی سے آپ سے بات کرتے ڈرتی تھی۔ آپ نے میری بات بھی پوری نہ ہونے دی کہ خفا ہو گئے!"

حکیم بانا نے کہا "جناب بیگم صاحبہ، میں صرف اتنا وعدہ کر سکتا ہوں کہ میں آپ کے

صاحبزادے کے ساتھ اس سے زیادہ سختی نہ کروں گا جتنی کہ میں خود اپنے لڑکوں کے ساتھ مناسب اور ضروری سمجھتا ہوں!"

حضورہ بی اب تک خاموشی سے بھری اور حکیم جی کی باتیں بیٹھی سن رہی تھیں۔ اب وہ چپ نہ رہ سکیں۔ بولیں:۔

"حکیم جی، تم میرے چھوٹے ہو۔ مجھ پر نہ تو تمھارے لال پیلے دیدوں کا اثر پڑتا ہے اور نہ تم مجھے ڈانٹ ہی سکتے ہو۔ اس لئے میں صاف صاف کہے دیتی ہوں کہ تم نے میرے حمید کو اگر پھول کی چھڑی بھی چھوائی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا!——"

حکیم بانا بان کی طرح اُڑ گئے۔ وہ زمین کو ڈنڈے سے پیٹ کر بولے "معظمہ، آپ اپنی حدوں سے باہر بڑھی جارہی ہیں۔ آپ میری والدہ کے برابر ہیں، مگر میں نے والدین کو بھی اتنی سخت کلامی کی اجازت نہیں دی۔ ہے شرط کہ —— خیر آپ خاتون ہیں، آپ سے زبان لڑانا خود میری توہین ہے! مجھے بس اتنا کہنا ہے کہ آپ اپنے پیارے، چہیتے، لاڈلے، محبوب و گلعذار پوتے کے لئے کوئی اور معلّم ڈھونڈھ لیں۔ ہُوں، ہوُں، ہوُں، ہوُں! میں اسے ہرگز ہرگز تعلیم نہ دوں گا!——"

اور وہ پاؤں ٹپکتے، ٹھنکاریاں مارتے باہر چلے آئے۔ وہاں خاں صاحب منتظر بیٹھے تھے۔ حکیم بانا کو سرو قد تعظیم کر کے پاس بٹھایا، پھر انھوں نے رُکتے رُکتے پوچھا "کہئے مستورات سے کیا باتیں ہوئیں؟"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں، ناقص العقل ہیں۔ اسی لئے تو خدا نے مردوں کو ان کا حاکم بنایا ہے۔ ہوُں، ہوُں، ہوُں!"

خاں صاحب نے گھبرا کر پوچھا "کیا کچھ حضور اماں نے فرما دیا؟

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ ان کا ارشاد ہے کہ لڑکے کو کڑی نظر سے نہ دیکھنا، اسے کبھی تادیب نہ کرنا، ہوں، ہوں، ہوں، میں جناب اطفال کو سر چڑھانے کا قائل نہیں۔ وہ ہیزم خام ہوتے ہیں، ان کو گرما کر ہی سیدھا کیا جا سکتا ہے!"

خاں صاحب نے کہا "تو آپ عورتوں کی باتوں پر کیوں جاتے ہیں۔ میں تو عرض کر رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ "تادیب استاد بہ ز مہر پدر!" حمید کی صحیح تعلیم و تربیت ہونا چاہیئے۔ وہ آپ کا بچہ ہے۔ میں نے اسے آپ کو سپرد کیا!"

حکیم بانا نرم پڑ گئے۔ بولے "ہوں، ہوں، بہت اچھا، میں آپ کی خاطر سے اس فریضہ کی ادائیگی منظور کرتا ہوں۔"

اسی دن سے حمید کی تعلیم حکیم بانا کے سپرد ہوئی۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ حکیم بانا نے حمید کو واقعی بھول کر بھی چھڑی نہیں چھوائی! ایک تو اس لڑکے کا ذہن بھی اچھا تھا اور حافظہ بھی۔ وہ جلد سمجھ بھی لیتا اور جلد یاد بھی کر لیتا۔ دوسرے وہ حکیم بانا سے ڈرتا اس قدر تھا کہ یہ اگر دو سطریں پڑھاتے تو وہ چار سطریں دوسروں سے پوچھ کر پڑھ رکھتا۔ حکیم بانا کو اگر کسی وقت غصہ بھی آتا تو وہ اسے خلافِ عادت پی جاتے۔ گھر بیٹھے پچیس روپیہ ماہوار ملتے تھے۔ مفت کا وثیقہ تھا۔ زر نے آہن کو آخر نرم کر ہی دیا!

اب اُن کا یہ معمول سا ہو گیا تھا کہ وہ صبح کے مطب سے سیدھے ٹھکر ڈیوڑھی پر آتے۔ حمید کو ایک گھنٹہ تعلیم دیتے پھر خاں صاحب کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ کر مطب واپس جاتے۔ جب بھی گاؤں میں موجود ہوتے تو خاں صاحب کے ہاں کی شام کی نشست ناغہ نہ کرتے۔ اس وقت پان اور حقّے کے علاوہ شربت یا چاء بھی ملتی اور

پڑھے لکھے ہمسنوں کی صحبت بھی۔ ان صحبتوں میں وہ اپنی سیاحت کے عجیب و غریب واقعات کے بیان کرنے میں بڑی چرب زبانی دکھاتے۔ خاں صاحب کی موجودگی کی وجہ سے کوئی ان کو ٹوک نہ سکتا تھا۔ خاں صاحب بزرگ داشت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ وہ انکو یادہ گو تسلیم کرتے تھے مگر ان کی مبالغہ آمیزی کو ایک صاحب کمال کی معمولی کمزوری سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی لئے حکیم بانا فرضی واقعات کو ان مجلسوں میں خوب خوب رنگ آمیزیاں کر کے بیان کرتے تھے اور کسی کو مجال لب کشائی نہ تھی!

ایک دن گرمیوں کا موسم تھا۔ خاں صاحب کے بڑے صحن میں خوب چھڑکاؤ کیا گیا تھا۔ تختوں کے چوکے پر سفید چاندنی کا فرش تھا۔ خاں صاحب اس پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ اغل بغل رکھی ہوئی کرسیوں پر ظہور، مبین، لالہ صاحب اور گاؤں کے دوسرے ممتاز لوگ بیٹھے تھے۔ حقہ کا دور چل رہا تھا۔ پان کھائے جا رہے تھے۔ شربت تیار کیا جا رہا تھا۔ گپیں لڑ رہی تھیں۔ ہر ایک اس آندھی کے اثرات و نتائج بیان کر رہا تھا جو اس دن سہ پہر کو چلی تھی۔ گاؤں کے غربا کے کئی چھپر اڑ گئے تھے۔ میدانوں میں چرنے والے مویشی کوسوں بھٹک کر ادھر سے ادھر چلے گئے تھے۔ آم کے سارے باغ ستیاناس ہو گئے تھے۔ خاں صاحب کے حکم سے لالہ بنسی دھر چھپروں کے لئے بانس، پھوس وغیرہ ابھی رعایا میں تقسیم کر کے پلٹے تھے۔ پریشانیوں میں سکون ہوتے ہی یاران زندہ دل نے فقرہ بازیاں شروع کر دی تھیں اور ہر ایک مختلف طرح کی آندھیوں میں اپنے ذاتی تجربے نمک مرچ لگا کر بیان کر رہا تھا کہ حکیم بانا مع اپنی جریب کے کھٹر پٹر کرتے آ گئے۔ سب نے کھڑے ہو کر تعظیم دی۔ وہ حسب دستور ایک ہی "وعلیکم السلام" میں سب کو لپیٹتے خاں صاحب کے پہلو

میں جا کر بیٹھ گئے۔ اور حقہ پینے لگے۔

ظہور نے کہا "حکیم صاحب، آج کی سی گرمی تو میری یاد میں تیس برس سے نہیں پڑی۔ پھر اس آندھی نے تو قیامت ہی برپا کر دی"۔

حکیم بانا نے "ہوں، ہوں" کر کے حقے کی نے سیدھی کر دی۔ پھر وہ بولے آپ حضرات نے نہ تو گرمی دیکھی ہے اور نہ آندھی۔ حرارت، حدت اور گرما کا حال تو میں کسی اور دن بیان کروں گا لیکن میں آج ایک آندھی کا حال بیان کئے دیتا ہوں، جس کو میں نے اپنے تجربوں میں "گرداب گرد" کا نام دے رکھا ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں"۔

لوگوں نے اپنی اپنی کرسیاں قریب کھسکا لیں۔ ظہور نے حکیم بانا کا چھوڑا ہوا حقہ اپنی طرف موڑ لیا اور اس کی جگہ ان کے سامنے خاصدان رکھ دیا۔ حکیم بانا نے دو گلوریاں کلّے میں دبائیں، ایک پوری چٹکی تمباکو کی منہ میں ڈالی۔ پھر وہ بولے "ہوں، ہوں، ہوں"۔ یہ حادثہ اسی سفر دمشق میں پیش آیا جس کا ذکر میں نے آپ لوگوں سے حمید میاں کی بسم اللہ کے دن کیا تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔۔۔"

چونکہ اس دن کے ذکر نے سب کو حکیم بانا کا پانی میں گرنا اور ان کی کیچڑ میں لت پت صورت یاد دلا دی اس لئے ہر ایک نے مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کی۔ ظہور نے دو لمبے کش لیکر ہنسی کو کھانسی میں بدل لیا۔ مگر خاں صاحب کے خیال اور حکیم بانا کی خفگی کے ڈر سے کسی نے قہقہہ نہ لگایا۔

حکیم بانا نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ "جب میں برفستان کو پار کر کے ریگستان پہنچا تو اس وقت تقریباً دو بجے تھے۔ حدت و تمازت آفتاب سے ریت کی قطع بھاڑ کے گرم جلتے بھوبھل کی تھی۔ جہاں پاؤں رکھتے ہی سینکڑوں چھالے پڑتے۔ ہوں، ہوں

ہوں۔ جسم میں جتنی تری اور رطوبت تھی وہ دھواں بن کر اُڑ گئی۔ خون خشک ہونے لگا زبان میں کانٹے پڑنے لگے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ حبس اس قدر شدید تھا کہ سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ اُس پر بادو تھی کہ کان، ناک، آنکھ، منہ میں، جسم کے تمام سوراخوں اور رخنوں سے گھستی چلی جاتی تھی۔

ظہور نے کہا، "خوب! بہت خوب!"

ہیں اور دوسرے لوگ ہنس دیئے۔ خاں صاحب مسکرائے۔ حکیم بانا نے ظہور کو کنکھیوں سے دیکھا۔ وہ بولے۔

"ہوں، ہوں، ہوں۔ خدا نہ کرے کوئی ایسی بلا میں پھنسے۔ ایسے وقت میں نہ سر و تن کا ہوش رہتا ہے۔ نہ اعضائے ستر کا! ہوں، ہوں، ہوں! خیر میں بدحواس ہی نہیں بلکہ تقریباً بے ہوش چلا جا رہا تھا کہ دفعتہً دُور بہت دور ایک تتقِ گرد دکھائی دیا۔ رُک کر نظر جمائی۔ دیکھا تو ایک گرداب، گردبگولے کی طرح چکر کھاتا، گھومتا میری طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اس گرداب کا ایک سرا زمین میں ہے دوسرا آسمان میں غائب ہے۔ حلقہ میلوں کا۔ ہوں، ہوں، ہوں آواز میں وہ غوغا، وہ شور جیسے ہزاروں چنگھاڑتے اژدہے، لاکھوں چنگھاڑتے ہاتھی، کروڑوں دھاڑتے شیر، سب بیک وقت اس میں اکٹھا ہو کر ایک ساتھ چیخ رہے ہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ یقین ہو گیا اب جان گئی۔ کوئی صورتِ مفر نہ تھی۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن! ہوں، ہوں، ہوں۔ کدھر جاؤں، کہاں پناہ لوں، کیونکر اپنی حفاظت کروں، کس کا سہارا ڈھونڈھوں۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ تن بہ تقدیر ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا اور قبا اتار کر جلدی سے سر سے اوڑھ لی ـــــ"

ظہور نے پھر فقرہ کسا، "صورتِ زیبا دیکھنے کے قابل رہی ہو گی!"

ابھی ہنسی ختم نہ ہوئی تھی کہ حکیم بانا تڑسے بولے "جی ہاں یقیناً ویسی نہ تھی جیسی ا
آرسی مصحف کے وقت آپ کے بھانجوں کی ماں نے دیکھی تھی! ہوں، ہوں، ہوں! خیر،
دفعتہً گرداب نے مجھ کو گھیر لیا۔ میں نے دیکھا تو اس بگولے میں سیکڑوں درخت، ہزاروں
جانور، گھوڑے، خچر، اونٹ اُڑے چلے آرہے ہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں! یہی نہیں بلکہ
چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں، پورے پورے مکانات، کئی مسلّم گاؤں کاغذ کے پُرزوں اور کٹی ہوئی
کنکیا کی طرح چرخ کرتے، لڑھکتے چلے آرہے ہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ میں نے بے تحاشا
ہاتھ گھما گھما کر بانا کا حصار باندھا۔ یہ بگولے اور گرداب سے بچنے کے لئے نہ تھا۔ اس لئے
کہ وہ تو واقعی قہرالٰہی تھا۔ انسان عاجز و مجبور اس کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس ہاتھ
ہلانے کی غرض صرف اتنی تھی کہ میں کسی چیز سے ٹکرانے نہ پاؤں اور اس طوفان میں بہتی
ہوئی چیزیں مجھ سے دور ہی رہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ مگر اس تیز ہوا میں پاؤں جمانا
محال تھا۔ میں بھی اُڑنے لگا۔ مگر قدرت خدا کہ ہوا کے جھونکے نے مجھے ایک اسپ باد رفتار
کی پیٹھ پر پھینک دیا۔ وہ ایک بار چیخ کر الف ہوا۔ سمجھا کوئی درندہ، بھالو، شیر اس پر
آپڑا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ مگر میں نے جلدی سے بتری جمالی۔ اور اس کی ایال تھام کر
گردن سے لپٹ گیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ پھر نہ میں نے آنکھ کھولی اور نہ مجھے اسکی خبر کہ
اس کے بعد کیا ہوا۔ ہوں، ہوں، ہوں! میں سمجھتا ہوں کہ میں تقریباً دو گھنٹے بیہوش رہا۔
جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا میں دمشق کے قریب کھجوروں کے باغ میں زمین پر
پڑا ہوں اور میرا اسپ رفیق کھڑا گھاس کھا رہا ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں ــــ"

حکیم بانا نے رُک کر اگالدان میں اوگال ڈالا۔ دو گلوریاں پھر کلے میں رکھیں اور
چٹکی بھر تنباکو کھا کر وہ بولے "میں نے اٹھ کر قریب کے چشمے میں منہ ہاتھ دھویا۔ جریدہ،

جرعہ کرکے پانی پیا اور وضو کرکے نماز عصر کے ساتھ ساتھ دو رکعت نماز شکر بھی پڑھی۔ پھر اسی گھوڑے پر بے زین و لگام سوار ہوا۔ اور اسی شام کو دمشق میں داخل ہو گیا۔ ہوں، ہوں لا۔

ظہور نے کہا " غرض شام کو داخلۂ شام ہوا "۔

لوگ ظہور کے اس فقرے پر ہنس دیئے۔ حکیم بانا نے بھی ہوں، ہوں کرکے کہا " ماشاءاللہ طبیعت حاضر پائی ہے "۔

ظہور نے اُٹھتے اُٹھتے کہا " اچھا قبلہ، آج تو صرف آندھی آکے رہ گئی۔ کل آئیگی گرمی کا حال بھی سنیں گے۔ اور اس کے لئے بیتابی کا یہ حال ہے کہ ؎

یہ رات بھیانک ہجر کی ہے کاٹیں گے بڑے آلام سے ہم
ٹلنے کی نہیں یہ کالی بلا سمجھے ہی ہوئے ہیں شام سے ہم

اور سب ہنستے ہوئے خوش خوش اپنے اپنے گھر سدھارے۔

چھٹاں باب

"ایک طبعیاتی نکتہ"

دوسری شام کو جیسے سب حکیم بانا کے منتظر بیٹھے تھے۔ اس لئے کہ ان کے آتے ہی ظہور نے اصرار کیا " ہاں قبلہ، کل آپ نے فرمایا تھا کہ آج اپنی گرمی کا حال بیان کریں گے "۔

ظہور نے یہ فرمائش "گرمی" کی لفظ پر زور دے کر اس طرح منہ بنا کر کی کہ سب لوگ ہنسنے لگے۔ اب بھلا حکیم بانا بغیر جواب دیئے کیسے رہ سکتے تھے وہ بولے " ظہور صاحب

اب گرمیاں دکھانے کا تو میرا سن نہیں۔ ہا! اور اگر مرض کی طرف اشارہ ہے تو میں طبیب ہوں مریض نہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ لوگوں نے ہنسکر حکیم ہانا کی حاضر جوابی کی بھی داد دی۔ مگر ظہور بھی آسانی سے بند ہونے والے نہ تھے۔ وہ بولے:۔

"وہ تو میں اچھی طرح جانتا ہوں قبلہ۔ ؎

مزاجِ عشق بہت معتدل ہے ان روزوں   جگر میں آگ دہکتی ہے آنکھ میں ہے تری!

خاں صاحب نے کہا "خوب! وجہ اعتدال، بہت ہی خوب!"

حکیم ہانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ میں نے جس گرمی کا ذکر کیا تھا وہ آپ کو ملے گی افریقہ کے ان حصوں میں جو خط استوا پر واقع ہیں، وہاں کی گرمی اور روزِ حشر کی گرمی میں بس سوا نیزے ہی کا فرق ہوگا!"

لالہ صاحب پھڑک اٹھے:۔ "سبحان اللہ حکیم صاحب، قیامت کے دن سوا نیزے پر آفتاب ہونے سے کیا فائدہ اٹھایا ہے۔ واہ! واہ!"

ظہور نے کہا "ہاں قبلہ۔ "وہ جہنم میں التہاب کہاں!"

حکیم ہانا نے اپنے خاص انداز سے مسکرا کر کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ مجھے جو واقعہ وہاں پیش آیا۔ اس کے سمجھنے کے لئے ایک طبعیاتی مسئلہ ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ حرارت یا گرمی اشیا کو بڑھاتی اور پھیلاتی ہے، اور برودت یا ٹھنڈک چیزوں کو سکوڑتی اور چھوٹا کرتی ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ مثلاً اگر آپ لوہے کو بڑھانا چاہتے ہیں تو آپ اسے آگ پر لال کریں گے۔ یہی حال چاندی اور سونے کا ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اسی طرح ٹھنڈک اپنا اثر دکھلاتی ہے۔ رقیق سے رقیق چیز کسی چھوٹی سی چھوٹی جگہ میں، کسی چھوٹے برتن میں رکھنا ہو تو اسے برودت پہنچا کر جما دیجئے۔

وہ مختصر ہو جائے گی۔ ہوں، ہوں، ہوں، اچاریوں میں امرتبانوں میں ہم شربت یا پھلی رکھتے ہیں۔ جب تک وہ گرم ہیں، انکی جسامت اور ہوتی ہے۔ مگر ٹھنڈے ہونے کے بعد اُن کی جسامت گھٹ جاتی ہو۔ اور جم جانے پر یہ کمی واضح ہو جاتی ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔"

لالہ صاحب بولے "قبلہ، یہ مسئلہ تو مسلمہ ہے، اس میں کسے شک ہے۔"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں"۔ اس سلسلے میں ایک بات ذہن میں آگئی جس کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ خاص طور سے اس لئے بھی کہ اس کا تعلق خود ہمارے ملک کے جغرافیائی حالات و کیفیات سے ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔"

بسین نے استعجاب سے پوچھا "اسی ہمارے ہندوستان جنت نشان سے؟"

حکیم بانا نے کہا "جی ہاں، اسی ہمارے وطن سے! ہوں، ہوں، ہوں، اسی طبیعاتی اصول کا یہ نتیجہ ہے کہ آپ راجپوتانہ والوں کو دیکھئے، جہاں گھٹتے، لپکتے، جلتے بالو کی بھوبھل ملک بھر میں پھیلی ہے! وہاں کے باشندوں پر نظر ڈالئے۔ ہوں، ہوں، ہوں جیسے دیکھئے سات فٹ آٹھ فٹ کا! ہڈیاں اتنی چوڑی کہ نبض دیکھنے میں کلائی ہاتھ میں آ ہی نہیں سکتی۔ ہوں، ہوں، ہوں! سینے اتنے چوڑے کہ درزی ناپنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کا دو گزی فیتہ ہمیشہ چھوٹا پڑ جاتا ہے! ہوں، ہوں، ہوں۔ ستر کے لئے کپڑے معاذ اللہ! ہمارا آپ کا پائجامہ دو ڈھائی گز کا، انکی شلواریں بیس گز، تیس گز کی! ہوں، ہوں، ہوں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بزرگوں نے ان کے ڈیل ڈول کو دیکھ کر اور لٹھے کی کمیابی پر نظر رکھ کر ان کے پائجامے ہمارے آپ جیسے نہیں رکھے، انھیں اور گھٹا کر گھٹنا کر دیا! ہوں، ہوں، ہوں۔ آپ ہی غور فرمائیے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ایسے گرم ملک میں اتنے چست لباس کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا استعمال سوائے اقتصادی

ضرورت کے بالکل ہی خلاف عقل ہوتا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ مردوں نے جب یہ لباس اختیار کیا، جب کہیں جاکر بیچاری عورتوں کے گھاگھروں اور شلواروں کے لئے ایک حلہ تک کپڑا پورا پڑا۔ ہوں، ہوں، ہوں ــــ"

حکیم بانا نے رُک کر دو گلوریاں اور تمباکو کھائی۔ تھوڑی دیر دوسروں کے ساتھ ساتھ خود اپنے مبالغوں سے لطف لیا۔ پھر کہا: "وہاں کے مویشی دیکھئے تو وہ بھی اسی قد و جسامت کے۔ بھینسیں ایسی کہ انکی پیٹھ پر بڑی بڑی مسہریاں بچھا لیجئے۔ میاں، بیوی بچے سب ایک ساتھ لیٹ رہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ بیل ایسے کہ ان کے ڈیل دیکھ کر ہاتھی شرمائیں، اور آپ کو سورۂ فیل یاد آئے ــــ"

خاں صاحب نے کہا "سُبحان اللہ حکیم صاحب کس لطف سے بیان کر رہے ہیں۔"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ اور اونٹ اتنے بڑے، لمبے تڑنگے کہ آپ حیرت سے "کیف خُلقت" کی تلاوت پر مجبور ہو جائیں ــــ"

خاں صاحب جھوم پڑے۔ یاروں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھ ماری۔

ظہور نے کہا "جی ہاں، عجیب چیز ہے، یہ بلبلاتا اونٹ بھی، خود خدا بھی اُسے اپنا کارنامہ سمجھتا ہے!"

مبین نے کہا "مگر حکیم صاحب کا بھی کمال دیکھئے۔ یہ صورت شکل اور یہ بیان!"

حکیم بانا نے ذرا گھمنڈ سے کہا "جناب میں نے اساتذہ فن سے انکی جوتیاں کھڑ کھڑ کر علوم حاصل کئے ہیں۔ آجکل کے تجارتی اسکولوں کالجوں میں گھانس نہیں کھودی ہے۔"

ظہور نے بڑا سنجیدہ چہرہ بناکر کہا "جی ہاں، وہ پچھلی سی تعلیم اب کہاں، جب جانور کو بھی آدمی بنا دیتے تھے ــــ"

سبین نے جلدی سے بات کاٹی۔ انھیں ڈر تھا بحث چھڑ جائیگی اور کہانی رہ جائیگی۔ وہ بولے "حکیم صاحب، یہ تو راجپوتانہ کا حال۔ ہے دوسرے حصّوں کی کیا کیفیت ہے؟"

حکیم بانا نے شروع میں بتایا ہوا کلیہ دوہرانا ضروری سمجھا۔ اس لئے ذرا ترش روئی سے کہا "ہوں، ہوں، ہوں، جی۔ میں اس ملک کے جغرافیائی حالات نہیں بیان کر رہا ہوں۔ بلکہ یہ ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں کہ حدت، یا گرمی کس کس طرح چیزوں کو بڑھاتی ہے۔ اور برودت یا ٹھنڈک کیونکر اور کن کن عنوانات سے اشیا کو مختصر اور چھوٹا بناتی ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں، آپ حضرات نے راجپوتانہ کا حال دیکھ لیا، جہاں حد کی گرمی پڑتی ہے اور جہاں کے زمین و آسمان دہکتا انگارہ ہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں، وہاں کی ہر چیز کا قد ہی نہیں بڑھتا، بلکہ وہاں کے جانداروں کی تمام قوتیں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ جیسے دیکھو رستم ہند، کیکر، کلّو، گاما! ہوں، ہوں، ہوں۔ یہ تو ہوئی جسمانی قوت۔ دماغی و ذہنی حیثیت سے دیکھئے تو وہی حالت۔ ہر سو دو سو بیگھے پر ایک راجہ خود سر صاحب الرائے، اپنی مستقل رائے رکھنے والا۔ اپنے احکام، اپنے قوانین، اپنا نظام سلطنت۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں!

ظہور نے بھیگی بلی کی صورت بنا کر کہا "کچھ اور قوتیں بھی ہوتی ہیں قبلہ!"

حکیم بانا نے کہا "جی، بلّی کو خواب میں چھیچھڑا ہی نظر آتا ہے۔ آپ کا جس طرف اشارہ ہے اس کی سند میں صرف ایک راجہ مان سنگھ کو لے لیجئے ہوں، ہوں، ہوں۔ تاریخوں میں موجود ہے کہ ان کی چتا پر ایک ہزار رانیاں ستی ہوئیں! ہُوں، ہُوں، ہُوں ــــ"

خاں صاحب نے گھبرا کر مجمع پر نظر ڈالی۔ نوجوان یا بچے تو موجود نہیں، خوش قسمتی سے سب ان کے یا حکیم بانا کے ہمسن ہی دکھائی دیئے۔ خود حکیم بانا پر کوئی اثر نہ تھا۔ وہ ایک علمی بات علمی انداز ولب ولہجہ میں پیش فرما رہے تھے۔ انھیں ہنستے چہروں اور مسکراتی آنکھوں کی کیا پروا۔ پھر انھیں خود بھی تو اپنے بیان میں مزا آ رہا تھا۔ وہ اپنی آواز کے عاشق تھے۔ نہ دوسروں کی سننا چاہتے تھے اور نہ انھیں دوسروں کے ایسے خیالات سے کوئی دلچسپی تھی جن سے خود ان کی برتری نہ ثابت ہو سکے۔

حکیم بانا نے حقے کا ایک لمبا کش لگا کر کہا "اب برخلاف اس کے بھوٹان، نیپال تبت پر نظر فرمائیے۔ برف سے ڈھکے پہاڑ، سردی ایسی کہ چلچلاتی دھوپ میں بھی دانت بجیں۔ ہوائیں اتنی ٹھنڈی کہ ہر قدم پر آپ ہی کو نہ جمائیں بلکہ خود بھی جم جائیں! ہوں، ہوں، ہوں۔ اب وہاں کے رہنے والوں کو دیکھئے، جو ہے سوا بالشت چار انگشت کا۔ ہوں، ہوں، ہوں اور قوت! لاحول ولا قوۃ!

خاں صاحب نے بے ساختہ تعریف کی "اے سبحان اللہ! سبحان اللہ! کیا لطف پیدا کیا ہے اس موقع پر لاحول نے!"

ظہور نے مبین سے کہا "ارے میاں جلدی بھاگو! یہاں لاحول میں بھی لطف آنے لگا!"

لوگ ہنسنے لگے اور خاں صاحب کچھ شرمائے تو ظہور نے فوراً بات کا رخ بدل دیا "مگر قبلہ، ان پہاڑیوں کی قوت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ چار چار، پانچ پانچ من کا بوجھ پیٹھ پر لادے گلہری کی طرح پہاڑ پر چڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور نہ جنگ

میں یہ حالت کہ جس محاذ پر چیکادت بجئے انگریز بلڈاگوں کی طرح اپنی جگہ کو دانت سے پکڑے بیٹھے رہیں گے!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں ع ہے ادب شرط منہ نہ کھلواؤ! جن صفتوں کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ نسوانی ہیں۔ بیشک وہاں کی عورتیں قوت میں مردوں سے بازی لے گئی ہیں۔ ایک ہی وقت اور زمانہ میں سترہ سترہ شوہروں کا بار اُٹھانا انھیں کا حوصلہ و حصّہ ہے! ہوں، ہوں، ہوں۔۔۔۔"

اس پر خاصا قہقہہ پڑا۔ حکیم بانا نے حقّہ سے سرگوشی کر کے کہا "فطرت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ اس طرح کے سرد ملک میں قائم کی ایورسٹ کی چوٹی! اتنی اونچی، بلند اور رفیع کہ جہاں تک انسان کے قدم کسی طرح نہ پہنچ سکیں[1]۔ ہوں، ہوں، ہوں۔

حکیم بانا نے رُک کر منہ صاف کیا۔ پان کی دو گلوریاں پھر کلّے میں کسیں، تمباکو پھانکا اور کہا:-

"اب ذرا تخیل سے کام لیجئے۔ سوچئے کہ اگر اس ایورسٹ کو جڑ سے اکھاڑ کر راجپوتانہ میں منتقل کر دیا جائے تو کیا ہو، ہوں، ہوں، ہوں۔ ایورسٹ بڑھنا شروع ہو۔ اور ہمارے لئے ستاروں تک راہ نکل آئے! ہوں، ہوں، ہوں۔ سنتا ہوں کہ آج کل ہوابازی کا بڑا زور ہے۔ لوگ آسمان میں حکیتی لگانے کی سوچ رہے ہیں۔ مریخ و قمر تک پہنچنے کی راہیں نکالی جا رہی ہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اگر ان میں سے کسی میں ذکاوت

---

[1] حکیم بانا کو کیا معلوم تھا کہ انھیں ننھے سپاہیوں میں ایک شیر پا ایسا بھی نکلے گا جو ایورسٹ پر قدم جا کر کھڑا ہی نہ ہوگا بلکہ دنیا کی اس بلند ترین چوٹی پر ہمارے ملک کا جھنڈا بھی گاڑ آئے گا۔ مصنّف

وذہانت ہوتی تو وہ دسکلوں کے ذریعہ ایورسٹ کو راجپوتانہ میں منتقل کر دیتا! ہوں، ہوں ہوں، پھر آپ دیکھتے کہ چند ہی برسوں کی گرمیاں دیکھنے کے بعد آپ کا ایورسٹ مریخ سے اور چاند سے خود ہی جا لگتا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اس وقت ہم آسانی سے یہاں سے وہاں تک سڑکیں بنا ڈالتے۔ میل دو میل ہم بناتے پانچ چھ میل اسے حرارت وحدت التہاب اور گرمی بڑھاتی۔ ہوں ہوں، ہوں۔ جس قدر آفتاب سے قریب بڑھتی اسیقدر گرمی کی شدت بڑھتی۔ بس سمجھ لیجئے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ پچیس تیس میل سڑک تیار کرنے کی زحمت اُٹھانا پڑتی۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ بقیہ تو فطری حدت، بے غل وغش، بے منت کسے، بغیر کسی خرچے اور دردسری کے خود ہی یہ خدمت انجام دے لیتی۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اور مریخ وقمر تک گرانڈ ٹرنک روڈ سے کہیں بہتر وسیع اور پختہ ومضبوط سڑک سال دو سال میں تیار ہو جاتی! ہوں، ہوں ہوں!——"

ظہور نے کہا "مگر قبلہ، سنتا ہوں کہ یہی ایورسٹ چین کی سرد ہواؤں کو ہم تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ اگر وہ اپنی جگہ سے کھسک جائے یا ہٹا یا جائے تو اس ملک کی آب وہوا بھی چین جیسی ہو جائے۔ اور آپ کے ممالک متحدہ کے باشندے بھی چینی گڑیاں بن جائیں!!"

حکیم بانا نے کہا! ہوں، ہوں، ہوں، ظہور صاحب۔ تعجب ہے کہ بعض وقت آپ بالکل ناسمجھوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اجی جناب، جب ہم مریخ تک پہنچ جائیں گے تو ہماری ایجادوں کی کوئی حد وانتہا نہ رہے گی! ہوں، ہوں، ہوں۔ اہل مریخ سب سے بڑے ریاضی داں ہیں۔ اور ساری اعلیٰ طبیعات ریاضی ہی پر مبنی ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔

جب مریخ والوں تک رسائی ہو گئی تو ایسا آلہ ایجاد کرنے میں کتنی دیر لگے گی جس کے ذریعہ چینی ہواؤں کو اسی ملک میں روک دیا جائے یا وہاں کے جغرافیائی اثرات کو بدل دیا جائے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ وہیں سے بیٹھے بیٹھے آفتاب کا رخ ذرا سا گھما دیا یا دوسرا آفتاب بنا کر لٹکا دیا کہ ساری حرارت اسی شمالی پہاڑ پر پڑے۔ اور ہمالیہ کوہ طور بن جائے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ پھر کنچن جنگا اور دوسری چوٹیاں خود ہی سربلند ہو کر چشم فلک سے آنکھیں لڑانے لگیں گی اور چین کی ہوائیں پھر ادھر ہی ادھر! ہوں، ہوں، ہوں۔ اور ان پہاڑیوں پر بھی پانچ پانچ ہاتھ کے جوان، چار چار ہاتھ کی دوشیزائیں! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

ظہور نے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کر کے کانپ کر کہا "یا حفیظ!"

لوگ ہنس ہی رہے تھے کہ ملازم نے حاضر ہو کر اطلاع دی "سرکار دستر خوان چن دیا گیا ہے اور چھوٹی حضور خاصے پر انتظار فرما رہی ہیں۔"

مبین نے کہا "اب یا رزاق" کہئے! اور سب لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ساتواں باب

"عروج کا قد"

دوسرے دن شام کی نشست میں حکیم بانا کے آتے ہی سب نے فرمائش کی "کل تو سارا وقت تمہید ہی میں گزر گیا۔ یہ معلوم ہی نہ ہوا کہ آپ کو اس سلسلے میں کون سا واقعہ پیش آیا۔"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ لیکن ابھی تمہید ختم نہیں ہوئی ــــــ"

ظہور نے کہا "صحیح ہے سرکار ــــ ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا: آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔

حکیم بانا چیں بہ جبیں ہو کر بولے "ہوں، ہوں، ہوں۔ مجھے اصرار نہیں کہ آپ میرا سفرنامہ ضرور سنیں۔ ع۔ اپنا بیان حسنِ طبیعت نہیں مجھے! ہوں، ہوں، ہوں!"۔

خاں صاحب نے دفع شر کے لئے جلدی سے کہا "نہیں قبلہ، ظہور صاحب کا مقصد معاذاللہ کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ تو موقع بے موقع شعر پڑھنے کے عادی ہیں کیوں بھائی ظہور؟"

ظہور نے کہا "منظور ہے گذارش احوال واقعی۔ حکیم صاحب جانتے ہیں کہ میں مسخرا ہوں۔ کوئی بات ذہن میں آئی تو طبیعت کو گند نہیں ہونے دیتا۔"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ خیر، ابھی ابتدائے عشق کی باتیں سہی! میرا خیال ہے کہ وہ بھی کافی دلچسپ ہیں، ہوں، ہوں، ہوں۔ میں نے کل آپ لوگوں کو

بتایا تھا کہ حدّت سے چیزیں بڑھتی اور برودت سے سکڑتی ہیں۔ اور اس سلسلے میں میں نے راجپوتانہ اور نیپال کی مثال پیش کی تھی۔ ہُوں، ہوں، ہوں۔ وہ تھیں جغرافیائی آج دو مثالیں تاریخی بھی سُن لیجئے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ ایک مثال تو خود آپ کے ملک ہندوستان کی ہے۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں۔

لالہ صاحب نے کان کھڑے کئے۔ "کیا اس ملک کی تاریخ کے سلسلے میں کوئی نئی تحقیق فرمائی ہے قبلہ؟" انھوں نے پوچھا۔

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہُوں، ہُوں۔ کوئی تحقیق نہیں، وہی طبیعاتی بات ہے۔ ہمارے رام چندر جی ہمارے صوبے کے رہنے والے تھے۔ اسی اجودھیا کے اس لئے ان کا جسم بھی ہمارا ہی جیسا تھا۔ یہی چھ فٹ کے قریب قد، ہاتھ پاؤں بھی اسی مناسبت سے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ مگر ان کا مقابل، راون، لنکا کا رہنے والا تھا یعنی ایسے ملک کا جو خطِ استوا کے قریب ہے۔ اس ملک کے لئے اُردو کی کہاوت ہے "لنکا میں سب باون گزے کے! ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ راون ان باون گزیوں کا سالار و سردار تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ یعنی پورا دیو!

میں پوچھ بیٹھے "حکیم صاحب، کیا دیو ہوتے تھے؟"

حکیم بانا نے کہا "میں نے خود اپنی آنکھوں سے ایک دیو دیکھا ہے، اور ہمارے ہاں ہندوستان میں ایک دیو کی یادگار ہر سال منائی جاتی ہے! ہُوں، ہُوں، ہُوں ——"

لالہ صاحب نے استعجاب سے پوچھا "قبلہ، ہمارے ملک میں کہاں دیو کی یادگار مناتے ہیں؟"

حکیم بانا نے بڑی حقارت سے ہونٹ ٹیڑھے کر کے کہا "جی میں درست کہتا ہوں۔

ہر سال! آپ کے ہاں دسہرے میں دھنیوں اور بانسوں کو باندھ کر سنڈھ کر انسان نما ایک ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے یا نہیں؟ ۔ تاڑوں اونچا، لمبا اور چوڑا۔

لالہ صاحب نے کہا "اوہ، آپکی مراد راون سے ہے!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں ۔ راون دیو نہ ہوتا تو اتنا بڑا کیوں بناتے؟ اور اس کو اس بری طرح پیٹ کر جلاتے کیوں؟"

لالہ صاحب نے کہا "حکیم صاحب قبلہ۔ ہمارے ہاں دیو کے معنی کچھ اور ہیں..."

حکیم بانا نے فوراً جواب دیا "لالہ صاحب، ہماری اُردو میں یہ لفظ سنسکرت سے نہیں فارسی سے لیا گیا ہے۔ ایران میں دیو کی وہی تعریف ہے جو آپ کے ہاں راکشش کی ہے۔ یعنی تاڑ جیسا لمبا، خونخوار، مردم آزار، آدم خور! اور اس میں بُرائی ہی بُرائی ہوتی ہے۔ اچھائی کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ ہوں، ہوں، ہوں ۔ وہ ہر وقت انسانوں کو طرح طرح سے اذیت پہنچاتا رہتا ہے اور اس نسل کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ یہ فوق الفطرت شخصیتیں جب اچھی اور نیک ہوتی ہیں تو ہم اُردو میں انھیں دیوتا یا فرشتہ کہتے ہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں۔

لالہ صاحب نے بڑی سادگی سے کہا "قبلہ حکیم صاحب، میں تو آپ کو بھی فرشتہ ہی سمجھتا ہوں!"

حکیم بانا نے پورا ہاتھ گھما دیا۔ وہ بولے "ایسا نہ کہئے لالہ صاحب، ظہور صاحب کو شکایت ہو جائیگی! ان کے بھانجوں کی نجابت مشکوک ہو جائے گی!"

اس پر بڑے زور کا قہقہہ پڑا۔ ظہور تلملا کر رہ گئے۔

حکیم بانا ہوں، ہوں، ہوں کر کے بولے "غرض لالہ صاحب، آپ تو دیو کے وجود سے

انکار ہی نہیں کر سکتے۔ اب رہے مبین صاحب کے قبیل کے لوگ۔۔۔۔"

مبین نے کہا "یہ تو سچ ہے قبلہ کہ میں جن کا قائل ہوں۔ مگر دیو! ذرا یہ بات حلق سے نہیں اُترتی!"

ظہور نے کہا "آپ بیکار دیو کو نگلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اتنا بڑا دہانہ کہاں سے لائیے گا!"

سب لوگ ہنس دیئے مبین کچھ خفیف سے ہوئے۔ حکیم بانا بولے "ہوں، ہوں ہوں مبین صاحب، آپ نے دینی کتابیں نہیں دیکھی ہیں، یا اس وقت نسیان کا غلبہ ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ آپ کی روایتوں میں بھی عوج بن عنق موجود ہے!۔۔۔"

مبین نے سر کھجا کر کہا "وہی جس سے حضرت موسیٰ سے مقابلہ ہوا تھا؟"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں، ہوں۔ دیکھئے آپ کو یاد آگیا نا؟ اجی لالہ صاحب اس کے متعلق کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ جب گہرے گہرے سمندر میں کھڑا ہوتا تو کبھی بھی پانی اس کے گھٹنوں سے اونچا نہ ہوتا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔۔۔"

ظہور نے کہا "غالباً شاعر کے پیش نظر یہی ذات شریف تھے، جو اس نے کہا ع

ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے!"

اور لوگ تو ہنسے، مگر حکیم بانا نے ہوں، ہوں، ہوں کرنا کافی سمجھا۔ وہ بولے "جی ہاں، یہ عوج اتنا بڑا تھا کہ وہ وہیل مچھلیاں سمندر سے پکڑتا اور انھیں ہاتھ میں لئے اتنا بلند کرتا کہ وہ تمازت آفتاب سے بھن جاتیں۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ یہ مچھلیاں ہڈیوں اور کانٹوں سمیت وہیں کھڑا کھڑا چبا جاتا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ معمولی قدو قامت کے انسان تو اس کے لئے محض خلال کا کام دیتے تھے۔ انکو پکڑ کر وہ کچا ہی

دانتوں کے جوف میں رکھ لیتا تھا۔ ہوُں، ہوُں، ہوُں۔۔۔"

لالہ صاحب فریاد کرنے لگے "رام رے رام! اس کی لمبائی تو ذہن میں بھی نہیں آتی!"

حکیم بابا کو اپنی ریاضی دانی کے مظاہرے کا موقع مل گیا۔ بلّی کی سی مسکراہٹ چہرے پر کھِلی۔ انھوں نے ارشاد کیا۔

"لالہ صاحب، آپ کو تو ریاضی اچھی آتی ہوگی۔ آپ نے تو ماشاء اللہ پوری عمر مساحت کے مشاغل ہی میں صرف کی ہے۔ ہوُں، ہوُں، ہوُں۔۔۔"

لالہ بنسی دھر نے انکسار سے کہا "جی قبلہ حکیم صاحب، کچھ یوں ہی سی۔ معمولی ضرب تقسیم، جوڑنا گھٹانا۔۔۔"

ظہور نے فوراً فقرہ کسا "جی، یہ جوڑنا اپنے لئے ہوگا اور گھٹانا دوسروں کے معاملے میں!"

لالہ صاحب کچھ شرمائے مگر قبل اس کے کہ وہ کچھ کہہ سکیں حکیم بابا نے صلح جگت سے کام لیکر اپنی بات جاری کر دی۔ وہ بولے "جی لالہ صاحب، ظہور صاحب کی باتوں پر دھیان نہ دیجئے۔ وہ اپنی جوڑ توڑ سے باز نہیں آ سکتے۔ حالانکہ ایسے ہی موقعوں کے لئے کہا گیا ہے۔ بازی بازی از ریش بابا ہم بازی ——"

ظہور نے پھر بات کاٹی۔ وہ بولے "ریش لالہ کہئے قبلہ!"

حکیم بابا نے کہا "ہوُں، ہوُں، ہوُں! اچھا تو ظہور صاحب آپ ہی میرے سوال کا جواب دیجئے۔ ہوُں، ہوُں، ہوُں۔"

ظہور نے کہا "بہت خوب، مگر میری بساط سے باہر نہ ہو!"

حکیم بانا نے کہا" جی، آپ گھبرائیں نہیں ۔معمولی جمع کا سوال ہے۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں ہماری حدیثوں میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے عوج کا مقابلہ کیا تو وہ ایک ستر گز اونچے ٹیلے پر چڑھ گئے تھے، قدِ اقدس بھی ستر گز تھا، ڈنڈا بھی ستر گز کا تھا اور وہ حضرت اُچھلے بھی ستر گز ہی تھے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ کل کتنے گز ہوئے؟"

ظہور نے جواب سوچنے میں دیر کی تو لالہ صاحب بول اُٹھے کل ۲۸۰ گز ہوئے قبلہ!

حکیم بانا نے کہا" ہوں، ہوں، ہوں۔ دیکھئے ظہور صاحب، اس وقت تو لالہ صاحب آپ سے نمبر لے گئے!"

ظہور پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔ لالہ ہنسی، مصر اور دو ایک آدمی ہنس دیے۔ حکیم بانا انکو اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے دیکھا کئے۔ پھر بولے۔" آپ عنایت کر کے آپ لوگ اپنی اپنی ایڑی سے ٹخنوں تک کی بلندی ناپ ڈالئے۔ بسم اللہ ظہور صاحب!"

ظہور نے ترش ہو کر کہا" جی، میں ہاتھ پاؤں کا مذاق نہیں پسند کرتا!"

حکیم بانا نے کہا" ہوں، ہوں، ہوں۔ اول تو یہ مزاح ہے مذاق نہیں۔ اور وہ بھی اس طرح کا جسے مزاح المومنین کہہ کر حدیثوں میں سراہا گیا ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ دوسرے یہ ایک علمی بحث ہے جس کے صحیح جواب سے بڑے بڑے نتائج مترتب ہوں گے۔ اس لئے اس میں نہ شرمانے کی گنجائش ہے اور نہ اس میں کسی ستر کے مقام کا ذکر ہے جس کا اخفا لازمی ہو! ہوں، ہوں، ہوں۔ پھر میرا سوال تو عام ہے۔ آپ چراغ پا ہوتے ہیں تو کوئی اور صاحب اپنا پاؤں ناپ کر بتائیں۔ ہوں، ہوں، ہوں!"

جب کسی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو حکیم بانا نے لالہ صاحب سے پوچھا" آپ کا کیا قد ہوگا؟"

لالہ بنسی دھر نے کہا" یہی پانچ فٹ سات انچ، حکیم صاحب!
حکیم بانا بولے" جی، آپ کے ہاں تو کسر رہ جائے گی!"
ظہور سے خاموش نہ رہا گیا، وہ بول اُٹھے" جی، تو کسی اور سے کسر نکالئے!"
لوگ ہنسے تو حکیم بانا نے گھور کر مجمع پر نظر ڈالی۔ سب خاموش ہو گئے۔ انھوں نے کہا" ظہور صاحب، آہستہ آہستہ قائل بہ مزاح ہوتے جا رہے ہیں۔ انھیں آگے چل کر کھُل کر ہنسنے کا موقع ملے گا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ فی الحال تو ایک ایسے علمی نکتہ سے بحث ہے، جو آج تک شاید کسی کے دماغ میں نہ آیا ہو۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ خاں صاحب محترم، آپ ہم سب میں دراز قد ہیں۔ آپ کا قد شریف کیا ہوگا؟"
خاں صاحب نے کہا" جی قبلہ، چھ فٹ!"
حکیم بانا نے کہا" ہُوں، ہُوں، ہُوں، اچھا تو آپ عنایت کر کے اپنی ایڑی سے ٹخنے تک کی لمبائی بھی ناپ کر بتائیں۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں"
خاں صاحب نے سادگی سے وہ بھی ناپ دی،" قبلہ یہی تین انچ ہو گی!"
حکیم بانا نے کہا" خداوند عالم آپ کے صاحبزادے کو طول حیات دے اور زیور علم سے آراستہ فرمائے ——"
بنسی دھر نے زور سے" آمین!" کہی۔
حکیم بانا نے دوسرے حق نمک ادا کرنے والے کو رقیبانہ نظر سے دیکھ کر کہا" اب دیکھئے ظہور صاحب عروج کا قد معمولی تجارت کا ایک سوال بن گیا۔ جب تین انچ یعنی ¼ فٹ یعنی $\frac{1}{12}$ گز ایڑی سے ٹخنے تک کی لمبائی ہو تو قد لمبا ہو گا چھ فٹ یعنی دو گز۔ اب اگر کسی کے ٹخنے تک کی لمبائی ۲۰۰ گز ہو تو بتاؤ کہ اس کا پورا قد کے گز لمبا ہو گا؟

ہوں، ہوں، ہوں۔ کیسے حل کریں گے۔ اسکول لالہ صاحب؟"

بنسی دھر کو بچوں کی طرح یوں امتحان دینا بُرا ضرور لگا مگر وہ حکیم بانا کو گرو سمجھتے تھے اس لئے انھوں نے جواب میں کہا" حکیم صاحب قبلہ، سوال یوں لکھیں گے۔ ۱/۱۲ گز پر ۲ گز تو ایک گز پر ۲۴ گز اس لئے ۲۸۰ گز پر ہوئے ۲۸۰×۲۴۔ اب قبلہ اتنی بڑی ضرب کے لئے پنسل کاغذ ضروری ہے۔"

حکیم بانا نے کہا" جی، اتنی بڑی ضرب تو میں زبانی لگا سکتا ہوں۔ جواب ہوا ۶۷۲۰ گز یعنی ۲۰۱۶۰ فٹ۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اب آپ ملاحظہ فرمائیے کہ دنیا کی سب سے اونچی چوٹی ایورسٹ ۲۹۰۰۸ فٹ بلند ہے۔ اس طرح میاں عوج کا قد ایورسٹ کے لگ بھگ ہوا۔ فرمائیے مبین صاحب اس عوج کو دیو نہ کہیں گے تو کیا کہیں گے؟ ہوں، ہوں، ہوں۔"

خاں صاحب نے کہا" اللہ اکبر! کچھ حد ہے اس بلند قامتی کی!"

حکیم بانا نے کہا" جی، میاں عوج کو تو جانے دیجئے۔ خود حضرت موسیٰ کے قد کو دیکھئے۔ وہی ہمارے لئے خاصے دیو تھے!"

مبین نے کہا" حضرت موسیٰ اور دیو! توبہ! توبہ! کیا نامناسب بات کہی آپ نے!"

حکیم بانا نے فوراً بات بنائی" جی، صرف قد کے لحاظ سے دیو، ورنہ سیرت کے اعتبار سے دیوتا! ہوں، ہوں، ہوں۔ ذرا سوچئے تو کہ باون گز کا تو راون دیو اور ستر گز کے حضرت موسیٰ۔ اور ہمارے خاں صاحب ہیں کُل دو گز کے! ہوں، ہوں، ہوں۔

اب فرمائیے ظہور صاحب، کیا اس کے بعد بھی دیو کے وجود سے انکار ممکن ہے؟"

ظہور نے کہا" جی، مجھ میں کہاں اتنا حوصلہ! مجھ مُور کو تو آپ ہی دیو معلوم ہوتے ہیں!"۔

سب لوگ ہنس دیئے۔ حکیم صاحب چونکہ سب میں ٹھنگنے تھے اس لئے انھیں

دیو بنایا جانا بُرا معلوم ہوا۔ مگر وہ خود ہی مزاح فرما رہے تھے، اس لئے ظہور کا فقرہ پی گئے۔

انھوں نے آٹھ پہل والا رومال جیب سے نکالا، ہونٹ کے کونے پونچھے اور اور اسے بہت احتیاط سے قبا کی جیب میں رکھا۔ پھر ہوں، ہوں، ہوں کرکے کہا بس ایک نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ حضرت موسیٰ نے ستر گز کا قد پایا تھا، وہ ستر گز کی بلندی پر کھڑے تھے، ان کے پاس جو لاٹھی تھی وہ بھی ستر گز کی تھی اور وہ اُچکے بھی ستر ہی گز۔ اور انھوں نے ہاتھ مارا ٹخنے ہی پر۔ اس سے کیا نتیجہ نکلا؟"

جب کسی نے جواب نہ دیا تو حکیم بانا نے بڑے گھمنڈ سے کہا" جی اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے حضور نے بھوت کا ہاتھ دکھایا۔ بانا سے کام نہیں لیا! ہُوں، ہُوں، ہُوں!"

ظہور آج خفا تھے۔ ان کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا۔ وہ کھڑے ہوگئے۔ انھوں نے کہا، نبی ہونے پر بھی نہ جانتے رہے ہوں گے حضرت موسیٰ آپ کا بانا! لیکن اگر آپ بانا کا ہاتھ مارتے تو کہاں چوٹ پڑتی عوج کے جسم پر؟"

حکیم بانا نے انھیں بڑی حقارت سے دیکھا۔ پھر وہ بولے" آپ نے شاید نہیں سنا۔ بانا ہزاروں تانا۔ بس ۲۰۰ کو ہزار سے ضرب دے لیجئے دو لاکھ۔ اور اسی ہزار گز کی اونچائی تک ہاتھ جا سکتا تھا۔ یعنی عوج سے بھی بہت اونچا! ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ بھوت نہ تھی، بانا تھا، کنپٹی تاک کر مارتا!"

ظہور نے کمر پہ ہاتھ رکھ کر حکیم بانا کی نقل کی۔" ہُوں! ہُوں! ہُوں! آپ اور آپ کا بانا، اسی لئے سب لونڈے آپ کو حکیم بانا کہتے ہیں!"

خطاب سنتے ہی حکیم بانا آپے سے باہر ہوگئے۔ بڑے زور سے چیخے" لونڈو ل

کی طرح مجھے چڑھاتا ہے باجی! بہ شرط کہ ابھی بانا کا پورا ہاتھ ماروں ۔۔۔۔۔"
ساتھ ہی ہاتھ بھی گھوما۔ مگر خاں صاحب اور لالہ صاحب دونوں ڈنڈے سے لپٹ گئے اور ظہور یہ شعر پڑھتے گھر چل دئیے۔

شیخی اتنی نہ کر اے شیخ کہ رندانِ جہاں
انگلیوں پر تجھے چاہیں تو نچا سکتے ہیں!

آٹھواں باب

"قدرۂ کوہ"

خاں صاحب کو بڑی فکر تھی کہ حکیم بانا خفا نہ ہونے پائیں۔ مانا کہ وہ ہمیشہ بے پر کی اُڑاتے تھے، مانا کہ اپنے منہ میاں مٹھو بننا ان کا خاصہ تھا۔ مانا کہ وہ اپنے کو ہمہ فن مولا اور از ہمہ اولیٰ سمجھتے تھے، مانا کہ اپنے پانچ فٹ چار انچ قد اور سینک سلائی جسم پر وہ اپنے کو بیل دہاں اور شیر غزال گردانتے تھے، مانا کہ وہ ہر بات میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے تھے، یہ بھی تسلیم کہ غصہ ان کے ناک پر دھرا رہتا، یہ بھی تسلیم کہ وہ اپنے آگے ہر شخص کو کم عقل، جاہل اور ذلیل سمجھتے تھے، یہ بھی تسلیم کہ وہ دوسروں کو ہر دم بُرا کہتے تھے اور یہ بھی تسلیم کہ اپنی ذہنیت کے سلسلے میں ذرا سا ٹوک دیے جانے پر مارنے مرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ گاؤں بھر میں وہی جہاں دیدہ تھے، سارے گاؤں کے وہی استاد و معلم تھے، اور پورے قصبہ کے وہی اکلوتے طبیب، ڈاکٹر، وید

مسیحا اور خطرۂ جان تھے۔ دیدۂ و دانستہ، جیتے جی بہ سلامتی ہوش و حواس کوئی ان کو خفا کر کے خود ہی موت کے منہ میں کیسے پھاند سکتا تھا؟ پھر مزہ بھی تو اس زیٹیے کی باتوں میں آتا تھا۔ مبالغہ در مبالغہ، محال عقلی و عادی کو علمی و ادبی رنگ دے کر ان کے سوا اور کون بیان کر سکتا تھا۔ کہتے ہیں کہ "وہ محفل سونی جہاں بھانڈ نہ باشد"۔ خاں صاحب کے دربار کے سنجیدہ صورت، بہ جبّہ و دستار مسخرے حکیم بانا تھے۔ ان کو ہٹا کر انکی جگہ کون پر کر سکتا تھا؟۔ اس طرح ایران توران کی کون اڑا سکتا تھا؟۔

اسی لئے خاں صاحب نے سویرے ہی ظہور اور مبین کو بلا بھیجا۔ خواہ مخواہ لڑائی مول لینے کے خراب نتائج ظہور کو سمجھائے، عواقب پر نظر کرنے کو کہا اور انھیں معافی مانگ لینے پر راضی کر لیا۔ اب خاں صاحب خود بیمار بنے اور حکیم صاحب کو بلوا بھیجا۔ نبض دکھلائی، اختلاجی دورے کی تکلیف بتائی اور دوگنی فیس دے کر اور ایک قیمتی نسخے کی تیاری انھیں کو سونپکر لوہے کو موم بنا لیا۔ جب حکیم بانا کے موش نما چہرے پر انکی بلی کی سی آنکھیں حرص و مسرت سے چمکنے لگیں تو خاں صاحب نے حقہ بھروا کر سامنے رکھوایا اور بڑے ادب سے عرض کیا:۔

"حکیم صاحب، بھائی ظہور صبح سے میرے پاس آ کر بیٹھے ہیں، انھیں کل کی باتوں کا بڑا افسوس ہے۔ اب ان کا قصور معاف کر دیجئے۔ آخر ان کا رشتہ بھی تو ایسا ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں ہر طرح کی جسارت کر سکیں!"

ظہور نے کہا "قبلہ اس کے سوا اور کیا عرض کروں کہ۔

بات انکی بات پہ سو سو دئے جواب
مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گمان نہ تھا!

حکیم بانا نے حقہ سے شغل کرتے ہوئے کہا "خاں صاحب، آپ کے ارشاد کے بعد

اگر دل میں میل ہوتا بھی تو وہ صاف ہو جاتا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ پھر انھیں کے لئے تو کہا گیا ہے۔ جسکی بہن اندر اس کا بھائی سکندر!" ہوں، ہوں، ہوں، میں ان سے کیسے خفا ہو سکتا ہوں۔ اور وہ کبھی اس پیری میں جس کے لئے شاد عظیم آبادی نے یوں ہدایت کی ہے ؎

کدورت سے دل اپنا پاک رکھ اے شاد پیری میں
کہ جس کو منہ دکھانا ہے۔ یہ آئینہ اسی کا ہے!

ظہور کچھ کہنا چاہتے تھے مگر خاں صاحب نے ان کا ہاتھ دبا کر انھیں خاموش کیا اور خود کہا "بالکل صحیح فرمایا آپ نے قبلہ۔ میں چاہتا ہوں اس صفائی کی خوشی میں ہم لوگ آپ کی زبان مبارک سے چشم دید دیو کا واقعہ بھی سُن لیں!"

بیبن نے ٹکڑا لگایا "اور آپ کی تصدیق کے بعد دیو کے وجود میں شک و شبہ ہمارے تصوّر میں بھی نہ آسکتا!"

ظہور نے بھی اصرار کرنا مناسب سمجھا۔ انھوں نے کہا "ہاں قبلہ، ہم سب لوگ مشتاق ہیں"

حکیم بابا نے ہوں، ہوں کہہ کر کئی لمبے لمبے کش کھینچے، پھر آرام کرسی پر چار زانو بیٹھ کر یوں گُہر افشانی کی:۔

"آپ لوگوں کو یہ تو یاد ہی ہو گا کہ عوج بن عنق سات ہزار گز لمبا تھا۔ اب اس دیو کو حضرت موسیٰ نے مارا۔ یہ سب تسلیم کرتے ہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ لیکن ساری تاریخیں اس سوال پر خاموش ہیں کہ جب حضرت موسیٰ نے عوج کو مارا تو اس کی لاش کا کیا حشر ہوا۔ اسے کہاں پھینکا گیا، کہاں گڑوایا، اس کا چمڑا کس کام میں آیا، اسکی ہڈیوں کی کون کون سی چیزیں بنائی گئیں ہوں، ہوں، ہوں۔ اور اس کے بال کے کئے لاکھ

مورچھل اور برش بنے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔۔۔۔"
ظہور نے کہا "جی ہاں، اس کے جھرجھڑے کی بدولت کئی ملکوں میں کئی سال تک جوتا تو چل ہی سکتا تھا!"

حکیم بانا نے ہوں ہوں ہوں کر کے اس فقرے پر اظہار پسندیدگی کیا تو خاں صاحب بولے "شاید نینوا اور بابل کے مکانوں میں اسی کے دانتوں کے ستون لگائے گئے ہوں گے اور اس کی ہڈیاں دھنیوں کی صورت میں کام آئی ہونگی!"

مبین نے بھی ذہانت دکھائی۔ وہ بولے "حضرت سلیمان نے ملکۂ صبا کو جس کمرے میں اتارا تھا اس کا سارا فرش اور چھتیں کہتے ہیں ہاتھی دانت کی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ مورخین کو اس میں غلطی ہوئی ہے۔ وہ اسی عوج کی ہڈیوں کے ٹکڑے رہے ہوں گے!"

حکیم بانا نے خلاف عادت ان تمام خیال آرائیوں پر "خوب! خوب!" کہہ کر صاد کیا۔ پھر کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ ان کے استعمال کے متعلق کسی تاریخی شہادت و ثبوت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں مجبوراً یہ ماننا پڑتا ہے کہ انھوں نے اس پہاڑ کے پہاڑ دیو کو اسی طرح مردہ چھوڑ دیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اور امتداد زمانہ نے اسکو کوہ طور میں تبدیل کر دیا! ہوں، ہوں، ہوں۔"

ظہور، مبین اور خاں صاحب کے چہروں پر تعجب و حیرت کے علامات دیکھ کر حکیم بانا جلدی سے بولے "یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مجھے جس دیو سے سابقہ پڑا اس کا حشر کچھ ایسا ہی ہوا۔۔۔۔"

ظہور نے کہا "اچھا قبلہ، تو آپ دیو سے، سچ مچ کے دیو سے بھی لڑ چکے ہیں!"

حکیم بانا نے ہُوں ہوں کر کے کہا" جی، آپ ہراساں نہ ہوں، میں ! یونفس کی طرح اسے بھی مار چکا۔ آپ کے لئے کوئی خطرہ نہیں ! ہوں، ہوں، ہوں ! ــــــ"

ظہور جسنز بز ہو کر کچھ جواب دینا چاہتے تھے کہ خاں صاحب نے انھیں آنکھ دکھائی اور انھوں نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔ حکیم بانا نے اپنی داستان چھیڑ دی۔

" اپنی سیاحت کے دوران میں میرا گزر افریقہ کے ایک ایسے حصے سے ہوا جو بالکل خط استوا پر واقع ہے۔ حد کی گرمی بھی تھی اور رطوبت بھی ! ہوں، ہوں، ہوں۔ اس لئے ہر چیز قد میں آٹھ گنی دس گنی بڑھ گئی تھی۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ میرے اس ڈنڈے نے پورے ایک بانس کی صورت اختیار کر لی تھی، اور خود میرا قد تقریباً پندرہ گز کا ہو گیا تھا ہوں، ہوں، ہوں ! ـ ـ ـ "

مبین نے بڑی سادگی سے کہا " ارے معاذ اللہ ! تو حکیم صاحب سارے کپڑے چھوٹے پڑ گئے ہوں گے، مسک کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہوں گے !"

حکیم بانا نے کہا " ہوں، ہوں، ہوں، کیا سوال فرمایا ہے آپ نے سبحان اللہ ! اجی، جب میرا جسم بڑھا تو کپڑے کیوں نہ بڑھتے اگر نہ بڑھتے ہوتے تو میں بوٹ کی طرح مادر زاد ننگا اچکتا پھرتا اور کسی چڑیا کا لقمہ بن جاتا ! ہوں، ہوں، ہوں !"

ظہور نے کہا " خیر، وہ تو بانس کے ہوتے اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا، آپ فوراً ہی بانا کا ہاتھ جھاڑ دیتے !"

سب لوگ اس پر مسکرائے۔ حکیم بانا نے " ہوں، ہوں کر کے کہا " جی، بانا کا بھی وقت آیا، مگر ذرا دیر میں۔ ابھی تو ابتدائی منزلوں سے پار گزرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ جہاں جسم بڑھا تھا وہاں پیٹ بھی اور قوت ہاضمہ بھی !"

ظہور نے لقمہ دیا "جی، اس کے اثرات تو اب تک باقی ہیں!"
حکیم بانا بھڑک اُٹھے "پھر بدتمیزیاں کرنے لگے تم! ہاہے سٹرا ک! ــــ"
اور ڈنڈا اُٹھ گیا۔
ظہور نے بہت انکسار سے کہا "قبلہ، اب آپ میرا رشتہ کیوں بھولے جاتے ہیں؟"
حکیم بانا نے ڈنڈا رکھ دیا۔ وہ بولے "واقعی آپ کے لئے تو سات خون معاف ہیں۔ آپ بیوی کے بھائی ہیں۔ سالے! ہوں، ہوں، ہوں!"
ظہور نے جواب دینا چاہا تو خاں صاحب نے روک کر کہا "بھائی ظہور صاحب، جواب دینے کے لئے عمر پڑی ہے۔ اس وقت عنایت کر کے خاموش رہئے اور ہمیں یہ لطیف حکایت سننے دیجئے! ۔ہاں حکیم صاحب، ارشاد ہو!"
حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ میں عرض کر رہا تھا کہ مجھے اس وقت شدّت کی بھوک لگی تھی اور وہاں نہ کوئی آدم نہ آدم زاد کہ اس سے کچھ مانگ کر کھاؤں۔ نہ اپنے پاس زادِ راہ کہ اس کے سہارے یہ تکلیف رفع ہو۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ درخت بڑے اونچے اور لمبے، ان میں پھلدار بہت کم۔ اور جن میں پھل دکھائی دیتے ہیں وہ اپنے جانے بوجھے نہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ کون جانے ان میں سم بھرا ہے یا تریاق، زہر ہے یا امرت! ہوں، ہوں، ہوں۔ جھاڑیوں کی بھی وہی حالت، جیسے دیکھے سند باد کے رُخ سے بھی کچھ بڑی! ہوں، ہوں، ہوں۔ چوپایوں کی وہی قطع۔ جنگلی بکریاں ہاتھی کے برابر، ہرن اونٹ سے بڑے! نہ صورت جانی پہچانی ہے نہ دل کو یقین آتا ہے کہ اس ہیئت و قد کے جانوروں کا کھانا حلال بھی ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ مگر بھوک تو بڑی بلا ہوتی ہے اگر سنگی سے مرجانے کا جب خطرہ ہو تو حرام بھی حلال

بن جاتا ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اس لئے اسی اشتہا کے اشارے پر ایک ہرن نما جانور کا پیچھا کیا۔ اپنے پاس نہ کوئی تلوار، نہ تیر، نہ تفنگ، نہ کمند، نہ بندوق اور نہ آجکل کی مشین گن! ہوں، ہوں، ہوں۔ جو کچھ تھا وہ بھی ایک ڈنڈا تھا۔ اسی کے سہارے ہرن کا پیچھا کرتا رہا اور اسی فکر میں لگا رہا کہ کسی طرح یہ وحشی غافل ہو تو وار کروں۔ ہوں، ہوں ہوں۔ خوش قسمتی سے ہوا مخالف رُخ کی تھی یعنی جانور کی طرف سے میری طرف چل رہی تھی اس لئے اسے انسان کی بو محسوس نہ ہوئی۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ میں نے اُسے غافل پاتے ہی ڈنڈا کھینچکر اس طرح مارا کہ دونوں پچھلی ٹانگیں ٹوٹ گئیں اور وہ وہیں زمین پر لوٹنے لگا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ جانور اتنا بڑا تھا کہ اس بے بسی کی حالت میں بھی اس کے قریب جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ لیکن بھوک ڈر پر غالب آگئی، میں نے جیب سے چاقو نکالا، اُسے کھول کر ہاتھ میں مضبوط پکڑا اور اس کی گردن پر جا بیٹھا! ہوں، ہوں، ہوں۔ پھر بڑی تیزی سے اللہ کا نام لے کر اس کی گردن پر چلا دیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اب اُسے صاف کرنے اور ٹکڑے کرنے کا مرحلہ باقی رہ گیا۔ کھلے ہوئے میدان میں دھوپ جلائے ڈالتی تھی۔ اس لئے جلدی سے پیٹ چاک کر کے اور اُسے صاف کر کے میں ہرن کو گردن پر لاد کر چل کھڑا ہوا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔"

ظہور نے چٹکی لی "کئی گدھوں کا بوجھ آپ اکیلے نے اُٹھا لیا!"

حکیم بانا آسانی سے بند ہونے والے نہ تھے۔ فوراً بول اُٹھے "جی، وہ ہرنی تھی۔ آپکی ہمشیر کی صنف سے! ہوں، ہوں، ہوں۔ اس وقت ہوا تیز چل رہی تھی۔ ایک قدم خود سے چلتا، دس قدم ہوا اڑا لے جاتی۔ راستہ ناہموار، کہیں بیچ میں چٹان کہیں بڑا گڈھا، کہیں چشمہ جاری کہیں ڈھال، کہیں وادی، کہیں نالا! ہوں، ہوں

ہوں۔ ڈونڈا ابھی ہاتھ کی جگہ کندھے پر ہرنی کو سنبھالنے میں پھنسا ہوا اور اونٹنی سے بڑی غزالہ کندھے پر! ہوں، ہوں، ہوں، ہوں۔ فکر یہ کہ کسی طرح کوئی درّۂ کوہ دکھائی دے تو اس میں بیٹھ کر کباب لگاؤں اور پیٹ کی خندق پاٹوں۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ بھوک الگ کمزور بنا رہی تھی، پیاس علیحدہ ضعف بڑھا رہی تھی۔ بس اپنا فن تھا کہ آڑے آ رہا تھا۔ بانا کے پینترے بدلتا ہوا، اُڑا چلا جا رہا تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔"

حکیم بانا نے رُک کر دو گلوریاں اور ایک پوری چٹکی تمباکو کی منہ میں رکھی۔ گھر پر نہ پاندان تھا اور نہ پان رکھنے کا حکم تھا، اس لئے دن رات کی کسر خاں صاحب ہی کے ہاں نکالی جاتی تھی! —— حقہ کے دو تین لمبے لمبے کش کھینچے —— لوگ کہا کرتے تھے "حکیم جی کا بیاہوا حقہ اور چیچک کی لی ہوئی آنکھ دونوں نہیں پلٹ سکتے!" —— پھر وہ بولے "خدا خدا کر کے ایک محراب نما درّۂ کوہ دکھائی دیا۔ جھٹ اس میں گھس گیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ بیچ میں تو ایسا جھکڑ چل رہا تھا کہ ڈر لگنے لگا ہوا اڑا لے جائے گی۔ لیکن دیوار کے قریب دو چار گز تک بالکل سکون تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ ہرنی کو وہیں ڈال کر، سوکھی لکڑیاں اکٹھی کیں اور چقماق سے آگ جلائی۔ ایک لمبی شاخ لیکر اس کی سیخ تیار کی اور اس میں بڑے بڑے بوٹے کھونس کر آگ سے قریب دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا کہ سینک سکے مگر جلنے نہ پائے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اب پانی کی فکر ہوئی۔ یقین تھا کہ درّے بغیر زور روانی آب کے نہیں بنا کرتے۔ اس لئے قریب ہی کہیں پانی ہونا چاہیئے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ جھکڑ سے بچتا، دیوار کے سہارے میلوں چلا گیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ جیسے جیسے آگے بڑھتا جاتا ہوں درّۂ کوہ تنگ ہوتا جاتا ہے، روشنی کم ہوتی جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے اُس جانب

کوئی نکاس نہیں۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ ادھر سے مایوس ہو کر پلٹا ہی تھا کہ دفعتہً ایک حرکت سی ہوئی اور پورا درّہ ہلنے لگا! ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ میں گھبرا کر اِدھر دوڑا جدھر سیخ تھی دیکھا تو وہ راکھ پر گری پڑی ہے اور جیسا اندھیرا ہے کہ دماغ پھٹا جاتا ہے۔ جھپٹ کر اپنی سیخ اُٹھائی اور اُسے سینے سے لگائے دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ آپ لوگ ہنسیں گے مگر اُس وقت اس قدر سخت بھوک لگی تھی کہ مجھے نہ زلزلہ کی زیادہ فکر تھی اور نہ جان کا بہت خوف، میں بالکل درندوں کی مانند کچا پکا کباب دانتوں سے نوچ نوچ کر کھاتا جاتا تھا اور بھاگتا جاتا تھا ——"

میں نے تعجب سے پوچھا "ویسا ہی، بغیر نمک مسالے کے؟"

حکیم بانا نے کہا "جی ہاں، بالکل ویسا ہی، اور سچ مانئیے وہ اس وقت من و سلویٰ سے زیادہ لذیذ معلوم ہوتا تھا! ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ مگر پلٹ پلٹ کر اس درّہ کوہ کو بھی دیکھتا جاتا تھا۔ بار بار ایک عجیب گرج سی پیدا ہوتی اور بار بار درّہ کوہ اپنی جگہ سے تیس چالیس گز بلند ہوتا اور پھر اپنی جگہ پر آجاتا۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ میں نے اس عجیب و غریب ماجرے پر زیادہ دھیان نہ دیا۔ مجھے اپنے انجن میں ایندھن جھونکنا تھا۔ ایک مشین کی طرح وہ کام کرتا رہا۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ جب پوری سیخ ختم کر لی اور قریب کے ایک چشمے سے پانی پی لیا تو اطمینان کی سانس لی۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ اب اپنے ڈنڈے اور بستر کی فکر ہوئی۔ وہیں درّہ کوہ میں چھوڑ آیا تھا۔ اس لئے ڈرتے ڈرتے درّہ کوہ میں قریب سے جا کر جھانکا۔ اب وہ اپنی جگہ پر قائم تھا اور اس میں کسی قسم کی حرکت نہ تھی۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ تفتیش کرنے کو جی چاہا کہ کیا معاملہ ہے، اندر چلا گیا۔ بستر اپنی جگہ پر تھا، کوئی خاص بات نہ دکھائی دی۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں۔

بستر سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا۔ اور شغلاً ڈنڈا اس طرح اچھالا کہ چھت سے جا کر ٹکرایا۔ آواز آئی۔ بھد! ہوں، ہوں، ہوں۔ سوچنے لگا۔ ایں، یہ کیا اسرار ہیں۔ پتھر پر لکڑی سے چوٹ دے تو کیسے آواز آئے گی تڑاق یا ٹن! یہاں تڑاخے اور ٹناخے کی جگہ بھد بھداہٹ! ہوں، ہوں، ہوں۔ کئی بار ڈنڈا اچھال اچھال کر آزمایا۔ وہی بھد بھد۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ کچھ بھی نہ سمجھ میں آتا کہ کیا معمہ ہے۔ گلے میں پڑی ہوئی دوربین اٹھائی، اس سے چھت کو بغور دیکھا۔ نہ پتھر کا رنگ، نہ وہ ساخت! اب اور تعجب بڑھا۔ باہر سے جا کر کئی کندے اٹھا لایا اور دامن سے ہوا دے کر خوب آنچ تیز کی یہاں تک کہ شعلے چھت سے جا لگے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔"

حکیم بانا نے ایک شاطر قصہ گو کی طرح رک کر حقے کے کئی کش لئے اور سامعین کا اشتیاق بڑھایا۔ پھر انھوں نے سلسلۂ کلام یوں جاری کیا۔ "دفعتہً ایک نہایت ہی خوفناک اور ہیبت ناک گرج پیدا ہوئی اور وہ درۂ کوہ بلند ہوا۔ بلند تر ہوا، بلند ہوتا چلا گیا! ہوں، ہوں، ہوں۔ میں ڈرا ضرور، مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کیا کروں۔ گٹھری بنا وہیں پڑا رہا اور دوربین سے اسی بلند ہوتے ہوئے درے کو دیکھتا رہا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اب دوربین نے پورا کام کیا۔ ہر چیز جو دھندلی تھی صاف دکھائی دینے لگی۔ معلوم ہوا یہ درۂ کوہ نہیں، پاؤں کا تلوا ہے! ہوں، ہوں، ہوں۔ یہ وہی حصہ تھا جو ایڑی اور پنجے کے درمیان محرابی شکل کا ہوتا ہے! ہوں، ہوں، ہوں۔ دماغ یہ سوچ کر چکرانے لگا کہ جب اتنا بڑا عظیم الشان محض تلوا ہے تو وہ پاؤں کتنا بڑا ہوگا جس کا یہ جزو ہے۔ پھر وہ جسم کتنا بڑا ہوگا جس کے پاؤں اتنے بڑے بڑے ہوں گے! ہوں، ہوں، ہوں۔ پورے ڈیل کا تصور کرتے ہی یقین آگیا کہ یہ دیو تھا جس کے پنجے کے نیچے چیونٹی

کی طرح یہ ساری حرکتیں کرتا اور اپنے کرتب دکھا رہا تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ لرزہ براندام ہو گیا، ہر موئے بدن خوف سے کھڑا ہو گیا!۔۔۔۔"

ظہور نے ٹہوکا دیا "سبحان اللہ! مرقع کشی میں کیا موقلم استعمال ہو رہا ہے!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ برمحل گرفت کی آپ نے! ہوں، ہوں، ہوں! ہاں تو مجھے جو امر سب سے زیادہ خائف بنائے ہوئے تھا وہ یہ تھا کہ اگر یہ اُٹھا ہوا پاؤں نیچے آیا اور مجھ پر اڑی یا پنجہ کا کوئی حصہ آ گیا تو چٹنی ہو جاؤں گا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ مگر خدا نے رحم کیا دیو آگے بڑھ گیا، چند منٹ میں نہ پہاڑ تھا، نہ درّۂ کوہ! میں ایک چٹیل میدان میں پڑا تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ — — — — — — — — —

— — — — — — — — —

اس لق و دق صحرا میں ہڈیاں ہی ہڈیاں پڑی تھیں۔ چھوٹے بڑے جانوروں اور انسانوں کے ڈھانچے۔ انھیں کے جن کا یہ دیو ناشتہ کیا کرتا تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں!

خاں صاحب نے کہا "بڑا ڈراؤنا سماں تھا، قبلہ!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ بس ایسا سماں تھا کہ میں تھوڑی دیر اسی طرح زمین پر پڑا کانپا کیا۔ بڑی مشکلوں سے ہاتھ پاؤں کے رعشہ پر قابو پایا! اُٹھ کر خدا کا شکر بجا لایا کہ اس موذی کی مجھ پر نظر نہ پڑی۔ ورنہ شاید اس کا ایک نہایت ہی چھوٹا سا نوالہ بن جاتا۔ ہوں، ہوں، ہوں!"

ظہور نے مسکرا کر پوچھا "تو اس پر یڈو کا چہرہ دیکھنے کی نوبت نہ آئی؟ تلوہ ہی دیکھتے غش کھا کر گر پڑے!"

حکیم بانا کے چہرے کی ساری رگیں اُبھر آئیں۔ وہ اپنے مخصوص انداز سے مسکرا کر

بولے "جی نہیں، میں نے اس دیوزاد کو دیکھا بھی اور دیکھ لیا بھی! ہوں، ہوں، ہوں، سجدۂ شکر سے سر اُٹھا کر میں نے اپنے میں ایک تغیرِ عظیم محسوس کیا۔ ضمیر جو اب تک جسمانی کمزوریوں کے خاکستر میں دبا پڑا تھا، اس پر سے راکھ کا ڈھیر ہٹ گیا اور ملامت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ یہ ظالم دیو نہ جانے کتنے انسانوں کا اب تک خون کر چکا ہوگا اور اگر یونہی صحیح و سلامت باقی رہا تو نہ جانے ابھی کتنے انسان اس کا تر نوالہ بنیں گے! ہوں، ہوں، ہوں۔ رنگڑی، لاٹھی، بنوٹ یا نا ہر ایک کو تو نہیں آتا کہ اس کا مقابلہ کر سکے! ہوں، ہوں، ہوں۔ پھر انسانیت کا کیا فرض ہے؟ آئندہ نسلوں کے لئے یہ خونخوار دیو نہ جانے کتنا مہلک ثابت ہو۔ نہ جانے اس کے آئندہ ہونیوالے شکار بھی اپنے پیشروؤں کی طرح فنونِ سپہ گری سے ناواقف نکلیں؟ ہوں، ہوں، ہوں۔ فن جانتے بھی ہوں تو یہ کیا ضروری ہے کہ اس سے آنکھ لڑاتے ہی ان کے ہوش و حواس درست بھی رہیں۔"

ظہور نے کہا "تو آپ نے اس تودۂ حسن سے آنکھ لڑانے کی ٹھانی؟"

حکیم بابا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں، جس طرح افراطِ حسن آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے، اسی طرح افراطِ بدصورتی بھی غش لانے کا باعث بن سکتی ہے۔ اسی لئے عرض کر رہا ہوں کہ ہر ایک کا دل گردہ نہیں کہ وہ دیو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑ سکے! ہوں، ہوں، ہوں۔ ممکن ہے اوسان خطا ہو جائیں عین موقع پر سارے پینترے بھول جائے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ آپ اپنے کمزور سے مقابلہ کرنے جائیں اور آپ کے دل میں یقین ہو کہ وہ آپ سے قوی تر ہے تو یقین رکھئے آپ اس سے ضرور مار کھا جائیں گے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اسی لئے یہ میرا انسانی فرض تھا، فنِ سپہ گری کا استاد ہونے کی وجہ سے یہ مجھ پر واجب تھا کہ میں خود اس دیو کا مقابلہ کروں۔ جان جوکھوں میں پڑوں۔ یہی انسانیت کی

پکار تھی، یہی آدمیت کا تقاضا تھا!"
ظہور نے کہا "غرض آپ جان پر کھیل گئے! مگر آپ نے یہ نہ سوچا کہ ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ کیا!"
حکیم بانا نے انھیں گھور کر دیکھا۔ وہ بولے "اجی جناب ظہور صاحب، چیونٹی ہاتھی کو مار سکتی ہے! اور اس چیونٹی نے بھی ہاتھی کو مارا!"
لوگ اس قصے کے سننے کو مشتاق تھے کہ حکیم بانا کے گھر سے لڑکے نے آکر خبر دی کہ تین کوس دور ہرمزپور سے لوگ سواری لیکر آئے ہیں اور حکیم جی کے چلنے پر اصرار کر رہے ہیں۔
حکیم بانا سلسلۂ کلام منقطع ہو جانے پر "استغفر اللہ!" کہہ کر جب پھاٹک سے باہر گئے، تو ظہور نے ان کا چھوڑا ہوا حقہ اپنی طرف بڑھا کر "الحمد للہ!" کہا اور سبین اور خاں صاحب کی بیساختہ ہنسی میں خود بھی شریک ہو گئے۔

نواں باب

"کوہ ابو قبیس"

شام کی نشست کے لئے خاں صاحب نے شہر سے برف منگا کر زعفرانی شربت کا اہتمام کیا۔ اور آدمی بھیجکر حکیم بانا کو مخصوص طور پر بلوا بھیجا۔
جب لبالب کاسے ہر ایک تشنہ کام کو سیراب کر چکے اور حکیم بانا اپنے بوتے

سے قد اور لاغر جسم کے باوجود پانچ چھلکتے بلوری قدح "خوب وخنک!" کہہ کر چڑھا چکے تو ذکر چھڑا صبح کی ناتمام داستان کا۔ حکیم بانا کے سامنے، خاں صاحب کا بڑا حقہ، جس پر پاؤ بھر تمبا کو ایک بار بھری جاتی تھی، لاکر رکھ دیا گیا۔ انھوں نے دو گوریاں کلّے میں دبائیں۔ زردہ کا پھنکا لگایا اور ہوں ہوں کرکے حقہ گُڑگُڑایا۔

ظہور نے سلسلۂ کلام یوں چھیڑا "ہاں قبلہ، تو وہ چیونٹی اور ہاتھی کا جنگ نامہ ہم بھی سُنیں!"

حکیم بانا نے پان کی جگالی کی۔ پھر وہ بولے "میں نے عرض کیا تھا کہ مجھ پر پہلا جذبہ خوف کا طاری ہوا تھا۔ پھر ضمیر نے لعنت ملامت کر کے ——— "

ظہور نے مسکرا کر لقمہ دیا۔ "مرد بنایا!"

حکیم بانا نے انھیں گھور کر دیکھا۔ پھر وہ ہوں ہوں کر کے بولے "دو دو بھانجوں کی موجودگی میں تو آپ کے لئے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یوں اگر آپ خود ہی اپنی بہن کو گالی دینا چاہیں تو مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔"

اس پر سب ہنس دئیے اور ظہور شرما سے گئے۔ حکیم بانا کی آنکھیں خوشی سے چمکیں۔ وہ بولے "میرے سامنے سوال یہ تھا کہ میں اس دیو کا تعاقب کیونکر کروں۔ اس ظالم تک پہنچوں تو کیسے۔ اس کے چند قدم سیکڑوں کوس کے برابر تھے اور یہاں کوئی سواری پاس نہ تھی، نہ رخش نہ بادپا، نہ اونٹ، نہ خچر! ———"

مُبین نے پوچھا "اور وہ جڑاؤ ہوا بادِ آورد، وہ نقرہ گھوڑا جو ہوا کے بگولے نے آپ کو عطا کیا تھا۔ وہ کیا ہوا؟"

حکیم بانا نے بے جھجک کہا "وہ میں نے سلطان قاف کو نذر کر دیا تھا۔ اس کا قصہ

پھر کسی دن سناؤں گا۔ ہُوں، ہوُں، ہوُں۔ اس وقت تو میں بلا تشبیہ بے براق ورف
رف تھا اور مجھے جانا تھا سیکڑوں کوس اس دیو نا ہنجار کے مقابلے کے لئے! ۔ ہوُں ہوُں
گھبرا گھبرا کر ادھر اُدھر نظر ڈالی۔ ایو کلپٹس درختوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا ——"

مبین نے گھبرا کر پوچھا "یہ کس قسم کا درخت ہوتا ہے، حکیم صاحب؟"

حکیم بانا نے کہا "ایں، آج تک یوکلپٹس نہیں دیکھا۔ مگر ہاں آپ تو گوبر کے کیڑے کی طرح اس ضلع سے باہر ہی نہیں نکلے۔ خیر، اب سے لکھنؤ ہو آئیے اور وہاں کا زندہ عجائب گھر دیکھ آئیے۔ ہوُں، ہوُں، ہوُں ——"

ظہور نے بڑا معصوم چہرہ بنا کر پوچھا "آپ تو وہاں ہو آئے ہیں قبلہ؟"

ابھی اس پر قہقہہ ختم نہ ہوا تھا کہ حکیم بانا نے جواب دیا "برمحل بول کر آپ نے اپنی یاد دلا دی! ہوُں، ہوُں، ہوُں ——"

اس پر بھی ہنسی ہوئی۔ حکیم بانا نے کہا "مبین صاحب، لکھنؤ کے زندہ عجائب گھر جائیے گا تو ظہور صاحب کو ساتھ نہ لے جائیے گا ورنہ ——"

ظہور نے کہا "جی، آپ کی موجودگی میں میرا کہاں گزر!"

حکیم بانا کے شکن دار ابرو پر اور بھی شکنیں ابھر آئیں۔ ظہور دو بار کامیاب حملہ کر چکے تھے۔ یہ بات انکی ذہنیت کے خلاف تھی۔ وہ منہ سکھا کر بولے "خوب! خوب! مگر مبین صاحب وہاں یوکلپٹس کے درخت دیکھ سکتے ہیں۔ نرسری سے متصل حصہ میں...."

ظہور کا ہیاؤ کھل گیا تھا۔ وہ بول اٹھے "گیا نام نرسری!"

حکیم بانا کو پورا ہاتھ گھمانے کا موقع مل گیا۔ وہ بولے "جی ہاں۔ وہاں نرسری ہی رہتے ہیں۔ آپ کی گنجائش نہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں!

اس پر بڑے زور کا قہقہہ پڑا مگر ظہور کب چوکنے والے تھے۔ وہ بولے "جب ہی قبلہ آپ وہاں سے بھاگ آئے!"

خاں صاحب نے دیکھا ضلع جگت میں بات بڑھ جانے کا خطرہ ہے۔ انھوں نے جلدی سے کہا "بھائی ظہور، خدا کے لئے۔ قصّہ سننے دو۔ ہاں قبلہ!"

حکیم بانا ڈنڈا سنبھال چکے تھے مگر خاں صاحب کی اپیل پر وہ ڈھیلے پڑ گئے۔ انھوں نے کہا "لکھنؤ میں یہ درخت ہزاروں کی تعداد میں نظر آئیں گے۔ تاڑ کی طرح لمبے لمبے تنے۔ سفید اور چکنے ایسے جیسے عُوج کے دانت! ہوں، ہُوں، ہُوں۔ سرے پر پتلی پتلی شاخیں اور تھوڑی سی پتیاں۔ بالکل چھتری کی صورت۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اب ذرا سوچئے کہ جب یہاں کے درخت بلندی میں تاڑ سے بازی لے جاتے ہیں تو وہاں اس موسم میں انکی لمبائی کیا ہوگی! ہوں ہوں ہوں۔ بلا مبالغہ ہر ایک سو سوا سو گز اونچا تھا۔ ہوں، ہوں ہوں۔ میں نے زیادہ غور نہیں کیا۔ موقع ہی نہ تھا، جھٹ اچک کر سب سے اونچے اور لمبے درخت کو جھٹکا دے کر جڑ سے اکھاڑ لیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اس کی شاخیں توڑ پھوڑ نوچ کر پھینک دیں، اور اس سے بانس کا کام لے کر پول والٹ کرنا شروع کیا۔ ہوں، ہوں، ہوں ـــ"

مبین نے پوچھا "یہ پول والٹ کیا بلا ہے حکیم صاحب؟"

حکیم بانا کے میلے اور زرد دانت نکل آئے "ہوں، ہوں، ہوں۔ جی، آپ نے ہمارے ہاں کے اسیر بھیوکروں کو دوڑ کر لاٹھیوں کے سہارے اونچا اچکتے دیکھا ہوگا۔ یہ بھی اسی قسم کی ایک اچک ہوتی ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں، اس میں پتلے پتلے بانس پورے پورے لے لیتے ہیں اور اسی کے برابر اچکتے ہیں۔ عام طور سے انیس بیس فٹ تک

اونچے چلے جاتے ہیں۔ہوں، ہوں، ہوں۔۔۔۔"

ظہور نے پوچھا "اور آپ کا پول تھا یوکلپٹس کا درخت۔ سوا سو گز لمبا ! تو آپ کی پرواز کبھی ویسی ہی بلند رہی ہوگی !"

حکیم بانا بولے "ہوں، ہوں، ہوں۔ جی ہاں۔ مجھکو اس وقت سیکڑوں کوس جانا تھا۔ اتنا لمبا سفر درپیش تھا۔ اس وقت ٹڈی کی طرح پر پھڑپھڑانے سے کام نہ چل سکتا تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ یوکلپٹس کے تنے کی مدد سے ہر چھلانگ میں میں نے ڈیڑھ دو ہزار گز کا فاصلہ طے کرنا شروع کر دیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ تقریباً دو گھنٹے اس طرح اچکنے کے بعد دور سے پہاڑ نظر آیا۔ میں نے رُک کر اُسے دوربین سے بغور دیکھا۔ نہایت ہی مہیب شکل کا دیو چار زانو بیٹھا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہ اپنے داہنے تلوے کو بائیں ران پر رکھے، اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اس کے چہرے پر صرف ایک آنکھ تھی جو وسط پیشانی میں واقع تھی۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ دیو کے دو دانت جو یوکلپٹس سے بھی کئی گنا بڑے تھے اس کے موٹے موٹے ہونٹوں سے باہر نکلے تھے۔ وہ پاؤں کے ان چھالوں کو، جو میری آگ نے اس کے تلوے میں ڈال دیئے تھے اپنے نوکیلے ناخون سے کرید رہا تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ شاید کوئی چھالا ٹوٹ گیا، اس لئے کہ تلوے سے پانی بہنا شروع ہوا۔ یہ پانی دیو کی ران کی چٹان سے ٹکرا کر اس زور شور سے چلا اور اس کثرت سے بہا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک نیا وکٹوریہ آبشار بن گیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ بس اسی سے سمجھ لیجئے کہ میں جو اس سے کوسوں دُور تھا، میں نے اس چادر آب کو اپنی طرف تیزی سے آتے دیکھ کر اپنے کو بچانا ضروری سمجھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ میں نے اُچک کر یوکلپٹس کے سرے پر پناہ لی ! ۔ اس طرح کہ بندروں کی مانند نوک پیٹ میں

گڑسی تھی اور پاؤں لٹک رہے تھے! ہوں، ہوں، ہوں!"

ظہور نے کہا "بچپن کی مشق کام آئی!"

حکیم بانا بولے "جی، یہ میں نے از خود بر خود فقرہ کسا ہے، تاکہ آپ کے چہرے پر مسکراہٹ آئے اور اسکی یبوست رفع ہو!۔ ہُوں، ہوں، ہوں!"

ظہور نے کہا "الحمد للہ کہ میری یبوست وقتی ہے، آپکی عبوست کی طرح دائمی نہیں!"

خاں صاحب نے دیکھا دونوں علمیت کے مظاہرے پر اُتر آئے ہیں اور تیور بدل گئے ہیں۔ اس لئے انھوں نے جلدی سے کہا "بھائی ظہور صاحب اس یبوست و عبوست کے سلسلے میں مجھے یہ کہنا ہے کہ آپ دونوں میں سے کوئی بھی صومعہ نشین نہیں۔ شعر یاد دلاؤں ہے ؎ شگفتہ تر ہے چمن روضہ ہائے جنت سے!

ہنسی کی جا نہیں گر صومعہ نشین ہو عبوس!

ظہور نے ہنس کر کہا "اور ہم لوگ اس وقت ہیں ڈیوڑھی نشین، جو چمن سے بھی شگفتہ تر ہے۔ ہاں قبلہ حکیم صاحب، ارشاد ہو!"

حکیم بانا نے بھی مسکرانا ہی قرین مصلحت سمجھا۔ وہ ہُوں ہُوں کر کے بولے "میں عرض کر رہا تھا کہ میں یوکلپٹس کی نوک پر لیٹ گیا۔ مگر سوا سو گز کی اس بلندی پر ہونے کے باوجود جب پانی ادھر سے گزرا تو وہ اتنا بلند تھا کہ میری دونوں ٹانگیں بھیگ گئیں ——"

ظہور پھر بولے "پانی دُور تک پہنچا!"

حکیم بانا زہر کا گھونٹ پی کر رہ گئے۔ انھوں نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔

عجیب و غریب سیلاب تھا۔ بعد میں اخباروں سے معلوم ہوا کہ اس سال جو سمندر میں طغیانی آئی تھی جس کی وجہ سے بحرِ ہند میں کئی جہاز ڈوب گئے تھے اس کا باعث وہی تموج تھا جو دیو کے پاؤں کے چھالوں نے پیدا کیا تھا! ہوں، ہوں، ہوں ——"

سب نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کی۔ حکیم بانا نے خود بھی کئی لمبے لمبے کش لگائے۔ شاید وہ ان نیم پوشیدہ و نیم عریاں طنزیہ مسکراہٹوں کو پی جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر وہ بولے "اس آفت ناگہانی اور اس طوفان و بوماں سے اپنے کو بچا کر جب میں نے پھر دیو پر نظر ڈالی تو دیکھا وہ ہنوز چھالوں ہی کے دیکھنے میں مشغول ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس کا جھکا ہوا سر اس کے ڈیل پر بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے کسی نے کوہ سلیمان پر کنچن جنگا کی چوٹی کاٹ کر جما دی ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے دل میں سوچا دشمن کا دھیان کہیں اور ہے اس کی غفلت سے فائدہ اٹھانا سراسر نادانی ہوگی۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے فوراً تین چھلانگیں ماریں اور تیسری چھلانگ میں ایوکلپٹس کا تنا ہاتھ سے پھینک دیا اور نشت پر بندھا ہوا ڈنڈا جھٹکے سے کھینچا۔ اور بانے کا خاص ہاتھ ہلا کر دیو کی کنپٹی تاکی اور ڈنڈا اُسے مارنے کو پھینکا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ڈنڈا ٹھیک کنپٹی پر پڑا۔ تراق سے آواز آئی دیو کی رگ گردن ٹوٹ گئی۔ ایک نہایت ہی بھیانک گرج ہوئی زمین ہلنے لگی۔ درختوں کی شاخیں ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں۔ آبشار کا پانی میلوں اچھل گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ دیو کا منکا ڈھل گیا، سر جھک کر پیٹ اور زانو سے مل گیا۔ دیو ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا ہو گیا۔ اسی کو لوگ آج کوہ ابو قبیس کہتے ہیں! ہوں، ہوں، ہوں!"

ظہور نے اُٹھ کر جوتا پہنتے ہوئے کہا "اور آواز آئی۔ کشتی مرا کہ زیت ابن یوسف بودم!" لوگ طلسم ہوش ربا کے نام یاد کر کے ہنسنے لگے، مگر حکیم بانا بھڑک اُٹھے۔ وہ گرجے "آپ مجھکو لاغی، جھوٹا قصہ گو سمجھتے ہیں ظہور صاحب! ہے شرط کہ ——"

اور حکیم بانا نے ڈنڈا تان لیا۔ مگر اتنی دیر میں ظہور اور ہبین لپک کر پھاٹک کے پاس پہنچ چکے تھے۔

ہبین نے کہا "اسی کو شاید ہوا میں گرہ لگانا کہتے ہیں!"

ظہور نے حکیم بانا کی طرف منہ کر کے زور سے کہا "جی ہاں، اور اسی کو رائی کا پہاڑ بنانا بھی کہتے ہیں!"

حکیم بانا دھاڑے "فقرے کستا ہے اور بھاگتا جاتا ہے، کھڑا نہیں رہتا کہ ابھی بانا کے ہاتھ دکھاؤں ــــــ"

ظہور نے بالکل بچوں کی طرح حکیم جی کو چڑھانے کے لئے کہا "حکیم بانا! چھوٹا بانا! ٹھوٹا تانا!ــــ"

حکیم بانا ڈنڈے سمیت تخت سے پھاندے۔ وہ گرج رہے تھے "کھڑا تو رہ مردود! مجھے حکیم بانا کہہ کر چڑھاتا ہے! ہے شرط کہ ــــــ"

مگر ظہور اور ہبین پہلے ہی سے سارا بندوبست سوچ چکے تھے جیسے ہی حکیم بانا تخت سے پھاندے وہ دونوں پھاٹک کے باہر تھے اور اس کی اوٹ میں انہیں اس طرح صفائی سے نکل جاتے دیکھ کر حکیم بانا نے جھلا کر پوری قوت سے انکی ٹانگیں تاک کر ڈنڈا پھینکا۔ دیو کو مارنے والا یہ ڈنڈا خاں صاحب کے بڑے پھاٹک سے ٹکرایا اور دو ٹکڑے ہو گیا! ایک حصہ تو وہیں رہ گیا۔ دوسرے نے الٹی جست لگائی اور ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے حکیم بانا کے قدموں میں گر کر پھڑکنے لگا۔ حکیم بانا آہ کر کے ابو قبیس دیو کی طرح زمین پر بھد سے چار زانو بیٹھ گئے۔

خاں صاحب اس اچانک اور نئی افتاد سے حد درجہ بوکھلا گئے۔ وہ تخت پر

کھڑے ہو کر ہر ایک سے فریاد کرنے لگے "ارے کوئی حکیم صاحب کو اٹھاؤ! کوئی ان کو سنبھالو!" ——— مگر ہر ایک ہنسی سے بیتاب تھا۔ اور حکیم بانا کے سنئے کوہ ابوقبیس کی طرح ایک نئی دیوار قہقہہ بنانے میں مشغول! اس نقار خانے میں طوطی کی آواز کہاں سنائی دیتی!

دسواں باب

"اسپ بادآورد"

اب کے ظہور سے حکیم بانا مہینوں خفا رہے۔ اس خفگی کو اس صدمے نے اور بڑھا دیا تھا جو انھیں اپنے عصا کے ٹوٹنے سے پہنچا تھا۔ ان کا وہ رفیق دیرینہ جس نے سیکڑوں حیرت انگیز معرکوں میں ان کا ساتھ دیا، جس کے سہارے انھوں نے بانا کے ہزاروں کرتب ہی نہیں معجزے دکھائے ——— حالانکہ اس نمایش کا سوائے ان کے کوئی گواہ اور شاہد نہ تھا ——— یہ عجیب و غریب ڈنڈا اسی لئے تو ٹوٹا کہ ظہور نے عمداً اس کے وار کو خالی دیا۔ اور وہ مرحوم پتھروں کا کاٹنے والا، برف کی چٹانوں کو دریاؤں میں تبدیل کرنے والا، دیو کو پہاڑ بنا دینے والا رفیق و دمساز، معجز نما دمعجزۂ سلم خاں صاحب کے پرانے پھاٹک کی ٹکر نہ برداشت کر سکا اور شکستہ و ریختہ ہو کر آنجہانی ہو گیا! اب وہ ایک پتلی سی چھڑی باندھتے تھے۔ مگر اس آنجہانی کی سی بات کہاں۔ ممتوعہ نکاحی کی جگہ کیسے لے سکتی ہے!

اس خفگی میں مئی اور جون کے دو مہینے گزر گئے۔ گرمیاں ختم ہوئیں، برسات آگئی۔ چھینٹا ہی نہ پڑا، ڈونگرا بھی برسا۔ آم رس پر آگئے۔ خاں صاحب کی شام کی نشستوں میں اکثر ان کے باغوں کے منتخب آم ظہور بھی کھاتے ہمین بھی مگر حکیم بانا محروم رہتے۔ اور باوجود ہر طرح کی چہل پہل کے محفل سونی سونی محسوس ہوتی۔ اس لئے سب کو فکر ہوئی کہ کسی طرح حکیم بانا کو منایا جائے۔

چنانچہ، خاں صاحب کے ایما سے گاؤں کا بڑھئی بلایا گیا۔ اسے بنسواڑی سے حکیم صاحب کے ڈنڈے کے برابر اور مشابہ دوسرا ڈنڈا ڈھونڈھ کر کاٹ لانے کا حکم دیا گیا۔ جب ہر طرح اس زیٹ کے نشان کی نقل تیار ہو چکی تو اس میں مہندی اور کڑوا تیل لگا کر مطبخ کے دھوئیں میں رکھ کر کالا کیا گیا۔ جب وہ بالکل حکیم بانا کا عصائے دیو کش معلوم ہونے لگا تو ایک دن صبح کو ظہور بیچ میں، خاں صاحب اور ہمین دائیں بائیں، ملازم پیچھے پیچھے اور ظہور کے ہاتھ میں وہی کالا نیا ڈنڈا۔ اس شان سے یہ جلوس حکیم بانا کے گھر پہنچا۔

خاں صاحب کے ملازم نے ڈیوڑھی میں جا کر آواز دی "حکیم صاحب، سرکار خاں صاحب تشریف لائے ہیں!"

خاں صاحب آج تک حکیم بانا کے گھر نہ آئے تھے۔ وہ گاؤں کے سب سے بڑے رئیس ہی نہ تھے بلکہ حکیم بانا کے محسن اور آقا بھی تھے۔ وہ دہری فیس دیتے تھے پچیس روپیہ ماہوار دیتے۔ اور ہمیشہ ادب و اخلاق سے پیش آتے تھے۔ حکیم بانا خواہ ان باتوں کو اپنے انداز اور رویہ سے ظاہر نہ کریں لیکن دل ہی دل میں ان سے مرعوب ضرور تھے۔ اسی لئے ان کی بے اطلاع آمد کی خبر سنکر وہ ہڑبڑا کر اُٹھے اور تخت کے

فرش کے لئے کوئی صاف کپڑا بیوی سے مانگنے لگے۔ گو شادی کو ایک زمانہ گزر گیا تھا مگر شریمتی جی اب تک حکیم بانا کی ادھ کٹی بات نہ سمجھ پاتی تھیں۔ اس لئے کچھ نہ سمجھیں کہ میلی چکٹ سوزنی روز کی طرح آج بھی تخت پر کیوں نہیں بچھائی جا سکتی اور صاف چادر کی دفعتہً کیوں ضرورت پیش آئی۔ ادھر آدمی نے پھر آواز دی "اجی حکیم صاحب، خاں صاحب انتظار میں کھڑے ہیں"۔۔۔ بس حکیم بانا کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ بیوی کو "بے وقوف قطامہ" کا خطاب عطا کرتے بڑبڑ کرتے گھبرا کر باہر چلے آئے۔

پہلے ہی ظہور پر نظر پڑی اور ان کے ہاتھ میں اپنے محبوب ڈنڈے کا ہمزاد دکھائی دیا۔ دل پر ایسی چوٹ لگی کہ ان کے سلام کا بھی جواب نہ دیا، اُن کی طرف سے منہ پھیر کر خاں صاحب سے پوچھا "خیریت تو ہے، آپ نے کہاں زحمت کی؟ ہُوں، ہُوں، ہُوں" ۔۔۔ اس ہوں ہوں کی ضمیر غالباً مبین کی طرف تھی!

مبین نے کہا "اس برات کے دولہا تو ظہور بھائی ہیں، ہم لوگ تو محض براتی ہیں!"

حکیم بانا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "تو بہتر ہے، دولہا کو اندر بھیجدیجئے۔ دلھن اسکی بہن ہما تو ہے!"

خاں صاحب ہنس دیئے، مبین بھی اور بعد میں ظہور بھی۔ حکیم بانا نے بھی سبکی ریس میں ہنسنے کی کوشش کی۔

ظہور نے ڈنڈا ان کی طرف بڑھا کر کہا "یہ لیجئے اپنا تنبیہ الغافلین۔ اور اگر اب بھی غصہ نہ اترا ہو تو یہ سر حاضر ہے۔ ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے!"

حکیم بانا نے پس و پیش کیا تو خاں صاحب نے کہا "حکیم صاحب! آپ جانتے ہیں

ہم میں سے ہر ایک آپ کی کتنی عزت و توقیر کرتا ہے!

حکیم بانا نے کہا "خاں صاحب آپ کی ذات ستودہ صفات سے مجھ کو ئی شکایت نہیں۔ لیکن اور برادران وطن کا رویہ ایسا ہے کہ غالب کی طرح کہنے کو جی چاہتا ہے ؎

ہر گز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ ہوں میں کلام نغز و لے ناشنیدہ ہوں!"

ظہور نے کہا "قبلہ، اسی ناشنیدے کو تو ہم لوگ شنیدہ بنانا چاہتے ہیں! یہ لیجئے میرے سر پر اسے بجائیے!" پھر ڈنڈا اٹھا کر وہ مسخرا بولا: ؎

ضعف آتا ہے اس کو تھام تو لو! بو لیومت گر سلام تو لو!

حکیم صاحب جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ خاں صاحب نے دخل انداز ہو کر کہا "اب غصہ تھوک دیجئے قبلہ، اور ان کا قصور معاف کر دیجئے۔ آپ سے ان سے مذاق کا رشتہ بھی ہے اور ان کے مزاج میں ظرافت و بذلہ سنجی بھی ؎

ہر بات ہے لطیفہ و ہر اک سخن ہے رمز ہر آن ہے کنایہ و ہر دم ٹھٹھولیاں!"

حکیم بانا نے ہُوں ہُوں کر کے ظہور سے ڈنڈا لے لیا۔ پھر پیترا بدل کر اسے اس طرح گھمایا کہ جیسے ظہور کے سُرین پر پورا ہاتھ رسید کریں گے۔ وہ اچک کر الگ ہوئے تو حکیم بانا بولے "جلدی سے اندر جاؤ اور اپنی بہن سے فرش لا کر بچھاؤ!"

ظہور نے ہنسکر کہا "انھیں باتوں پہ لوٹتا ہوں میں۔ گالی پھر دے کے میرا نام تو لو!" اور فرش لانے کے لئے ڈیوڑھی کی طرف بڑھے۔

حکیم بانا نے کہا "اندر جا تو رہے ہیں آپ مگر ڈرتا ہوں ؎

عشووں کو چین ہی نہیں آفت کئے بغیر تم اور مان جاؤ شرارت کئے بغیر!"

ظہور نے ہنستے ہوئے کہا " اور اس غزل کا اپنے حسب حال شعر بھول گئے۔

۵ تم کتنے تند خو ہو کہ پہلو سے اُٹھ تک — اک بار بھی اُٹھے نہ قیامت کئے بغیر!

حکیم بانا نے ہوں ہوں کر کے ڈنڈا اُٹھایا اور ظہور قہقہہ لگاتے اندر چلے گئے۔

غرض اس طرح حکیم بانا کی زیٹوں کی دوبارہ طرح پڑی۔ اور اسی شام کو اسپ باد آورد کا قصہ سننے میں آیا۔

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ گرداب گردنے یہ نقرہ مجھ کو عطا کیا تھا۔ میں نے اسی لئے اس کا نام باد آورد رکھا تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ میں نے اس کی ننگی پیٹھ پر بحالت بیہوشی میں چند گھنٹوں کے اندر تقریباً پانچ سو میل کی مسافت طے کی۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ وہ وفادار ایسا تھا کہ جب میں مضافات دمشق میں ہوش میں آیا تو میں نے دیکھا وہ پاس ہی کھڑا گھاس چر رہا ہے۔ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خاص طور سے میرے ہی لئے خلق کیا گیا ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ جیسے ہی اس نے مجھے ہوش میں دیکھا وہ پاس آکر کھڑا ہو گیا اور تھوتھن سے میرے بازو کو ٹھوکے دینے لگا۔ گویا کہہ رہا تھا "اُٹھئے میں حاضر ہوں۔ سوار ہو کر دمشق چلئے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔"

خاں صاحب نے بڑی سنجیدگی سے کہا "گھوڑے بڑے سمجھدار ہوتے ہیں۔ وہ بھی عرب گھوڑا۔ سبحان اللہ کیا کہنا ہے اس کی فہم و فراست، تیزی و وفاداری کا!"

حکیم بانا نے کہا "یہ باد آورد تو بس گفتگو نہ کرتا تھا ورنہ وہ اس مجمع کے بہت سے حاضرین سے یقینی کہیں زیادہ سمجھدار تھا! ہوں، ہوں، ہوں۔"

ظہور نے کہا "قبلہ، اب تو بیچ میں بول کر اپنے کو اس زمرے سے الگ کرنا ضروری سا ہو گیا!"

مبین نے فقرہ کسا "چور کی داڑھی میں تنکا۔"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ میں کبھی دیکھ رہا ہوں کہ دخل در معقولات کر کے کون کون صاحب اپنی کم عقلی کا ثبوت پیش کرتے ہیں!"

ظہور نے للکارا "ہاں، ہاں، بھائیو! بولو! بولو!"

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق — ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد!"

خاں صاحب نے کہا "کس کی شامت آئی ہے کہ وہ آپ کے بعد بولنے کی ہمت کریگا!"

خاں صاحب کے بولنے پر بڑے زور کا قہقہہ پڑا۔

حکیم بانا نے ہوں، ہوں، ہوں کر کے کہا "دمشق میں اس کو کسی کرائے کے اصطبل میں اپنے سے دور باندھنا محال تھا۔ پہلی شب جس سرائے میں ٹھہرا تھا اسے اپنے پلنگ سے ذرا دور باندھا۔ اسی شب چند ڈاکوؤں نے مجھے اجنبی اور غیر ملکی سمجھ کر اس گھوڑے کو چرانے کی کوشش کی۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں گہری نیند سو رہا تھا کہ شور و غوغا فریاد و نالہ کی آواز سنائی دی۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ دیکھتا ہوں تو باد آورد ٹاپیں مار مار کر میرے پلنگ کو ہلا رہا ہے اور اس کے منہ میں ایک عرب لٹکا ہوا پھڑ پھڑا رہا ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ تین چور تھے، دو تو اس کی لاتوں کی ہوا سے سرائے کے باہر اڑ کر گرے اور کراہتے ہوئے بھاگ گئے، تیسرے کو وہ منہ میں پکڑ کر میرے پاس اٹھا لایا تھا کہ میں سزا دوں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں سزا کیا دیتا، یونہی کافی تادیب ہو گئی تھی۔ جب اس نے میرے حکم پر اسے منہ سے چھوڑا تو چور ڈر اور خوف سے تقریباً بیہوش تھا۔ ہوں ہوں ہوں، میں نے اسے دو طمانچے مار کر سرائے سے نکلوا دیا۔ ہوں ہوں ہوں مگر اس دن سے پھر کسی کی ہمت نہ پڑی کہ وہ باد آورد کو چرانے کی کوشش کرتا۔ ہوں ہوں ہوں! مگر اس واقعہ کی جو شہرت ہوئی تو دمشق سے ہی نہیں بلکہ اقطاع شام سے

لوگ جوق جوق اس کو دیکھنے کو آتے اور طرح طرح کی چیزیں، دودھ، مکھن، دہی، پنیر کھجوریں، انگور، سیب، انار، انجیر اسے لاکر کھلاتے۔ ہوں ہوں ہوں ہوں۔ وہ ایک بدطینتوں نے اسے بنستی اور زہریلی جڑی بوٹیاں بھی کھلانے کی کوشش کی۔ ہوں ہوں ہوں ہوں۔ یہی نہیں کہ وہ ایسی چیزیں نہ کھاتا بلکہ ان کے لانیوالوں کی گوشمالی بھی ضرور کرتا۔ ہوں ہوں ہوں۔ کسی کو کمر سے پکڑ کر ہوا میں اچھال دیتا، کسی کی ٹانگ پکڑ کر اسے زمین پر گھسیٹ دیتا، کسی کے کان لبوں سے پکڑ کر اس طرح ہلاتا کہ وہ ٹوٹ کر ہندوستانی پہلوانوں کے کانوں جیسے ہو جاتے۔ ہوں، ہوں، ہوں!۔۔۔۔"

حلیم بابا نے اگال پھینک کر منہ خالی کیا۔ وہ پان مع تمباکو کے کھائے۔ پھر وہ بولے "رفتہ رفتہ اس کی شہرت حاکم دمشق تک پہنچی۔ اس نے اپنے افسر میرے پاس بھیج کر مجھے طلب کیا۔ میں باد آورد پر سوار ہو کر محل میں پہنچا۔ حاکم میرا منتظر برآمدہ میں کھڑا تھا۔ میں گھوڑے سے اتر کر آداب کورنش بجا لایا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ حاکم نے اس گھوڑے کو بغور دیکھا۔ فرمایا یہ تو شاہی اصطبل میں رہنے کا مستحق ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اس نے کہا پانچ ہزار دینار سُرخ لے لو اور اسے مجھے دیدو۔ ہوں ہوں ہوں ہوں۔ میں نے عرض کیا مجھے حکم شاہی بجا لانے میں کوئی عذر نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ یہ عطیہ الٰہی ہے میرے سوا دوسرے کو اپنی پیٹھ پر یہ راہوار نہ بیٹھنے دیگا۔ ہوں ہوں ہوں ہوں۔ وہاں بڑے بڑے شہسواران عرب موجود تھے۔ انھوں نے میرے اس خیال پر ٹھٹھا مارا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے حاکم سے عرض کیا۔ جہاں پناہ! ان میں سے جسے سب سے بڑا سوار سمجھتے ہوں، اسے حکم دیجئے، تجربہ کرلے۔ ہوں ہوں ہوں۔ حاکم نے سب سے بڑے نامور شہسوار کو اشارہ کیا۔ اس نے بڑی خود اعتمادی سے گھوڑے کے پاس جا کر اسے دیکھا۔ ہوں ہوں

ہوں، بادآورد خاموش کھڑا رہا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ عرب نے کہا اس پر زین معمولی ہے، ممکن ہے کہ جست وخیز میں ٹوٹ جائے اس لئے اسے بدلوا دیا جائے۔ ہوں، ہوں، ہوں حاکم نے سائیس کو اشارہ کیا اس پر شاہی زین کسو۔ سائیس نے بالکل نیا ساز و یراق لاکر کس دیا۔ بادآورد نے کوئی عذر نہ کیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔

ظہور نے کہا "بھیگی بلی بنا رہا؟"

حکیم بابا نے کہا "جی! اسے گربۂ مسکین کہنا غلط ہوگا، وہ بڑا گرگ باراں دیدہ تھا! ہوں ہوں ہوں۔ اس لئے کہ جیسے ہی شہسوار اسکی پشت پر پہنچا وہ شیر غرّاں بن گیا۔ اس نے دانت نکال کر اور ٹاپیں مار کر چنگھاڑنا شروع کیا ہوں ہوں ہوں۔ اب نہ کسی کی مجال تھی کہ اس کے پاس جاتا اور نہ شہسوار کی ساری کوششوں کے باوجود اس کے قابو میں رہا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس نے گردن نیچی کر کے ایک کے بعد تین پشتکیں جھاڑیں۔ پہلی میں شہسوار کی پگڑی اکھڑ گئی، دوسری میں اس کے ہاتھ سے ایال اور باگ چھوٹی اور تیسری میں وہ غبارے کی طرح ہوا میں بلند ہوگیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اتفاق یہ کہ اس نے عربوں کے سے ڈھیلے کرتے کے نیچے صرف ایک جھٹ باندھ رکھی تھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب جو دامن پھیلے اور اُن میں ہوا بھری تو وہ بالکل غبارہ بنا۔ اور ہوا اُسے اُڑا لے چلی۔ اور وہ بلند سے بلند تر، بلند تر سے بلند تر ہوتا چلا گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب بادآورد تو چپکا کھڑا ہوگیا مگر ہر طرف سراسیمگی پھیلی۔ یا اللہ شہسوار کا کیا حشر ہوگا۔ وہ تو تارا ہوگیا۔ ہوا اس کو نہ جانے کہاں لے جائے گی، کہاں گرا ئیگی!" ہوں، ہوں، ہوں! امیر بھی پریشان تھا، مصاحبین بھی۔ سب مجھے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے یا بادآورد کو۔ میں خود بھی پریشان کہ کیا کروں، کیا نہ کروں۔ ہوں ہوں ہوں۔ سو اتفاق دیکھئے کہ اسیوقت ابر بھی آگیا اور

شہسوار کا غبارہ اس میں غائب ہونے لگا۔ سب نے ایک ساتھ ہائے ہائے کرنا شروع کیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے جھپٹ کر جو سنتری کندھے پر رائفل لئے ہوئے ٹہل رہا تھا اس سے رائفل چھینی اور جھٹ نشانہ لگا کر دو فائر کئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ پہلی گولی نے ایک دامن کو پھاڑا، دوسری نے دوسرے کو، اور شہسوار ایک گرتے ہوئے گولے کی طرح نیچے چلا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے اس گرتے ہوئے گیند کا رخ کیا، گرنے کے مقام کا اندازہ کیا، اچک کر باد آورد کی پیٹھ پر بیٹھا، اسے اڑایا اور شہسوار کو ہوا ہی میں سے روک کر اپنی گود میں تھام لیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ مرحبا! مرحبا! کا ایک غلغلہ بلند ہوا اور میں نے بیہوش شہسوار کو لاکر حاکم کے سامنے فرش پر لٹا دیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ وہ بکمال سے بیہوش تھا۔ منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے گئے، نخلخلہ سنگھایا گیا اور وہ تھوڑی دیر میں ہوش میں آگیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔

مبین نے کہا "بڑا سخت جان تھا، کمبخت!"

ظہور بولے "بے حیا، کہو جی!"

حکیم باناّ نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ وہ نوں تھا۔ مگر جیسے ہی اس کی نظر باد آورد پر پڑی وہ چیخکر بھاگا اور اندر گھس کر اس نے کمرے کے دروازے بند کر لئے! ہوں ہوں، ہوں۔ خود باد آورد کی یہ حالت کہ اس نے پھنکار مار کر کاٹنا شروع کیا۔ ہر شخص گھبرا کر صحن خانہ سے بھاگا اور برآمدوں میں کھڑا ہو گیا یا چھتوں پر چڑھ گیا۔ ہوں، ہوں، ہوں امیر باہمت تھا، اس نے اپنے ملازموں کو للکارا۔ جو بہادر اسے گرفتار کرلے گا اسے سازو یراق بخش دوں گا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ میں نے کہا جو اسے گرفتار کرنے کے بعد اسکی پیٹھ پر پانچ منٹ بھی بیٹھا رہے گا میں اسے یہ اسپ نادر و نایاب ہدیہ دیدوں گا!

ہوں ہوں ہوں۔ پچاسوں جو اندر صحن میں اتر آئے کئی کئی کمندیں اس باد رفتار پر ایک ساتھ پڑیں مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ واقعی رخش رستم کی نسل سے ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ ریشم، بال اور سوت کی موٹی رسیاں اس طرح ٹوٹ جاتی تھیں جیسے کچا دھاگا بچے توڑ دیتے ہیں۔ ہوں، ہوں، ہوں، ہوں۔ اب حاکم کو یقین آگیا کہ اس وقت میں بھی اس گھوڑے پر قابو نہیں پا سکتا۔ اس نے مسکرا کر میری جانب دیکھا اور کہا "اگر تم اس حالت میں اس پر سواری کر لو تو یہ مرصع زین و یراق تم لے جا سکتے ہو!"۔ ہوں ہوں ہوں ہوں ___

حکیم بانا نے رُک کر کئی لمبے لمبے کش کھینچے۔ پھر وہ ہوں ہوں کر کے بولے:

"یہ حقیقت ہے کہ مجھ پر بھی اس وقت خوف طاری تھا۔ بادآورد کی صورت ہی بڑی ہیبتناک تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ یہ عجیب و غریب راہوار اس وقت مجنوں ہو رہا ہے۔ وہ میری بھی نہ سُنے گا! ہُوں ہُوں ہُوں۔ پھر بھی میں جان پر کھیل گیا میں اس دائرے میں جھپٹ کر گھس گیا جو راہوار نے تگ و دو کے سلسلے میں بنا لیا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ہاں! میں نے ایک مقام پر کھڑے ہو کر ڈانٹا۔ "کیا کر رہا ہے؟ ادھر آ بادآورد!"۔ ہُوں ہُوں ہوں!۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے بجلی کا بٹن دبا دیا، دوڑتا ہوا گھوڑا رُک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے گردن اُٹھا کر مجھے دیکھا، ہنہنایا، زمین پر ہلکی ہلکی ٹاپیں ماریں اور دُم جھنور کے میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ ہُوں ہوں ہُوں۔ میں نے اسکی گردن تھپ تھپائی اور اُچک کر اس کی پیٹھ پر بیٹھ گیا۔ وہ خاموش کھڑا رہا۔ میں نے باگ موڑی اور اس پر سوار اُدھر چلا جدھر حاکم اپنے محل کے چبوترے پر کھڑا تھا۔ ہُوں ہُوں ہوں۔ حاکم کو دیکھتے ہی اس کی آنکھیں پھر اُبلنے لگیں، اس نے پھر بھیانک طور پر دانت نکالے اور پھر خوں خوں کر کے جست کرنے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے گردن تھپک کر اُسے

چمکارنا چاہا، مگر حاکم پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ لرزہ بر اندام ہو گیا۔ اور زور سے چیخا "خدا کے لئے اس خونخوار جانور کو یہاں سے لے جاؤ! میں نے زین دیراق سب تمھیں بخشا"! ہوں ہوں ہوں! میں نے اُسے تعظیم سے سلام کیا اور گھوڑے کی باگ موڑ کر گھر کی طرف چلا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ابھی بڑے پھاٹک سے باہر نہ ہوا تھا دماغ نے خیال دلایا دریا میں رہنا اور مگر مچھ سے بیر! ہوں ہوں ہوں۔ حاکم یقینی ایسے شخص سے خوش نہیں رہ سکتا جس کا گھوڑا اس کے افسروں ہی کو نہیں خود اسے بھی اس طرح ذلیل کرے اور کمزور ثابت کرے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے جھک کر باد آورد کے کان میں کہا۔ "تجھے حاکم کو اپنی پیٹھ پر بٹھانا ہو گا!" اس نے ہنہنا کر گردن ہلائی اور خود بخود محل کے برآمدے کی طرف پلٹ پڑا۔ ہوں ہوں ہوں۔ حاکم نے جو گھوڑے کو اس طرح پلٹتے دیکھا تو وہ حد درجہ ہراساں و پریشاں ہوا۔ مگر میں نے گھوڑے کو صحن کے بیچ ہی میں روک لیا۔ اور اس سے جلدی سے اتر کر میں نے حاکم سے دست بستہ عرض کیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ جہاں پناہ خود اس گھوڑے پر سواری کریں۔ میں ذمہ دار ہوں کہ سلطان عالم کے اقبال سے وہ کسی طرح کی شرارت نہ کرے گا! ہوں ہوں ہوں۔ حاکم نے کہا "اور اگر اس نے شرارت کی؟" میں نے عرض کیا "سنتری کو حکم دیدیجئے کہ مجھے گولی مار دے گا!"۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس نے اپنے درباریوں کی طرف دیکھا۔ مگر قبل اس کے کہ وہ کچھ کہیں میں نے باد آورد کو آواز دی۔ وہ گردن جھکائے کٹک دری کی چال سے میرے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ ہر شہسوار کے دل میں ایسے گھوڑوں پر سواری کی للک ہوتی ہے جس پر دوسرے سواری نہ کر سکیں۔ یہی جذبہ حاکم کے ہاں بھی موجزن ہوا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ وہ بڑھ کر باد آورد کے قریب آیا، اس نے

اس کی گردن تھپ تھپائی، گھوڑے نے دونوں گھٹنے ٹیک دیئے جیسے وہ سلام کر رہا ہو اور اپنی پیٹھ پر بیٹھنے کی دعوت دے رہا ہے۔ہوں، ہوں، ہوں!۔حاکم باد آورد کی پشت پر بیٹھ گیا۔ اور اس نے وہیں صحن میں اسے کاوے پر لگایا، باد آورد دُلکی، پوئی، قدم، سرپٹ سب کچھ چلا اور اس کی تیزی اور مشاقی سے چلا کہ حاکم حد درجہ خوش ہوا۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہ جب اسکی پیٹھ پر سے اترا تو اس نے کہا "حکیم ہندی، افسوس ہے کہ یہ گھوڑا محض تمھارے پاس رہ سکتا ہے۔ مگر اس کی دیکھ بھال میں میں بھی شریک رہنا چاہتا ہوں۔ اس لئے خزانہ شاہی سے تمہیں ایک ہزار اشرفیاں عطا کی گئیں تاکہ اس کے لئے مخصوص اصطبل بنوا کر اس میں رکھو اور اس کی نگہداشت میں کوئی کمی نہ کرو!" میں نے جھک کر تسلیم کی اور ایک ہزار کی تھیلی لیکر باد آورد پر سوار ہو کر اپنی جائے قیام پر واپس آیا۔"

زنان خانے سے خاں صاحب کا بلاوا آگیا "چھوٹی حضور یاد فرما رہی ہیں!" اور اس شب کی نشست میں یہ کہانی تشنہ ہی رہ گئی۔

گیارھواں باب

"بادآورد کی موت"

دوسری شام کو جب حکیم بانا آئے تو لوگوں نے اصرار شروع کیا۔ "ہاں قبلہ، کل اسپ بادآورد" کی بات تو ناتمام ہی رہی، اس گھوڑے نے بڑی بڑی رفاقتیں کی ہونگی اور بڑے بڑے کام انجام دیئے ہوں گے!"

حکیم بانا نے کہا "بے شبہ اس وفادار نے اپنی حیات میں بڑے بڑے کارنامے کئے!"

ظہور نے کہا "ہے ہے، تو بادآورد آنجہانی بھی ہو گیا؟"

اور لوگ تو ظہور کی ہے ہے پر مسکرائے، مگر حکیم بانا حقّے اور پان سے سرگوشی میں مشغول رہے۔ قصّہ گوئی کے یہ ابتدائی مراحل تھے انھیں جلد ہی طے کرنا تھا!۔ اُن سے فرصت پاتے ہی، وہ بولے "دمشق میں میرا مطب خوب چمکا۔ اس قدر مرجوعہ کہ دن رات میں مشکل سے کچھ گھنٹوں کی مہلت ملتی تھی۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ اقطاع عرب و ترکی ہی سے نہیں بلکہ دور کے غیر ممالک سے بھی لوگ بغرض علاج آنے لگے تھے۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ اگر صاحبِ زر ہوتے تو خود قیام و طعام کا انتظام کرتے ورنہ سینکڑوں میرے ہی احاطے میں پڑے رہتے۔ اور دوا و غذا انھیں مفت مہیا کی جاتی! ہُوں ہُوں ہُوں —

حکیم بانا کی خسّت مشہور عام تھی۔ اس لئے دریا دلی کے تذکرے پر ہر ایک نے

مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کی۔

حکیم بانا نے پان کی جگالی فرماتے ہوئے کہا "ایک شب ایک شخص نے دق الباب کیا۔ دروازہ کھول کر اندر لایا گیا تو معلوم ہوا بادشاہ قزاقستان کا ایلچی ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اس نے کہا کہ چھ ماہ سے بادشاہ پر لقوے کا اثر ہے۔ اسکی دونوں ٹانگیں رہ گئی ہیں ——"

ایک صاحب نے جو محاورہ سے ناواقف تھے، گھبرا کر پوچھ لیا "حکیم صاحب! کیا اس بادشاہ کے دو سے زاید ٹانگیں تھیں کہ بس اب دو رہ گئی تھیں؟" اس پر خاصہ قہقہہ پڑا۔ حکیم بانا کے چہرے کی رگیں بھی ابھر آئیں۔ یعنی وہ مسکرائے۔ انھوں نے بچوں کو سمجھانے والے انداز میں کہا:-

"جی نہیں، صرف دو تھیں اور دونوں رہ گئی تھیں یعنی بیکار ہو گئی تھیں۔ یہ اُردو کا محاورہ ہے۔ ع یہ ہماری زبان ہے پیارے! ہوں ہوں ہوں، اس جواب پر پھر قہقہہ لگا اور حکیم بانا نے بیان جاری رکھا" ایلچی کا اصرار تھا کہ سلطان نے خود طلب فرمایا ہے۔ ملکہ کی دلی خواہش ہے کہ آپ کا علاج کیا جائے، جس طرح بھی ہو ضرور چلئے۔ میں نے کہا تم ہی کہتے ہو کہ موصل، قسطنطنیہ، بغداد، قاہرہ، طہران، بلخ بلکہ روم اور دنیا کے ڈاکٹر اور طبیب آکر علاج کر چکے اور کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ہوں ہوں ہوں۔ پھر میرا وہاں جانا بے سود معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا آپکی ذہانت و حذاقت کی چار دانگ عالم میں شہرت ہے اور ملکہ کا حکم ہے کہ ہم جس طرح بھی ہو آپ کو ضرور لائیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کہا یہ صحیح مگر مجھے آپ کے ملک میں جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ قزاقوں اور ڈاکوؤں کا ملک کوئی بات بھی خلاف مزاج ہوئی اور گردن غائب! ہوں ہوں ہوں لیکن

ظہور نے کہا "یہی ادا تو آپ کی بھی ہے!"

حکیم بانا نے کہا "معشوقانہ صفات کا الزام آج مجھ پر پہلی بار لگایا گیا ہے! ہوں ہوں، ہوں!"

ظہور نے کہا "جی، یہ اپنی اپنی آنکھ ہے"

حکیم بانا نے کہا "جی، آپ کے بھانجوں کی ماں کی آنکھ نے اسی قبیل کا دھوکا کھایا، سو آج تک بیٹھی رو رہی ہیں! ہوک ہوں ہوں"

اس پہ لوگوں نے قہقہہ لگا کر حکیم بانا کا ساتھ دیا۔ تو وہ اپنے خاص انداز سے مسکرا کر بولے "ایلچی کے ساتھ اس کا دوازدہ سالہ لڑکا بھی تھا۔ اس نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا، آپ جس کے ہاں مناسب سمجھیں میرے اس فرزند کو بطور ضامن کے دمشق میں چھوڑ دیں جب آپ صحیح سلامت واپس آجائیں تو میری امانت مجھے واپس ملے ورنہ جان کے بدلے جان۔ ہوں ہوں ہوں۔ بچہ بھی سمعاً و طاعتاً کہہ کر سامنے آکر دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے تھوڑی دیر تامل کیا۔ لیکن وہ اصرار کئے گیا۔ میں نے بھی دل میں سوچا کہ حکیم امان اگر ایسے بادشاہ کے علاج میں تم کامیاب ہو گئے جس کی شفا سے سب مایوس ہیں تو پھر تمہاری شہرت کی کوئی حد نہ ہوگی۔ چلو جان کی بازی لگا دو۔ اس لئے میں نے کہا "اچھا، چلو، بسم اللہ! ہوں ہوں ہوں۔ اس نے کہا یہی فرزند میری بضاعت ہے۔ اس کے سوا کوئی اولاد نہیں کسی معتبر شخص کو اسے سپرد فرمائیے!" ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کہا نہیں یہ بھی ساتھ چلے گا میں نے تمہاری بات کا اعتبار کیا اور اپنے کو حافظ حقیقی کے حوالے کیا! ہوں ہوں ہوں۔ اس کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے کہا حکیم ہندی اب اگر تم قزاقستان میں تین خون بھی کر ڈالو تو میں تم کو دمشق تک محفوظ پہنچا کر ہی دم

ہوں گا۔ ہوں ہوں ہوں!"

حکیم بانا نے رُک کر برف میں جھلا ہوا پانی ایک گلاس غٹ غٹا کے پیا۔ پان کھایا، پھر سلسلۂ کلام جاری کیا۔ "میں اس ایلچی کے ہمراہ قزاقستان کے لئے روانہ ہوا۔ اسپ وفادار زیرِ ران تھا۔ اور یہی اپنے دیہات کے بانس کا ڈنڈا ہاتھ میں۔ ہوں ہوں ہوں۔ راستہ بیہڑ، اکاواک، لمبا، پہاڑ، دریا، صحرا، جنگل راہ میں۔ ہوں ہوں ہوں۔ بہر نوع ساری صعوبتیں جھیل کر تقریباً ایک ماہ میں وہاں پہنچا جہاں شاہ قزاقستان کا قلعہ تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ یہ قلعہ ایک کوہ پر واقع تھا۔ اس تک پہنچنے کا صرف ایک راستہ تھا، چاروں طرف عمودی چٹانیں، نہ کسی دوسری جانب خروج کا امکان نہ دخول کا۔"

ظہور نے گرفت کی: "سبحان اللہ کیا ادبیت ہے!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ آپ اس داخل خارج پر سر کو جیسے کیوں ہوئے اس سے آپ کی ملکیت سے تو دور کا بھی سروکار نہیں!"

اب کے خاں صاحب نے تعریف کی: "سبحان اللہ حکیم صاحب۔ کتنی رعائتیں جمع کر دی ہیں آپ نے ایک ہی فقرے میں!"

ظہور نے کہا "جی، یہ اتفاق ہے ورنہ حکیم صاحب کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتے!"

حکیم بانا نے ہوں ہوں کر کے جواب دیا "کبھی میں بھی کرتا ہوں مگر محل و مقام دیکھ کر! ہوں ہوں ہوں!"

لوگوں نے زور کا قہقہہ لگایا۔ ظہور تلملا کر کوئی سخت جواب دینا چاہتے تھے کہ خاں صاحب نے ہاتھ دبا کر انھیں روک دیا۔ اور حکیم بانا سے کہا "ہاں قبلہ!"

حکیم بانا نے کہا "قلعہ کو مضبوط تر بنانے کے لئے اس کی چاروں طرف ایک عمیق خندق کھودی گئی اور دریا کاٹ کر اس سے ملا دیا تھا۔ چنانچہ وہ ہر وقت پانی سے بھری رہتی تھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ قلعہ کے اندر جانے کے لئے ٹوٹ کا ایک پل بنایا تھا جو پھاٹک کے کھلنے کے ساتھ خندق پر قائم ہو جاتا، اور اس کے بند ہوتے ہی پھاٹک سے آ کر لگ جاتا۔ ہوں ہوں ہوں۔ آہنی پھاٹک ایسا بنایا تھا کہ وہ کھلتے وقت کل کے ذریعہ اُٹھ جاتا اور بند ہوتے وقت اسی بلندی سے پہیوں کے ذریعہ پھسلتا تیزی سے نیچے گرتا۔ اس کے نچلے حصے میں بڑی مضبوط آہنی سلاخیں لگائی تھیں، جو گر کر چوکھٹے میں لگے ہوئے لوہے کے کھڈوں میں دُر آتی تھیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہ پھاٹک اتنا وزنی، مستحکم و مضبوط بنا تھا کہ اگر کئی کئی پیل دماں اس پر ایک ساتھ ٹکریں مارتے تو بھی وہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کرتا۔ اور نہ بغیر کل کی مدد کے انسانی طاقت میں تھا کہ اُسے بلند کرے یا گرادے۔ ہوں ہوں ہوں۔ قلعہ کے نیچے ہی، خندق کے اس پار قزاقوں کی آبادی تھی۔ ان کی آمد و رفت کے لئے قلعہ کا پھاٹک صبح سے شام تک کھلا رہتا۔ ہوں ہوں ہوں۔ مگر مغرب کی اذان کے ساتھ وہ بند کر دیا جاتا۔ پھر نہ کوئی اندر آسکتا تھا، نہ باہر جا سکتا تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں"

حکیم بانا نے رُک کر حقے کے کئی کش لئے پھر اسکی نے سیدھی کر کے بولے "ہم لوگ تقریباً دس بجے دن کو قلعہ میں داخل ہوئے۔ مجھے شاہی مہمان خانے میں بڑی عزت و توقیر سے ٹھہرایا گیا۔ شاہی محل میں اطلاع کی گئی۔ میں نے غسل کیا کپڑے بدلے، چار پیالے میوے کھائے۔ اب ایک عصا بردار حاضر ہونے کا حکم لیکر آیا۔ میں ساتھ ہو لیا۔ مختلف روشوں اور گل و لالہ کے قطعات سے ہوتا ہوا حرم سرا کے

پھاٹک پر پہنچا۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہاں حاجبوں نے روکا، میرے رہنما سے حکم نامہ لیکر اس پر مہر لگائی، پھر اندر جانے کی اجازت دی۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب پہلے سے بھی زیادہ دلکش و نظر فریب روشیں ملیں، انھیں طے کر کے سنگ رخام و سنگ موسیٰ سے بنے ہوئے ایک زینہ سے ہو کر محل خاص میں داخل ہوا ——"

ظہور نے آہستہ سے کہا "محل خاص میں خاص محل!" لوگ ہنس دیئے۔

حکیم بانا نے کہا "جی میں آپ کا ذکر نہیں کر رہا ہوں، اپنا داخلہ بیان کر رہا ہوں" اس پر قہقہہ لگا۔ مگر مدعا علیہ بھی خاموش رہنے والا نہ تھا ظہور نے کہا "یہی تو میں نے بھی عرض کیا۔ میرے فقرے کے پردے میں بھی آپ ہی تھے" اس پر بھی لوگ ہنسے۔ مگر قصہ کی دلچسپی میں رخنہ پڑتا تھا اس لئے مبین نے کہا "ارے بھئی فقرہ بازیاں رہنے دیجئے۔ قصہ سُننے دیجئے!"

حکیم بانا نے "ہوں ہوں ہوں" کر کے کہا "میں مختلف زینوں اور کمروں سے ہوتا ہوا ایک عالی شان ہال میں پہنچایا گیا۔ وہاں کا ساماں کیا عرض کروں۔ ہوں ہوں ہوں! ہر مقام پر اطلس و حریر کی وہ فراوانی تھی اور سیم و زر کی وہ بہتات کہ آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ شاہ جم جاہ سونے کی ایک پلنگڑی پر لیٹا تھا۔ زیر سر اور دونوں پہلوؤں پر مخملی تکئے اور گاؤ لگے تھے۔ اور اس کی ٹانگوں پر ایک زرنگار چادر پڑی تھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں بہ ادب سات تسلیمیں بجا لایا اور شاہی اشارے پر ایک مرصع کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ بادشاہ نے خود دست مبارک بڑھایا، میں نے نبض دیکھی قارورہ دیکھا، اور چادر ہٹا کر وہ ٹانگیں دیکھیں جن کو فالج نے بیکار کر دیا تھا۔ ہوں ہوں ہوں ——"

ظہور نے مسکرا کر پوچھا "قبلہ، وہاں کے لوگ بھی پائجامہ پہنتے ہیں یا عربوں کی طرح محض لمبا کرتا؟"

حکیم بانا نے حاضر جوابی سے کام لیکر انھیں ساکت کر دیا۔ وہ تڑسے بولے "آپ کی نظر معقول مقام پر پہنچی! کہتے ہیں ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے اور کچھ دوسری قسم کے جانوروں کو خواب میں بھی چھچھڑا۔ ہوں ہوں ہوں!"

اب کے قہقہے سے صحن گونج اٹھا۔ حکیم بانا نے مسکرا کر بیان جاری رکھا "میں اپنے ہمراہ ایک تیل تیار کر کے گیا تھا۔ میں نے اس کی ایک شیشی پیش کر کے ہدایت کی کہ وہ تین دن برابر ظل اللہ کی ٹانگوں میں ہاتھ سینک کر چار چار گھنٹے پر ملا جائے۔ اور ٹانگیں برابر روئی کے پہل رکھ کر باندھ دی جائیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ چوتھے دن میں معرکہ کا علاج کروں گا! ہوں ہوں ہوں! سلطان کی طرف سے ایک خلعت اور زر و جواہرات سے بھرا ایک خوان عطا کیا گیا اور میں تسلیمیں کر کے جائے قیام پر واپس چلا آیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ تین دن میں نے کتابوں کے مطالعے اور بادشاہ کی عادتوں اور خصلتوں کے جاننے میں صرف کئے۔ ہوں ہوں ہوں! معلوم ہوا کہ بادشاہ پر فالج کا اثر جلد ورجہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کے بعد ہی رونما ہوا۔ ہوں ہوں ہوں! اس کی عادت تھی کہ وہ ملکہ محبوبہ سے جب بھی ملنے جاتا تو غسل کر کے اور نئی پوشاک زیب تن کر کے۔ ہوں ہوں ہوں!"

ظہور نے کہا "گویا شہادت کے لئے تیار ہو کر جاتا تھا!"

حکیم بانا نے کہا "کبھی کبھی قتالۂ عالم ویسی ہی! ایک نگاہ غلط انداز بھی ہزار صاعقوں کی برابری کرتی تھی! ہوں ہوں ہوں!"

ظہور نے آہستہ سے پوچھا "کیا اِدھر بھی کوئی زخم کاری لگا؟"

حکیم پانا نے ڈانٹا "بد تہذیبی نہ کرو! چپ بیٹھے رہو! ہوں ہوں ہوں —"

ظہور نے دونوں کانوں کی لویں جلدی سے پکڑ لیں! حکیم پانا نے کہا "واقعہ یوں تھا کہ ایک دن بادشاہ شیر کے شکار کے لئے گیا تھا۔ تیس پینتیس میل کے فاصلے پر اسے دوپہر کے قریب مارا ہوں ہوں ہوں۔ اب جلدی یہ کہ کسی طرح اپنی ملکہ کی خدمت میں پہنچکر اسے اس شیر کی کھال نذر کروں۔ ہوں ہوں ہوں۔ گھوڑا بھگائے ہوئے قریب شام داخل محل ہوا۔ اس کا انتظار نہ کیا کہ پانی گرم کیا جائے یا جسم کا پسینہ خشک ہو جائے۔ یخ بستہ حوض میں جلدی سے پھاند پڑا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب جو پانی سے سر نکالا تو ٹانگیں بالکل بے حس اور بے قابو تھیں۔ ہوں ہوں ہوں، تعجب خیز یہ امر تھا کہ گو ملکہ کے فراق میں گھل رہا تھا لیکن نہ اس کے پاس اپنے کو لے جانے کا حکم دیتا تھا اور نہ ملکہ کو اپنے سامنے حاضر ہونے کی اجازت! ہوں ہوں ہوں!

مبین نے کہا "تھا یقینی وضعدار! مجھے پسند آیا!"

حکیم پانا نے کہا "جی، آپکی دال وہاں نہیں گل سکتی تھی، اس کو تو صرف ملکہ ہی پسند تھی! ہوں ہوں ہوں! ——"

سب لوگ ہنس پڑے، مبین جھینپ گئے۔ جب ہنسی رکی، تو حکیم پانا بولے "چوتھے دن بعد نماز صبح چوبدار حکم حضوری لیکر پہنچا۔ میں نے بادآورد پر زین کسوائی درباری لباس پہنا اور اپنا عصا لئے گھوڑے پر سوار ہو کر محل کے زینے تک پہنچا۔ ہوں ہوں ہوں۔ محل کا درباری ہال وزراء، امراء و اراکین سلطنت سے بھرا پڑا تھا۔ مختلف ممالک کے ڈاکٹر، طبیب اور وید بھی موجود تھے، کاہن و رمال، جفار و نجومی

دعامل، تعویذ گنڈے، جنتر منتر والے سب اکٹھا تھے۔ ہوں ہوں ہوں ہوں! سب کے دل میں خیال کہ دیکھیں حکیم ہندی کوئی معجزہ دکھا کر سرخرو ہوتا ہے، یا ہماری طرح ناکامیاب ہوکر پھٹکار کا مستحق بنتا ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ وزیر اعظم نے بڑھ کر استقبال کیا، ساتھ ہی یہ شکایت بھی کہ کوئی خاص افاقہ نہ ظاہر ہوا۔ ہوں ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کہا میں سلطان کو آج ہی اچھا کر دوں گا مگر اس شرط پر کہ میرے معالجے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالی جائے بلکہ اس معاملے میں شاہی حکم کی بھی صریحی نافرمانی کی جائے۔ گویا چند گھنٹوں کے لئے مجھے اس مسئلے میں شاہی اختیارات دیدیئے جائیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ وزیر اعظم نے کہا اس میں مجلس وزراء سے مشورہ کرنا پڑے گا۔ میں نے کہا۔ بلکہ ملکہ سے بھی اجازت لے لیجئے، اس لئے کہ اس علاج میں ان کی شرکت ضروری ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہ پریشان ہوکر بولا "ملکہ کا مسئلہ اور بھی نازک ہے، اس میں خود ظل اللہ کی اجازت لینا پڑے گی۔ میں نے کہا "سب سے پوچھ لیجئے، اور شاہی حمام میں غسل کے لئے پانی گرم کرنے کا حکم دیجئے۔ ہوں ہوں ہوں ہوں۔۔۔۔۔۔"

ظہور نے بے ساختہ کہا "بہت چوڑے بڑے قبلہ! نہ جانے کیا قیامت ڈھانے والے تھے!"

حکیم بابا کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں شرارت سے چمک اٹھیں۔ وہ بولے "ہوں ہوں ہوں ہوں! مردہ کو پھر سے زندہ کرنا تھا۔ جنتر نہ چلاتا تو کیا کرتا۔ ہوں ہوں ہوں ہوں!۔ غرض، مجلس شوریٰ بیٹھی۔ ملکہ سے بھی رائے لی گئی۔ شہنشاہ نے بھی اجازت دیدی تھا اور میری شرطیں مان لی گئیں! ہوں ہوں ہوں! جب ہر طرح کا انتظام اور ہر طرف سے اطمینان ہوگیا تو میں نے کہا اب میں سلطانِ دار الحشم کا معائنہ کروں گا۔ ہوں ہوں ہوں۔

جب میں شاہی کمرے میں اپنے عصا کے داخل ہونے لگا تو وزیر اعظم نے بڑھ کر کہا۔ عصا کا کمرے میں لے جانا شاہی آداب کے خلاف ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کہا اس وقت میں بادشاہ ہوں۔ وہ نہیں! اور وہ مسکرا کر خاموش ہو رہا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اندر جا کر میں آداب کورنش بجا لایا انھیں دیکھی اور پھر ٹانگوں میں چٹکیاں کاٹیں! ہوں ہوں ہوں! پہلے دن وہ بالکل پتھر تھیں، بالکل سخت اور بے حس! ہوں ہوں ہوں۔ مگر اب میرے تیل کی مالش نے انھیں اتنا باحس بنا دیا تھا کہ گوشت میں چٹکی لینے سے ٹانگوں کے انگوٹھے اور انگلیاں کھنچنے لگی تھیں۔ ہوں ہوں ہوں! میں نے حکم دیا سلطان حمام پہنچائے جائیں، میر اسفوف ملا کر گرم پانی سے نہلائے جائیں اور مشت مالی کی جائے اور کیسے میں جو دوائیں میں دے رہا ہوں وہ خوب جسم پر ملی جائیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ عموماً یہ فریضہ حبشنیں انجام دیتی تھیں۔ مگر آج میں نے غلامان شاہی میں سے مضبوط ترین پانچ غلام چُن کر اس کام پر مامور کیے۔ ہوں ہوں ہوں! اور میں نے وزیر خوش تدبیر سے کہا کہ حد درجہ فاخرہ لباس زیب تن کرنے کے لئے توشہ خانے سے نکلوا کر تیار کیا جائے۔ ہوں ہوں ہوں۔ ساتھ ہی ملکہ کو بھی اطلاع دی جائے کہ وہ غسل فرمائیں اور لباس و کحل و غازہ کے تکلفات و تصنعات سے اپنے حسن ذاتی میں چار چاند لگا کر سلطان عالم کی حضوری کے لئے تیار ہو جائیں! ہوں ہوں ہوں!"

ظہور نے کہا "سبحان اللہ! کس لطف سے صنعتِ مقلوب سے کام لیا ہے ؎

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے!"

حکیم بانا نے کہا "جی میں چاہتا بھی تو یہی تھا کہ وہ جوالۂ حسن نظر آئے کہ قلب الٹ پلٹ ہو جائے! ملکہ کا روئے زیبا دیکھتے ہی بادشاہ کی حالت میں انقلاب عظیم

برپا ہو جائے! ہوں ہوں ہوں ـــــ"

خاں صاحب نے کہا "واہ، واہ حکیم صاحب کیا کیا دعائیں ـــــ"

حکیم بانا نے جملہ پورا نہ ہونے دیا۔ وہ بولے "جی، دعائیں صرف لفظوں ہی تک محدود تھیں! میں ایک سخت بے احتیاطی کے لیے احتیاطوں کا ایک دائرہ تیار کر رہا تھا! ہوں ہوں ہوں! جب دو گھنٹے بعد اطلاع ملی کہ بادشاہ سلامت غسل فرما کر لباس پہن چکے تو میں نے عرض کیا اب ملکہ روح افزا کو یہاں تک آنے کی زحمت دی جائے! ہاں ہوں ہوں!"

ببین نے پوچھا "حکیم صاحب، کیا وہاں پردہ کی پابندی نہ تھی؟"

حکیم بانا نے کچھ جھنجھلا کر کہا "جناب، وہ ہندوستان نہ تھا قزاقستان تھا! ہوں ہوں ہوں! ملکہ آئیں اور بڑے جاہ و حشم سے آئیں، آگے پیچھے نوکرانیاں، لونڈیاں باندیاں سہیلیاں قلم قاریاں، چہرے پر ایک ہلکی سی نقاب، سر پر چھوٹا سا تاج، حسن و دلفریبی کا مجموعہ، جمال و جلال کا مرقع! ہوں ہوں ہوں! میں نے بڑھ کر تسلیمیں کیں اور ان کو ساتھ لیکر مریض سلطان کے کمرے میں داخل ہوا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میرے اشارے پر سارے مردانے زنانے برق انداز، عصا بردار، حاجب، خواص، غلام، کنیز، وزیر، امیر آہستہ آہستہ کمرے سے باہر چلے گئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے ملکہ کو بھی دروازہ ہی کے پاس روک دیا، پھر اندر سے ساری کھڑکیاں دروازے بند کر کے ان سے دست بستہ آگے بڑھنے کی فرمائش کی۔ ہوں ہوں ہوں۔ ملکہ نے اپنے پیارے بادشاہ کو دیکھا، بادشاہ نے اپنی چہیتی ملکہ کو! ہوں ہوں ہوں! ملکہ نے ایک بار "سلطانم!" کہا اور دونوں گھٹنے ٹیک کر پلنگڑی کی پٹی پر سر رکھ دیا اور

وہ سسکنے لگی! ہوُں ہوُں ہوُں! بادشاہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کا سر اونچا کیا اور دونوں کی ایک دوسرے سے نگاہیں اُلجھ گئیں! ہوُں ہوُں ہوُں! معشوق و عاشق میں نظروں نظروں میں کیا حکایتیں، شکایتیں ہوئیں۔ ایک نے دوسرے کو کس کس طرح دیکھا اور ایک نگاہ نے دوسری سے کیا کیا کہا۔ اس کے بیان میں جامی کی طرح دوسری یوسف زلیخا لکھی جا سکتی ہے! مگر میں نے معالجے کے سلسلے میں اس راز و نیاز میں دخل دینا ضروری سمجھا! ہوُں ہوُں ہوُں! ـــــ"

ظہور بے ساختہ بول اُٹھے "ہائے ظالم! کس وقت ہوُں، ہاں کی بیخ لگائی!"

سب لوگ اس بیساختہ احتجاج پر ہنس پڑے۔ حکیم بانا نے ظہور کو گھور کر دیکھا۔ پھر ہنس پھلکر کے بولے "برمحل ٹوکا آپ نے! یہ وقت باتوں کا نہ تھا بلکہ بانا کے ہاتھ دکھانے کا! ہوُں ہوُں ہوُں!

ظہور نے کہا "اچھا، تو اسی لیے آج ڈنڈا ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا!"

سب لوگ ہنسے تو حکیم بانا بولے "جی اس زلیخا کے یوسف کو اسی جادو کی لکڑی سے پھر سے جوان بنانا تھا! ہوُں ہوُں ہوُں! اس نے آگے بڑھ کر ملکہ کو طعنہ دیا "کہاں اس لنگڑے اپاہج سے آنکھیں لڑاتی ہیں آپ! مجھ جیسے جوان رعنا سے آنکھیں ملائیے!"

ظہور نے مسکرا کر پوچھا "یہ کون سا بیترا ہوا قبلہ؟"

حکیم بانا نے کہا "جناب من! بانا بنوٹ میں سب سے بڑا بیترا دشمن سے آنکھ لڑائے رکھنا ہی ہے!"

سب لوگ حکیم بانا کی اس حاضر جوابی پر واہ واہ کرنے لگے۔ وہ اپنے خاص انداز سے مسکرا کر بولے "میرے اس طعنے پر بادشاہ اپنی پلنگڑی پر اچھل پڑا اور اس نے

موٹی سی گالی دی۔ ہوں ہوں ہوں! ـــــ"

ظہور نے کہا "گالی کھانے والی حرکت ہی کی تھی!"

حکیم بانا نے کہا "ارے آپ ابھی سے کیوں گھبرائے جا رہے ہیں۔ میں نے کیا کیا حرکتیں کیں، وہ آگے دیکھئے گا۔ ہوں ہوں ہوں! اس فقرے پر سب ہنسے۔ اور حکیم بانا نے بیان جاری رکھا "میری یہ تہذیبی پر ملکہ کا منہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ وہ جھپٹ کر منہ تمتمائے کھڑی ہو گئی اور مجھے طمانچہ مارنے کے لئے لپکی! ہوں ہوں ہوں! میں نے جھٹ بانا کے ہاتھ گھمانا شروع کئے۔ اور ملکہ کو اس کے حصار میں لے لیا! ہوں ہوں ہوں۔ اب میں ہوں کہ ایک طرف تو بانا کے ہاتھ ہلا رہا ہوں اور دوسری جانب ملکہ پر زبان کے وار کرتا جا رہا ہوں۔ ہوں ہوں ہوں۔ تمہارا یہ بادشاہ نامرد ہے! حد درجہ بودا! کمینہ! کم ہمت! ذلیل! لچا! رذیل! ہوں ہوں ہوں۔ کیا رکھا ہے اس میں جو تم جان چھڑکتی ہو اس پر! محض پوست و استخوان کا ڈھانچہ ہے! ایک زندہ مومیائی! ہوں ہوں ہوں! دیکھتی ہو، میں اس کے سامنے تمہاری توہین کر رہا ہوں، اس کے ناموس کی، اس کی بیوی، زوجہ، محبوبہ، معشوقہ اور ملکہ کی! ہوں ہوں ہوں! دیکھو! دیکھو اسی کے روبرو میں تمہارے غرور حسن کو مجروح کر رہا ہوں اور وہ کچھ نہیں کر سکتا! ہوں ہوں ہوں! ملکہ نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا تھا، بادشاہ کی آنکھیں غصہ سے ابلی پڑ رہی تھیں، وہ بار بار اچھلتا، تڑپتا تھا، غلاموں، برق اندازوں کو، گارد کے سپاہیوں کو آواز دیتا تھا! ہوں ہوں ہوں! تیر کمان مانگتا تھا، بندوق ریوالور طلب کرتا تھا! مگر دروازے بند تھے آواز کسی طرح باہر نہ پہنچتی تھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب میں نے کہنا شروع کیا۔ دیکھا تم نے اس لونڈی بچہ کو؟ یہ ہرگز شہریار زادہ نہیں ہے! اس کے شریانوں میں شرافت کا خون نہیں!

اسکی رگوں میں گرم لہو نہیں! اسکی ماں بانو نہیں! یہ زندہ تک نہیں، یہ مردہ ہے! برف کی سل! ہوں ہوں ہوں!"

خاں صاحب نے کہا" واللہ حکیم صاحب قبلہ! آپ نے تو فردوسی کی ہجوِ محمود کو بھی مات کر دیا!"

حکیم بانا نے مسکرا کر کہا" جی خاں صاحب، اس وقت میر النسخہ جامی کی یوسف زلیخا، فردوسی کے شاہنامہ اور بو علی کے قانون تینوں سے مرکب تھا، مفردات کا کہاں ذکر، ملنا اللحم دو آتشہ ہی نہیں، سہ آتشہ استعمال کراتا تھا! ہوں ہوں ہوں! میں نے ملکہ سے کہا" ناموس کی ہر شخص حفاظت کرتا ہے، مگر یہ تمہارا شوہر ہی جسے تم سلطانم کہہ کر پکارتی ہو، یہ تمھیں بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں تک نہ ہلائے گا! یہ دوسروں کو پکارے گا۔ اس سے خود کچھ نہیں ہو سکتا! ہوں ہوں ہوں! اب میں نے ملکہ کے کپڑوں پر نوک عصا سے وار کرنا شروع کیا۔ میں نے کہا میں تمھیں تمھارے اس بادشاہ، محبوب و عاشق سلطان کی آنکھوں کے سامنے تمھیں عریاں، مادر زاد ننگا کر دوں گا! ہوں ہوں ہوں۔ تمھارے حسنِ جہاں سوز سے اپنی آنکھیں سینکوں گا! تمھارے جسم کے فراز و نشیب کو دیکھوں گا، ہوں ہوں ہوں! اور میرے ڈنڈے نے اس کے کپڑوں کی دھجیاں اڑانا شروع کیں۔ ہوں ہوں ہوں! میرے عصا نے شاہی لبادے کا تکمہ کاٹا، وہ نیچے آیا، اطلس کی قمیص کے گرد گھوما، چاک گریباں میں اٹکا اور اسے پھاڑ کر دامن سے ملا دیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ملکہ نے فریادی نگاہ سے بادشاہ کو دیکھا، وہ تڑپتے تڑپتے اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ملکہ کا غصہ بھڑک اٹھا۔ وہ چیخی" تف ہے تمہاری مردانگی پر! بیٹھے دیکھ رہے ہو اور میری بے حرمتی ہو رہی ہے! ہوں ہوں ہوں! میں نے کہا جی

وہ ادھ مُوا ہے۔ وہ کیا کرے گا! اس میں نہ اب شرم باقی ہے، نہ حیا! نہ شرافت نہ غیرت! ہُوں ہُوں ہُوں اور میں نے ایک ہاتھ ایسا مارا کہ ملکہ کی قمیص پیٹھ کی طرف سے بھی چاک ہو گئی اور وہ عرق عرق ہو کر سسکی اور جلدی سے فرش پر بیٹھ گئی۔ ہوں ہوں ہوں! کیا کہوں اس کے حسنِ نیم عریاں کی کیفیت۔ "اگر گویم زباں سوزد!۔۔۔۔۔۔"

ظہور نے فوراً دوسرے مصرعہ کو بدل کر حسبِ حال بنا دیا۔ وہ بولے "وگر دم درکشی ترسی کہ مغزِ استخواں سوزد!"

حکیم بانا نے کہا "یہی سوزش، یہی آتشِ حسد و رشک، ندامت و غیرت و نفرت بادشاہ کے مغز و استخوان میں جلانا بھی چاہتا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس پر غصّہ کا جنون سوار ہو گیا، وہ ایکبارگی پلنگڑی سے نیچے کودا، لڑکھڑایا اور منہ کے بھل آ رہا! ہوں ہوں ہوں مگر میں نے اسے اُٹھنے اور سنبھلنے نہ دیا، فوراً تادیب کر شوائے معلّم کی طرح اس کی نشست گاہ پر دو ہاتھ رسید کئے! ہوں ہوں ہوں۔۔۔"

ظہور نے کہا "مرے کو ماریں شاہ مدار!"

حکیم بانا نے کہا "جی، اس وقت مداری پن کی ضرورت ہی تھی۔ یہی اس کا علاج تھا! ہوں ہوں ہوں! بادشاہ اس توہین پر آپے سے باہر ہو گیا، شیر کی طرح دھاڑا، اُچک کر کھڑا ہو گیا اور اس نے لپک کر دیوار پر لٹکی تلوار نیام سے کھینچی! ہوں ہوں ہوں۔ میں نے چھلانگ ماری اور دروازہ کھول کر کمرے کے باہر! ہوں ہوں ہوں۔ بادشاہ ننگی تلوار لئے ہوئے دوڑا۔ مجھکو ہاتھ سے صاف نکل جاتے دیکھ کر وہ چیخا "پکڑو اس پاجی حکیم کو! پکڑ لو! جانے نہ پائے، یہ لعین!" ہوں ہوں ہوں!"

ظہور نے پھر چٹکی لی "کیا کیا خطابات عطا فرما رہے ہیں اپنے منہ سے اپنے آپ کو!"

حکیم بانا نے انھیں گھور کر دیکھا، پھر وہ بولے "نقل کفر کفر نہ باشد! اور جب لوگ ان کی حاضر جوابی سے محظوظ ہوئے تو وہ بولے "میں بانا کا ہاتھ ہلاتا دوڑتا چلا گیا ہال کا مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا اور میں برآمدے کے بلند زینے ہی سے اچک کر اپنے اسپ باوفا کی پشت پر بیٹھ گیا! ہوں ہوں ہوں! بادشاہ نے ہال میں پہونچتے ہی کسی فوجی افسر کی کمر سے ریوالور جھپٹ کر کھینچا اور مجھے نشانہ بنانا چاہا۔ لیکن میں نے جھک کر گھوڑے کی گردن سے اپنی گردن ملا دی اور بانا کا ہاتھ برابر ہلاتا رہا! ہوں ہوں ہوں۔ بادشاہ کے اشارے پر شاہی گارد نے پوری باڑھ ماری، مگر ایک تو کسی کی گولی مجھ تک پہنچی نہ تھی، دوسرے اگر کوئی پہنچی بھی تو وہ ڈنڈے سے ٹکرا کر وہیں گر گئی! ہوں ہوں ہوں۔ میں نے محل کے حدود طے ہی کئے تھے کہ فوجی تیاری کے طبل اور بگل بجنے لگے! ہر سپاہی اپنی بارک سے دوڑ کر سڑک پر آ گیا، اور آہنی پھاٹک گرایا جانے لگا! ہوں ہوں ہوں!——"

حکیم بانا نے سب کو ہمہ تن متوجہ پایا تو خود سے رک کر ان کی بےچینیوں سے لطف لیا۔ حقے کے کئی کش کھینچے، پان کھایا، تھوڑی دیر "ہونہہ ہونہہ" کیا، پھر وہ بولے "ہوں ہوں ہوں۔ میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی، عصا سے دو ہاتھ مارے اور وہ زمین پر بچھ گیا۔ کیا مجال کہ ہوا بھی اس کی گرد کو پا سکے۔ ہوں ہوں ہوں! ہنوز آہنی پھاٹک آدھا کھلا تھا کہ اس کی گردن اور میرا جسم باہر نکل گیا۔ ہوں ہوں ہوں! لیکن گھوڑے کا پٹھا اور دم ابھی اندر ہی تھے کہ پھاٹک گرا اور گھوڑے کے یہ حصے کٹ کر قلعہ کے اندر رہ گئے! مجھے خبر بھی نہیں کہ کیا حادثہ ہوا۔ میری نظر اس اٹھتے ہوئے پل پر تھی جو کرتے ہوئے پھاٹک کے متوازی آ چکا تھا اور آہستہ آہستہ ایک تاڑ کی

بلندی اختیار کرتا جارہا تھا، ہُوں ہُوں ہُوں۔ گھوڑے نے وہیں سے جست کی اور خندق کے پار چلا! اتنے میں پھاٹک کے بالائی حصّے سے توپ دغی۔ دھائیں اور گولا گھوڑے کا بودا آدھا جسم اڑا لے گیا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ مگر میں اس شیر دل گھوڑے کو کہتا ہوں کہ نہ تو اس کے پاؤں لڑکھڑائے اور نہ اس کے صرف نصف ہی باقی رہنے کا مجھے اس وقت تک گمان ہوا جب تک میں اسی دن شام کو دمشق نہ پہنچ گیا! ہُوں ہُوں ہُوں! اس بادپا کی تیز رفتاری دیکھیے کہ جو راستہ ہم لوگوں نے تقریباً مہینے بھر میں طے کیا تھا وہ اس نے اس حالت میں پانچ ہی گھنٹے میں سمیٹ دیا! ہوں ہوں ہُوں!"

لوگوں نے خاتمہ کے انتظار میں ہنسی ضبط کی۔ ظہور نے گردن جھکا کر رومال کا ایک کونہ دانتوں سے نوچ لیا۔ خاں صاحب کا مُنہ حیرت سے کھُل گیا، لالہ ہنسی دھر کے چہرے سے بھی دور تعجب ظاہر ہونے لگا۔ مگر حکیم بانا نے کلام جاری رکھا "جب میں دمشق والے اصطبل کے سامنے پہنچا اور میں نے اس کی پشت ہی پر بیٹھے بیٹھے اسے پانی دکھایا تو وہ پانی پیتا گیا، پیتا گیا، پیتا گیا، سارا حوض جس سے دس بیس جانور سیراب ہوتے تھے وہ پی گیا اور سیری نہ ہوئی! ہوں ہوں ہوں! یا اللہ کس پیٹ میں یہ پانی سماتا جاتا ہے، کدھر جا رہا ہے، کہاں غائب ہو رہا ہے عجیب اسرار تھا اور غریب معمّہ! ہوں ہوں ہوں! یہ ضرور ہے کہ کہیں پاس ہی سے ایک آبشار کے گرنے کی آواز بھی آ رہی ہے۔ ایک جھرنا ہے جس میں سے قدرے بلندی سے پانی نیچے آتا ہے اور ایک مترنم سی آواز سنائی دیتی ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ یہ بھی عجیب! اصطبل کے پاس آبشار! میں نے پلٹ کر پشت کی جانب نظر کی۔

دیکھا تو اسپ فرجام کا نصف حصہ ہی غائب ہے! ہوں ہوں ہوں! منہ سے پانی پیتا جاتا ہے، کٹے ہوئے حصے سے پانی گرتا جاتا ہے۔ یہی آبشار ہے جو چلو ہی ہے! ہوں ہوں ہوں! میں خاموشی سے اس کی پیٹھ ---- پر سے اتر پڑا، میں نے زین کھول لی، اس کے منہ سے لگام نکال لی اور اس کی پیشانی پر وداعی بوسہ دیا! ہوں ہوں ہوں! وہ ایک بار جھوما، لڑکھڑایا، کانپا اور زمین پر گر رہا! ہوں ہوں ہوں! اور اس طرح "گرداب گرد" کا عطا کیا ہوا "باد آورد" خاک میں مل گیا! ہوں ہوں ہوں!"

خاں صاحب نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ریبین نے پوچھا "قبلہ آپ پھر فرامستان تشریف نہیں لے گئے؟"

حکیم بانا نے کہا "جی نہیں۔ جب بادشاہ کو اس طرح دوڑتا اور چلتا وزرا اور امراء نے دیکھا تو میرے ایلچی دوست کے اشارے پر سب نے "مرحبا! مرحبا!" کا نعرہ لگایا۔ بادشاہ نے خشمگیں نظروں سے مجمع کو دیکھ کر سوال کیا "یہ مرحبا! مرحبا کا شور کیسا؟"۔ انھوں نے عرض کی "ظل اللہ! حکیم ہندی نے واقعی معجزہ دکھایا؟ سلطان عالم اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہیں!" ہوں ہوں ہوں! بادشاہ خوشی سے اچھل پڑا۔ وہ چیخا "ارے واپس بلاؤ اس معجز نما کو! اس طبیب حاذق کو!" مگر میں کہاں انھیں ملتا۔ میں تو رخش دونیم پر سوار اڑا چلا جا رہا تھا ہوں ہوں ہوں۔ بعد میں میرے پاس بہت سے تحائف بھیجے، بار بار طلب کیا کہ ہم اور ملکہ دونوں مشتاقِ ملاقات ہیں، اور تمھیں اپنے وزن بھر تول کر سونا عطا کریں گے! ہوں ہوں ہوں۔"

ظہور نے کہا "گویا صحت کی گولڈن جوبلی منائیں گے!"

حکیم بانا نے کہا "آپ کی جبلت ہی میں چلبلا پن ہے، آپ کیسے خاموش رہ سکتے

تھے! ہُوں ہُوں ہُوں! خیر، میں نے اس طلبی کے جواب میں بہت سی معافی مانگی اور کہلا بھیجا "میں یہیں سے انکی سلامتی وصحت واقبال کے لئے دعا کرتا رہوں گا مگر اب قزاقستان آنے کی مجھ میں طاقت نہیں! ہُوں، ہُوں، ہُوں!"

مبین نے کہا "واہ، اتنے اصرار سے بلائے گئے تھے، تو چلے جانا چاہئے تھا!"

حکیم بانا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا "مبین صاحب! کیا ٹھکانا ان سلطانی خوشنودیوں کا! گہے بہ سلامے برنجند وگہے بہ دشنامے خلعت دہند! ہُوں، ہُوں، ہُوں! ۔۔۔۔"

ظہور بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ بولے "جی ہاں، وہ خاں صاحب کی طرح اخلاق واخلاص مجسم تھوڑے ہیں کہ ہم بن بلائے بھی روز بندھے چلے آتے ہیں! حالانکہ ہماری طبیعت وہ ہے کہ ع خدا کے گھر بھی نہ جائیں گے بن بلائے ہوئے! " اور سب ہنستے ہوئے گھر چلے گئے۔

بارھواں باب

"سلمائے حدوث"

ابھی تک حکیم بانا نے خاں صاحب کے باغوں کے آم ان کے ساتھ نہ کھائے تھے اس لئے خاں صاحب نے ایک دن ان سے اور ظہور و مبین سے اپنے ہاں شب کے کھانے کا وعدہ لے لیا۔ شام کو دوسرے شریکِ نشست حضرات اس دعوت کی سن گن پاتے ہی یا تو آئے ہی نہیں یا تھوڑی دیر بیٹھ کر جلدی سے چلے گئے۔ صرف خاں صاحب

ظہور اور مبین رہ گئے، حکیم بانا کسی مریض کو دیکھنے باہر گئے تھے۔ دیر میں پلٹے اس لئے آٹھ نبجے شام تک نہ آئے۔ ان کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا گیا اور آپس میں یہ طے ہوا کہ آج تخلیہ ہے، حکیم بانا سے اُن کے رومان سُننے جائیں گے۔

خاں صاحب نے کہا "دیکھو بھئی، کوئی بات ان کے خلاف مزاج نہ ہو!"

ظہور نے کہا "آپ اس کی فکر نہ کریں، میں تو یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ پتھر میں بھی کبھی جونک لگی یا نہیں!"

مبین نے کہا "حسینوں، مہ جبینوں کو جونک سے تعبیر کرنا کوئی خوش مذاقی نہیں!"

ظہور نے کہا "اچھا صاحب، یوں کہوں کہ اس سوکھی لکڑی میں کبھی بہار کے پھول کھلے یا نہیں؟ اب تو آپ خوش ہوئے؟"

اتنے میں پھاٹک کے قریب پھر پھر کی آواز سنائی دی۔ سب کو معلوم ہو گیا حکیم بانا کی آمد آمد ہے۔ وہ آئے تو سب نے سروقد تعظیم کی۔ حقہ پان پیش کیا گیا۔ ظہور کچھ کہنا چاہتے تھے کہ خاں صاحب نے انھیں روک کر کہا:۔

"اول طعام بعدہٗ کلام!۔ کوئی ہے؟ دیکھو دستر خوان بچھواؤ!"

حکیم بانا نے مجمع پر نظر ڈالی، کہا "آج تو بہت کم لوگ دکھائی دیتے ہیں!"

مبین نے کہا "قبلہ، یہ تو دیہاتیوں کی خصلت ہے۔ طعام آمد و دیہاتیاں برخاستند!"

ظہور نے کہا "اس کے علاوہ یہ بھی جی چاہتا تھا کہ کسی دن نج کی صحبت ہو تو گفتگو میں زیادہ لطف آئے!"

خاں صاحب نے کہا "دیکھئے ظہور صاحب، اسکی سہی نہیں۔ پہلے میرے آموں کے

متعلق باتیں، پھر کچھ اور!"

ظہور نے کہا "جناب، آپ کے آموں کی تعریف تو ہر خاص و عام کی زبان پر ہے!"

ملازم نے حاضر ہو کر کہا "دستر خوان چن دیا گیا"

سب کے ساتھ حکیم بانا یہ کہتے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ "آئیے اب زبان کے ساتھ ساتھ دانتوں سے بھی کام لیجئے"

ظہور نے کہا "تری آوازمگے اور مدینے!"

اور سب ہنستے ہوئے ہاتھ دھو دھو کر دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ پوریاں تھیں پراٹھے تھے، شامی کباب تھے، بُھنا ہوا مُرغ تھا، ترکاری پڑا ہوا سالن تھا، بریانی تھی اور رائتہ۔ کھانا لذیذ تھا مگر آم لذیذ تر! یوں تو تخمی و قلمی بیسیوں قسم کے آم بھیگے رکھے تھے مگر سب کی صلاح ٹھہری لنگڑا، دسہری اور کالا پہاڑ پر ان کے رایجے، ذائقے اور لطافت کے مقابلے ہوتے رہے، ملیح آباد، سندیلہ، آرہ اور مرشد آباد کے آموں کا تذکرہ رہا۔ اسی سلسلے میں ظہور نے حکیم بانا سے پوچھا "قبلہ، آپ کو تو اپنی سیاحت کے دوران میں ایک سے ایک عمدہ پھل کھانے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ کیا آپ نے ہمارے اِن آموں کے مقابلے کا کوئی پھل بھی کہیں کھایا؟"

حکیم بانا نے کہا "پہلے خاں صاحب کے من و سلویٰ سے کام و دہاں فراغت پالیں تب کوئی دوسرا کام زبان اور ہونٹ سے لیا جا سکتا ہے۔ یہاں تو ان جنتی میووں کی شیرینی نے لب بند کر رکھے ہیں!"

خاں صاحب کی باچھیں کھل گئیں اور ظہور دبیں بھی اسی نیک کام میں شریک

ہو گئے۔ حکیم بانا نے ماشاء اللہ دس دسہریاں، آٹھ لنگڑے اور سات کالا پہاڑ کھائے جب جاکر ہاتھ روک کے بولے "ہائے! اب وہ پچھلا سا معدہ نہیں رہا!"

ظہور نے شرارتاً کہا "جی ہاں ے

مضمحل ہو گئے قویٰ اماں وہ عناصر میں اعتدال کہاں!

مبین اور خاں صاحب مسکرا دیئے۔ حکیم بانا گرجے "نہایت ہی بدتہذیب ہو جی! بوڑھے ہو گئے مگر شوخیاں نہیں جاتیں! نہ اپنے سن کا خیال، نہ میرے وقار کا! ہائے شرط کہ ——"

ملازم اس وقت دور تھے، اس لئے ظہور نے ہنسی روک کر خوفزدہ چہرہ بنا کے کہا "جان کی اماں پاؤں تو ایک بات عرض کروں! میں نے اماں ہی تو کہا ہے۔ اس پر چراغ پائی تو بے محل سی ہے۔ اس لئے کہ "کہتے ہیں ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے!" اس پر خاں صاحب اور مبین کھل کھلا پڑے اور حکیم صاحب نے بھی مسکرا کر کہا "مسخرا!"

ظہور نے کہا "حکیم صاحب ہم سب تقریباً ہمسن ہیں، اور آپکی علمیت و قابلیت کے معترف۔ لیکن نجی صحبت ہے، اس لئے آج یہ جبہ و قبا اتار کر رکھ دیجئے۔ آج کی چھیڑ چھاڑ پر ڈنڈا نہ چلے گا۔ بقول انشا ے

چھیڑنے کا تو مزہ تب ہے کہو اور سنو بات میں تم تو خفا ہو گئے، لو اور سنو!

ظہور نے لو اور سنو کا ٹکڑا بالکل عورتوں کی طرح مٹک کر ادا کیا۔ اس پر سب کے ساتھ حکیم بانا کو بھی ہنسی آ گئی۔ گویا انھوں نے بھی ظہور کی تجویز منظور فرمائی۔

جب سب ہاتھ دھو کر خلال کرتے ہوئے تخت کے چوکے پر آ کر بیٹھے اور حقہ

اور پان سے شغل شروع ہو گیا، تو ہبین نے کہا۔

"قبلہ، یہ ہم آج پہلے ہی سے طے کر چکے ہیں کہ آج آپ سے آپ کے رومان سنیں گے"۔

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ میرا انداز مزاج کچھ ایسا ہے کہ مجھے کبھی جنس اناث میں کوئی خاص کشش نہ محسوس ہوئی۔ بس اگر کچھ دلچسپی ہے تو اس صنف کی تین چیزوں سے! ہوں، ہوں، ہوں!"

ظہور، ہبین اور خاں صاحب کے چہروں سے بڑا اشتیاق ظاہر ہونے لگا۔ حکیم بانا نے اپنے مخصوص انداز میں مسکرا کر کہا "وہ ہیں کتا بیں، ریاضت اور طبابت! ہوں ہوں ہوں!"

ظہور بیساختہ بول اُٹھے "پھر بہتر اکاٹ گئے!"

حکیم بانا نے کہا "نہیں، مجھے اپنی عمر میں دو تین بار حج جانے کا موقع ملا ہے"۔

ظہور نے حکیم بانا کے ڈنڈے پر ہاتھ رکھ کر کہا "اسی حلیہ پر؟ آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ آج سب معاف ہے!"

ہبین نے کہا، "حکیم صاحب، ڈنڈا انھوں نے پہلے ہی سے ہتھیا لیا ہے، اسی لئے نڈر ہی ہے!"

حکیم بانا نے کہا "نہیں، یہ اپنا پچھلا معشوق پن دکھا رہا ہے! چودہ برس کے سن میں بڑا گبرو تھا، ہم سب اس کے دیوانے!"

اس پر سب نے قہقہہ لگایا اور ظہور کی آواز سب پر بھاری تھی۔ پھر وہ بولے "اچھا، اچھا، یہ بوڑھے چونچلے تو رہنے دیجئے، اور اپنے رومان سنائیے!"

خاں صاحب نے کہا "میں تو کوٹھی سے باہر قدم نہ نکالنے پاتا تھا، اس لئے

مجھے آپ حضرات کے آپس کے معاشقہ کی نہ خبر، اور نہ اب بایں ریش و بُرودت اس کے سننے میں کوئی دلچسپی! البتہ مجھے حکیم صاحب کے اس رومان کے سننے کا ضرور اشتیاق ہے جس نے ان کو شاعر و غزل گو بنا دیا!"

حکیم بانا نے کہا "خیر، شاعری و موسیقی تو ایک ریاضی داں کے لئے بچوں کے کھیل ہیں۔ ان دونوں کی اساس ابتدائی ریاضی پر ہے اور ریاضی میرا محبوب ترین علم رہا۔ ہوں ہوں، ہوں! لیکن یہ واقعہ ہے کہ میں نے پہلی غزل اسی طرح کے ایک واقعہ کے سلسلے میں کہی۔ اس لئے وہ عرض کئے دیتا ہوں۔ ہوں ہوں ہوں۔ لیکن واقعہ دردناک ہے اس لئے خطرہ ہے کہ میری طرح پوری انجمن افسردہ دل نہ بن جائے!"

ظہور نے کہا "جی، اس بوڑھے مسخرے کی موجودگی میں اس کا کوئی خطرہ نہیں!"

حکیم بانا نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر کہا "آپ لوگوں کی فرمائش نے آج نہ جانے کتنی بھولی یادیں تازہ کر دیں۔ ہوں، ہوں، ہوں!"

ظہور نے کہا "اچھا، تو آپکی قطع بھی اس شاعر کی ہے جو کہتا ہے:۔

یہ کہاں سے بزمِ خیال میں اُمنڈ آئیں چہروں کی ندیاں
کوئی مہ چکاں، کوئی صنو فشاں، کوئی زہرہ وش، کوئی شعلہ مد!

مبین نے کہا "جی، ہم ہر دیگی تبھی نہیں! ہمارے لئے ایک ہی افسانۂ محبت کافی ہے!"

حکیم بانا نے کہا "بہت خوب! جو واقعہ بیان کرنے جا رہا ہوں اسکی ابتدا بھی باغ اور پھلوں سے ہوئی تھی، اس لئے آج کی نشست کے مطابق اسی کا تذکرہ زیادہ مناسب ہے۔ ہوں ہوں ہوں!۔ اسی سلسلے میں اس سوال کا جواب بھی ہو جائے گا جو ظہور صاحب نے آم خوری

کے وقت کیا تھا۔"

ظہور نے کہا۔ "تب تو قبلہ، ہم یہ حکایت لذیذ ضرور سنیں گے!"

حکیم بانا نے کہا: "ظہور صاحب، آپ ہمیشہ یہ بھول جاتے ہیں کہ میں جو کچھ بیان کرتا ہوں وہ حکایت، روایت، قصہ، کہانی، فسانہ، کسی دوسرے کی داستان نہیں ہوتی! ہوں ہوں ہوں وہ میرا ذاتی واقعہ ہوتا ہے، وہی جو میں نے اپنی سیاحت کے دوران میں اپنی آنکھوں سے خود دیکھا، یا تجربہ کیا، جھیلا اور برتا ہے۔ وہی بیان کرتا ہوں۔ ہوں ہوں ہوں۔ قصے، کہانی کہنے والوں کی طرح میں کان کی سنی نہیں کہتا میں آنکھ کی دیکھی کہتا ہوں! ہوں ہوں ہوں۔ پرائی بیتی اور آپ بیتی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے! ہوں ہوں ہوں۔ ایک کی بنا قیاس، ظن، خیال آرائی اور کبھی کبھی دروغ بافی پر ہوتی ہے۔ دوسرے کی حافظہ، مشاہدہ، ذکاوت احساس، اور صدق مقال پر ہوتی ہے! ہوں ہوں ہوں۔ یا وہ گوئی اور شے ہے اور حق گوئی دوسری چیز! ہوں ہوں ہوں!"

ظہور نے جلدی سے معافی مانگتے ہوئے کہا "میں غلط لفظ استعمال کر گیا قبلہ! آپکی صداقت میں شبہ ہو تو کافر!"

خاں صاحب اور سبین نے بھی لمبا اور متین چہرہ بنا لیا۔

حکیم بانا نے کہا "اچھا تو سنئے۔ جن دنوں میں مراقش میں مطب کرتا تھا میں نے ایک عجیب و غریب پُراسرار باغ کا ذکر سنا۔ اس میں جتنے درخت تھے اُن کے پھل غیر معمولی قد و قامت کے ہوتے تھے۔ سیب مٹکے برابر، انگور اتنے بڑے بڑے کہ ایک ایک دانہ لمبوترا مرادآبادی تربوز۔ اور خود تربوز۔ ارے معاذ اللہ! بالکل تاج محل کا قبہ! ہوں ہوں ہوں!"

ظہور نے کہا" قبلہ اس باغ کی میں بھی تصدیق کر سکتا ہوں۔ ایکبار جب میں کلکتہ سیر و تفریح کے لئے گیا تھا میں نے ایک دن ایک جوان تگڑے مزدور کو دیکھا کہ وہ کوئی وزنی چیز ایک بڑے جھوّے میں رکھے ہوئے لئے جا رہا ہے۔ اور بوجھ سے دبا جا رہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ارے بھائی تو سر پر کیا لئے جا رہا ہے کہ تیری گردن ٹوٹی جا رہی ہے۔ اس نے جواب دینے کی جگہ جھوّے کی طرف اشارہ کیا کہ ذرا سہارا دیکر اسے نیچے اتروا دو۔ میں نے ہاتھ لگا کر جب جھوّا نیچے رکھوایا تو دیکھا کہ جھوّے بھر میں پھیلا ہوا اکیلا ایک گولر ہے! میں نے پوچھا، یہ کہاں کا ہے؟ اس نے کہا" یہ میں نہیں جانتا کسی دور کے دیش سے آتا ہے، لیکن ہوتا ہے بڑا ہی میٹھا اور اچھا" میں نے مول بھاؤ کر کے وہ گولر اس سے خریدا اور اس مزدور کو سہارا دے کر گھر تک لایا۔ وہاں پہنچکر جو میں گولر کو تراشا تو اس میں کئی بھنگے کوّے برابر اڑے۔ اُن میں سے ایک ناک کے پاس پنجہ مارتا نکل گیا۔ یہ دیکھئے اس کی خراش کا نشان اب تک باقی ہے!"

میں اور خاں صاحب نے اس پر زور کا قہقہہ لگایا، مگر حکیم بانا بیٹھے ہوں، ہوں کیا کئے۔

ظہور مسکرا رہے تھے کہ انکی نظر حکیم بانا پر پڑی۔ تیور خفگی کے دکھائی دئیے۔ وہ جلدی سے بول اُٹھے:۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ گولر بھی اسی پر اسرار باغ کا پھل تھا!"

حکیم بانا اسی طرح خاموش بیٹھے رہے۔ خاں صاحب نے دیکھا کہ ظہور کی اس دخل اندازی نے وہ سارا ماحول خراب کر دیا تھا جو حکیم بانا نے اپنی زیٹ کے لئے آپ بیتی اور پرائی بیتی کی لمبی تمہید کے ذریعہ تیار کرنا چاہا تھا۔ اور یہ امر حکیم بانا کے خلافِ مزاج

ہوا۔ اس لئے انھوں نے ظہور کو تیکھی چتونوں سے دیکھ کر کہا "جناب ظہور صاحب، ہم آپ کی زندگی کے واقعات کسی اور دن سنیں گے۔ آج تو ہم حکیم صاحب کے باغ کا واقعہ اُن کی زبان اقدس سے سننے کے لئے بیچین ہیں!"

حکیم بانا نے کہا "نہیں، ظہور صاحب کی طبیعت اس وقت موزوں ہے، بہتر یہی ہے کہ وہی آج اپنے عجیب تجربات کا انکشاف فرمائیں!"

ظہور نے کہا "قبلہ، وہ تو برسبیل تذکرہ ایک بات یاد آگئی میں نے عرض کر دی۔ ورنہ اپنی باتوں کے متعلق تو ساغر کی زبان میں یوں کہوں گا کہ:۔

چہچہاتے ہوئے ہونٹوں پہ نہ جا، جانِ سخن! ۔ اے مری جانِ سخن!
جھوٹ نے مستیٔ گفتار میں بدلا ہے لباس!
غیبت و کذب کی رنگین و تراشیدہ اساس!
بحرِ تکذیب کے ٹھہرے ہوئے دھارے ہیں، یہ ہونٹ
یا جہنم کے دریچوں کے کنارے ہیں، یہ ہونٹ
جھوٹ سے فاش نہ ہونے کی قسم لیتے ہیں۔ سچ کو اک آن میں الہام بنا دیتے ہیں!
چہچہاتے ہوئے ہونٹوں پہ نہ جا، جانِ سخن! ۔ اے مری جانِ سخن!

سب لوگ محظوظ بھی ہوئے اور اس تخاطب پر ہنسے بھی۔ خاں صاحب نے پھر اصرار کیا "قبلہ، ظہور یوں ہی واہی تباہی بکا کریں گے۔ آپ فرمائیے، ہم مشتاق ہیں!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ خیر آپ کا ارشاد ہے تو تعمیل کرتا ہوں۔ ہوں ہوں ہوں۔ جیسا میں عرض کر رہا تھا میں نے اس باغ کا حال مراقش میں سُنا۔ لیکن یہ تذکرہ بھی خاص حلقوں میں تھا۔ اس باغ کے پھل بازاروں میں نہیں آتے تھے۔ اور نہ

ہر شخص اس باغ کے پتے اور راستے سے واقف تھا یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ باغ وہاں کے ایک خفیہ مذہب کی عبادت گاہ کے گرد واقع ہے جس میں اس مذہب کے پیشواؤں اور مخصوص لوگوں کے علاوہ دوسروں کے لئے داخلہ ناممکن بھی تھا اور ممنوع بھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ مجھے ہمیشہ عجائب وغرایب کی دریافت کا شوق رہا۔ میں نے خاموشی سے اس کے متعلق تفتیش کی اور بالآخر ایک ایسے شخص کا پتہ چلا لیا جو اس مذہب کا رکن رکین تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اتفاق سے، جسے حسن اتفاق کہئے، اسکی جوان ناکتخدا لڑکی سلما، جو اس کی تنہا چشم و چراغ تھی، بہت سخت بیمار ہوئی۔ ہوں ہوں ہوں۔ تمام معروف اطباء کا علاج ہو رہا مگر اس کا درد شکم نہ جاتا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس نے غذا مطلقاً بند کر دی تھی۔ مگر اس کا پیٹ پھولتا جاتا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ ایک غیر شادی شدہ لڑکی کے لئے کتنی معیوب بات ہے۔ باپ کی یہ حالت کہ کبھی وہ سر پیٹتا کبھی لڑکی کی موت کی دعا مانگتا! ہوں ہوں ہوں!۔ ماں زہر کھانے اور زہر دینے کے لئے تیار اور لڑکی، ناکردہ گناہ، غیرت سے موئی جاتی تھی؟ ہوں ہوں ہوں! ۔۔۔۔۔"

حکیم بانا نے رُک کر حقے سے بار بار مشورہ کیا۔ پھر وہ بولے "میری حذاقت کا شہرہ سعید، سلما کا باپ، بھی سُن چکا تھا۔ لیکن یہ نہ جانتا تھا کہ ایسی شرمناک بات کسی غیر ملکی کے کانوں تک پہنچے۔ مگر جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی اور مجبور ہوا تو مجھ سے رجوع کرنا ہی پڑا۔ ہوں ہوں ہوں! میں تو خدا سے ایسا موقع مانگتا تھا، میں نے فوراً اس کی دعوت پر لبیک کہی! در مریضہ کو دیکھنے پہنچا ہوں ہوں ہوں! قارورہ دیکھا، حمل کے کوئی آثار نہیں، نبض دیکھی، بچہ ہونے کی کوئی علامت نہیں! ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کہا میں لڑکی کا پیٹ

دیکھنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے، جوان لڑکی غیر محرم کو یہ حصہ کیونکر چھونے دیگی! ہوں ہوں ہوں! میں نے کہا میں طبیب ہوں تشخیص مرض بغیر اس صورت کے ناممکن ہے! ہوں ہوں ہوں۔ مجبوراً اس کے پیٹ پر ایک باریک کپڑا ڈال کر مجھے ہاتھ رکھنے اور ٹٹولنے کا موقع دیا گیا۔ ہوں، ہوں، ہوں!——"

ظہور نے فقرہ کسا، "اور آپ نے خوب خوب ٹٹولا۔؟"

حکیم بانا نے ڈنڈا تان کر کہا۔ "بدتہذیبی نہ کرو!۔ ہوں ہوں ہوں! طبیب باپ کے برابر ہوتا ہے، اس سے کسی قسم کے پردہ کی حاجت نہیں!" مبین نے طنز سے کہا، "جی ہاں قبلہ! یہ غلط طرح کی حیا و شرم، اور اس کا وفور، کچھ ہم ہی غیر مہذب اور جاہل ایشیائیوں میں ہے!۔ ورنہ یورپ کی عورتیں تو طبّی معائنہ کے لئے خود سے عریاں ہو کر ڈاکٹر کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اور نوّے فی صدی بچّے جنانے کا کام تو مرد ڈاکٹر ہی کرتے ہیں!"

حکیم بانا نے کہا، ہوں ہوں، ہوں۔ جان کا معاملہ آن پڑے تو ہمارے ہاں بھی اس طرح کی بے پردگی جائز ہے۔ لیکن یہاں تو عزّت و آبرو کا معاملہ تھا، ایک طرح اس سے بھی اہم، مگر عرف عام میں نہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ بہر حال میں نے مرض کی تشخیص کر لی۔ اور میں نے والدین کو بتایا کہ میں آدھے گھنٹے میں اچھا کر سکتا ہوں مگر منہ مانگی فیس لوں گا! ہوں ہوں ہوں! باپ خوشی سے بکھر گیا اور ماں مسرت سے رونے لگی، مریضہ کی لمبی لمبی ٹھنڈی سانس پردے کے پیچھے سے سنائی دی! ہوں ہوں ہوں۔ سعید نے کہا "حکیم جی، یقین رکھو جو کچھ میرے امکان میں ہے اس سے میں ہرگز ہرگز دریغ نہ کروں گا! میں نے کہا بس آپ کا یہی وعدہ میرے لئے کافی ہے! ہوں ہوں ہوں

اب میں نے حکم دیا کہ پورا گھر سوائے والدین اور مریضہ کے دوسروں سے خالی کرا دیا جائے۔ نہ تیمارداروں کی ضرورت، نہ عیادت کرنے والوں کی، اور نہ کنیزوں غلاموں کی! ہوں ہوں ہوں۔ پھر میں نے کہا کئی لوبانوں میں بخورات جلا کر مریضہ کے قریب رکھے جائیں، اور بہت سا عطر منگوا کر لڑکی کے، اس کے والدین کے اور خود میرے کپڑوں میں لگا دیا جائے۔ ہوں ہوں ہوں! پھر دھنکی ہوئی روئی منگوائی اور سوائے سلما کے سب کے کانوں، نتھنوں میں ٹھسوا دی! ہوں ہوں ہوں۔ جب سارے بندوبست کر چکا تو میں نے سلما کا پیٹ ملنا شروع کیا اور اس سے جھک کر کان میں کہا "عطر کی پھریری ناک میں رکھ لو اور بے جھجک ریاح صادر کرو! سب کے کان بند ہیں! ــــــ"

بے ساختہ قہقہہ پڑا۔ حکیم بابا بھی اپنے مخصوص انداز سے مسکرائے۔ اور بولے "اس مالش کا یہ نتیجہ ہوا کہ پہلے تو توپیں دغیں، پھر بڑے چھوٹے پٹاخے چھوٹے اور ان کے بعد ایک سلسلہ اخراج ریاح کا شروع ہوا! بالکل جیسے کسی لاری کے بڑے پہیئے میں چھوٹا سا سوراخ ہو جائے! ہوں ہوں ہوں! اور میں ہوں کہ زبان پر یہی فقرے ہیں کہ "شاباش! مرحبا! یونہی تکلم فرماتی رہیئے۔ اس وقت شرم و حیا جھجک و غیرت سم قاتل ہیں! دیکھئے طبیعت کی روانی نہ رکے! ــــــ"

سب کے ساتھ ظہور نے ہنستے ہوئے کہا۔ گویا آپ فرما رہے تھے ؎

جاں مضطرب ترانۂ ہل من مزید ہے ... لب پر وہ سنج زمزمۂ الاماں نہیں!"

حکیم بابا نے کہا "ہوں ہوں ہوں، آپ دخل در معقولات ضرور کرتے ہیں، مگر بعض وقت بڑے ادیبانہ انداز سے! اس لیے درگزر کرتا ہوں! ہوں ہوں ہوں!

آدھ گھنٹے کے قریب یہ آوازیں اور کچے گھڑے کی یہ سنسناہٹ جاری رہی، پھر پیٹ پچک کر پیٹھ سے لگ گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب میں نے جواہر مہرہ اور سفوف ذہب چند عرقوں کے ساتھ سلما کو چٹایا اور مبارک، مبارک! کہتا شیخ سعید کے ساتھ باہر چلا آیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میرے باہر آتے ہی ہمسایہ داعزا کی عورتوں نے ہجوم کیا اور مریضہ کے کمرے میں گھس گئیں۔ ہوں، ہوں، ہوں! چند ہی منٹ بعد، شور و شیون آہ و واویلا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ شیخ سعید جو میری خاطر تواضع میں لگے ہوئے تھے دوڑ کر اندر گئے کہ دیکھیں اب کون سی نئی بلا اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہوں ہوں ہوں!۔ وہاں جاکر دیکھتے ہیں تو عجیب منظر ہے۔ عیادت کرنے والیوں میں سے اکثر غش میں ہیں اور جو ہوش میں ہیں وہ متلی اور چکر سے بدحواس ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ جب شیخ نے لوٹ کر مجھ سے روداد بیان کی تو مجھے بڑا غصہ آیا۔ بغیر میری اجازت کے وہاں کیوں گئیں۔ اب بھگتیں! میں بھی دیکھوں گا کہ اس خوشبو سے کتنی جانبر ہوتی ہیں! ہوں ہوں ہوں!"

خاں صاحب، مبین اور ظہور ہنسی سے بیتاب ہو گئے۔ حکیم صاحب نے بھی اگرچہ مسکیں والی مسکراہٹ کو چہرے پر کھیلنے کی اجازت دیدی۔ ظہور نے ہنسی روک کر کہا:۔

سچ ہے قبلہ، ؎
نسیم مصر کو کیا پیر کنعاں کی ہوا خواہی
اسے یوسف کی بوئے پیرہن کی آزمائش ہے!

حکیم بانا نے ہوں ہوں کر کے ظہور کو داد دی تو خاں صاحب نے جو مائل بہ تصوف تھے امیر مینائی کا شعر پڑھا۔ ؎

رہی اے گل، ہک ٹ جوں کو تیری جستجو برسوں
پھرا کی کو بہ کو پیراہن یوسف کی بو برسوں!"

اس شعر پر سب کی ہنسی میں دفعتہً سنجیدگی آگئی اور یوں مذاق کی ردائے ابتذال کے

ڈانڈے چھوتی ہوئی بہرا رتفاع کی طرف چلی۔
حکیم بانا نے کہا "میں نے بہرا ندر جا کر گھر بھر میں بخورات جلوائے، جو عشق تھیں انھیں لخلخے سنگھوائے اور اُن سے تاکید کی کہ جسم و سر پر گلاب چھڑکیں مریضہ کو اس مقام سے ہٹوایا اور شیخ کو سمجھایا کہ یہ مہینوں کی غذاؤں اور دواؤں کا تیار کردہ سڑانگیس حد درجہ زہریلا ہے، یہ ایک گھر نہیں، ایک شہر اور ایک لشکر کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہے! ہوُں ہوُں ہوُں"!
مبین نے کہا "پیٹ کیا تھا، جرمن گیس کا خزانہ!"
ظہور نے کہا "جی، یہ گیس بم تھا۔ آوازیں بھی اور دھواں بھی سے رگ و پے میں جب اترے زہر تم تب دیکھے کیا ہو ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش تھی!
خاں صاحب نے کہا "ماشاء اللہ با موقع ترمیم کی!"
ظہور نے سلام کر کے کہا "بندہ نوازی ہے! ہاں قبلہ، بات ابھی ادھوری ہے، اپنے نامعقول دخل در معقولات کی معافی چاہتا ہوں!"
حکیم بانا نے کہا "آج سات خون معاف ہیں! پھر اتنی لذیذ اور وزنی غذاؤں کے ساتھ ساتھ اتنے اچھے اچھے آم اور وہ بھی اتنی تعداد میں۔ آپ کے ہاں بھی تو قراقر ہونا فطری ہے! ہوُں ہوُں ہوُں ـــــ"
ظہور نے کہا "اس "بھی" کا شکریہ!"
سب لوگ ہنس ہنس رہے تھے کہ حکیم بانا نے قصہ کا سلسلہ یوں جوڑا:۔ "اس معرکتہ الآرا علاج کا غلغلہ دور دور تک پہنچا۔ شیخ سعید شہر کا متمول ترین تاجر تھا۔ وہ زرد جواہر سے بھرا ہوا ایک طبق مجھے ہدیہ دینے لایا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے اس کے لینے سے

انکار کرتے ہوئے اسے اس کا وعدہ یاد دلایا۔ ہوں ہوں ہوں۔ جب اس نے مدعا پوچھا
یس نے کہا مجھے اس عجیب و غریب باغ کی زیارت کراؤ۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہ بڑی دیر
تک سوچتا رہا، بار بار کہتا حکیم ہندی تم نے ایسا سوال کیا ہے کہ جس میں نہ صرف جان کا خوف
ہے بلکہ ایمان کا بھی! ہوں ہوں ہوں۔ پھر بولا "اچھا آج رات کو تیار رہنا مگر اتنا سمجھ لو
کہ اس باغ کے دیکھنے کے بعد ہر خافی تمہارا قتل واجب سمجھے گا۔ ہوں ہوں ہوں۔
یں نے کہا میں اپنی جسارت کی پاداش کے لئے تیار ہوں۔ کیا کروں "شوق دیدہ کی یہ حالت
ہے کہ کفن بر دوش غزل خواں چلنے پر مصر ہے۔ ہوں ہوں ہوں ——"

خاں صاحب نے کہا "سبحان اللہ! کس لطف سے فارسی شعر میں برمحل نظری
تصرف فرمایا ہے! ——"

ظہور نے کہا "جی، حکیم صاحب قبلہ گویا عزیز کی زبان سے کہہ رہے تھے کہ ع
کفن کو باندھے ہوئے سر سے آئے ہیں ورنہ   ہم اور آپ سے اس طرح گفتگو کرتے!

حکیم بانا نے اظہار مسرت کے لئے تین بار اور ہوں ہوں ہوں کہا، اور وہ بولے
"تقریباً نصف شب گزر چکی تھی اور پرہول تاریکی ہر طرف چھا گئی تھی کہ شیخ نے آکر
مجھے جگایا۔ میں بالکل تیار ہو رہا تھا، فوراً اپنا عصا اٹھایا اور ساتھ ہولیا۔ سعید خود
خچر پر سوار تھا اور ایک اونٹ پر محمل میں اس کی بیوی اور سلما سوار تھی۔ میرے لئے
کھلے بندوں جانا مناسب نہ تھا اس لئے شیخ نے سلما کی دوسری جانب مجھے بٹھا کر
محمل کا پردہ گرا دیا! ——"

ہمیں بے ساختہ بول اٹھے "یہ تو بڑا عجیب حادثہ ہوا!"

ظہور نے کہا "سلما کے حدث کا نتیجہ بھی تو تھا۔ مگر اس کی ماں، لیلائے قدم، کی

کی موجودگی نے حادثہ کی دلچسپی کو کم کر دیا ہوگا۔ کیوں قبلہ!"

حکیم بانا نے ڈنڈا اُٹھا کر دوبارہ آہستہ آہستہ ظہور کی پیٹھ پر مارا "ماشاءاللہ بڑی حداثت ذہن سے کام لیا۔ عرفی کے شعر کی طرف تمھارا دماغ فوراً پہنچ گیا۔ ہوں ہاں ہوں!"

خاں صاحب نے استفسارانہ انداز سے ظہور کا منہ تکا تو انھوں نے شعر پڑھ دیا ؎

تقدیر بہ یک ناقہ نشانیدہ دو محمل — سلمائے حدوث تو و لیلائے قدم را!

سب دیر تک اس ادبی مزاح سے لطف لیتے رہے۔ ظہور نے کہا "قبلہ، کبھی اقبال کی نظر سے بھی اپنے کو دیکھئے۔ وہ فرماتے ہیں۔ ؎

کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تو نے اے مجنوں — کہ سلما کی طرح تو خود بھی ہے محمل نشینوں میں!"

بیبن تو ہنس دیئے۔ مگر خانصاحب جھومنے لگے۔ حکیم صاحب نے بھی ہوں ہوں کر کے داد دی۔ بیبن نے دیکھا لوگ مجاز کو بھول کر حقیقت کی طرف جا رہے ہیں اور قصہ کا سارا مزہ کرکرا ہو رہا ہے۔ اس لئے وہ بولے "قبلہ، ان باتوں میں راستہ کھوٹا ہو رہا ہے رات بھیگ چلی اور ابھی باغِ ارم تک پہنچنا ہے۔ آپ کے تشریف رکھنے کے بعد تو محمل بھی کافی گراں بار ہو چکی۔ اس لئے عرض کروں گا۔ حدی را تیز تر خواں!"

حکیم بانا نے کہا "بیبن صاحب، آج میں نے پہلی دفعہ آپ سے ایک ادبی تقریر سُنی! دل خوش ہو گیا ـــــ"

ظہور نے کہا "جی، یہ آپ کی صحبت کا فیض ہے۔ جمال ہمنشیں در دِ اثر کرد!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ بیبن صاحب ایک شعر سنئے۔ پہلا مصرعہ ظہور صاحب پر صادق آتا ہے، دوسرا آپ پر!" ؎

شتر گردیدہ بر بانگ حدی است — اگر انساں نہ گردد ست حیف است!"

ظہور تو آج چہک ہی رہے تھے جھٹ بولے "مجھے اونٹ کی طرح اپنا بلبلا نا منظور ہے۔
گر مبین کے انسان ہونے میں کلام ہیں۔ غالب اس کی تصدیق کر گئے ہیں۔

بس کہ مشکل ہے ہر اک کام کا آساں ہونا مو بئین کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا!

سب ہنس رہے تھے کہ خاں صاحب نے پوچھا۔ "ظہور صاحب یہ مبین کا مو بئین کیسے؟"۔

وہ بولے "جی اسی کو کہتے ہیں شعری قطع و برید یعنی شعری حجامت!"

اتنے میں ڈیوڑھی کے دروازے سے ایک اما نے آواز دی "سرکار کو چھوٹی حضور یاد فرما رہی ہیں۔ فرماتی ہیں رات کے بارہ بج گئے، اب آرام فرمائیں!"

مبین نے کہا "لیجئے" "گھر سے آیا ہے معتبر نائی!" — اور سب ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

تیرھواں باب

"ابیضِ باغ داد"

دوسرے دن شام کو حکیم بانا ذرا دیر سے تشریف لائے۔ سب لوگ انتظار کر کے ایک ایک کر کے اپنے گھر چلے گئے۔ بس ظہور و مبین کے علاوہ لالہ بنسی دھر بیٹھے رہ گئے۔ حکیم بانا تقریباً ۸ بجے شب کو آئے۔ ان کے آتے ہی خاں صاحب نے سب کی وکالت کی!۔

"قبلہ، شب کی منزل ہمارے لئے بڑی کٹھن ہو گئی تھی۔ دن میں کسی طرح زندگی کے دھندوں سے جی بہلا رکھا تھا۔ مگر اب تو بے صبری ساری حدیں پار کر گئی ہے۔ اس لئے باغ کا بقیہ حال سُنائیے ---"

ظہور نے کہا "خاں صاحب ہم سب کی سچی نیابت کر رہے ہیں۔ ع

کہاں سے لائیں صبر حضرت ایوب اے آماں!

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ نالائق! مگر ڈر یہ ہے کہ آپ کہیں یہ نہ کہیں کہ ؎

نیند کھوئی تھی جس سے میرے کل　　　ابتدا پھر وہی کہانی کی!"

ظہور نے کہا" نہیں قبلہ، واقعہ یوں ہے ؎

بہت شوق سے سن رہا تھا زمانہ　　　تمھیں رُک گئے داستاں کہتے کہتے!

حکیم بانا نے کہا" ہوں ہوں ہوں۔ بڑی اچھی اور با موقع ترمیمیں کرتے ہیں آپ اشعار میں۔ سلمک اللہ تعالیٰ! ہوں ہوں ہوں!"

حکیم بانا سن اور رشتے دونوں میں ظہور سے چھوٹے تھے۔ اس لئے اس سلمک اللہ پر سب ہنس پڑے۔ حکیم بانا نے حقہ کے کئی کش لیکر کہا۔ ؎

ہاں نشاط آمد فصل بہاری واہ واہ!　　　پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزل خوانی مجھے!

ہوں ہوں ہوں! آپ لوگوں نے مجھے رفتہ رفتہ غزل خواں و داستان گو بنا ہی دیا! ہوں ہوں ہوں! خیر، سنئے۔ ایک محل میں سلمیٰ اور بقول ظہور صاحب لیلائے قدم یعنی اسکی ماں ایکجانب اور دوسری طرف میں تن تنہا ہوں ہوں ہوں! پھر پیر شیخ سعید اور کچھ ضروری سامان خورد و نوش۔ ہم نہایت ہی پُر پیچ ناہموار راستوں سے تین شبانہ روز چلتے رہے۔ درمیان میں تھوڑی دیر کے لئے حوائج ضروری سے فراغت کرنے کے لئے رُک جاتے ۔۔۔"

مبین نے سادہ لوحی سے پوچھا "کیا آپ لوگ کچھ کھاتے پیتے نہ تھے؟"

ظہور نے کہا "جی حوائج ضروری میں کھانا بھی داخل ہے! آپ کو شاید فراغت کی لفظ خاص طور سے کھٹکی ہوگی!"

خاں صاحب نے کہا "لاحول ولاقوۃ!"

ظہور نے کہا "ہاں قبلہ، لاحول نہ بھیجیے مبین کی باتوں پر! آپ فرمائیے!"

حکیم بانا نے کہا "مبین صاحب کو شکم سیر جواب مل گیا۔ اس لئے میں فضولیات میں اضافہ نہ کروں گا!"

ان گرم گرم فقروں پر جب سب ہنس چکے تو حکیم بانا بولے "ہم لوگ تقریباً ایک ہفتہ کے صعب و تکلیف دہ سفر کے بعد ایک درّہ کوہ میں پہنچے! ہوں ہوں ہوں کچھ دُور اس میں محراب نما در بن گئے تھے۔ اس کے تاریک ترین حصّے میں شیخ رُک گئے۔ انھوں نے اِدھر اُدھر نظر ڈالی اور ہماری آنکھیں بچا کر بائیں طرف کی دیوار میں کوئی کل دبائی۔ ہوں ہوں ہوں۔ معًا وہ حصّہ دروازہ کی طرح کھل گیا۔ اتنا بلند اور عریض کہ ہمارا اونٹ ہی نہیں بڑے بڑے ہاتھی مع ہودجوں کے اس میں سے گزر سکتے تھے۔ ہُوں ہُوں ہُوں!۔ ہم لوگ اس دروازے میں در آئے۔ اندر پہنچکر شیخ سعید نے پھر کوئی کل دبائی اور نیا در پچھلی دیوار بن گیا! ہُوں ہُوں ہُوں۔ یہ مقام اتنا تاریک تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا۔ شیخ نے وہاں رکھی ہوئی ایک مشعل روشن کی تو ہم نے دیکھا صرف دو گز چوڑا پہاڑی راستہ ہے، ہوں، ہوں، ہوں۔ اس خطرناک راہ کی دونوں جانب اتنے بڑے غار تھے کہ مشعل جھکا کر روشنی دکھا کر بھی کہیں تہ کا پتہ نہ چلتا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ شیخ کے اشارے پر میں بھی اونٹ سے اتر گیا اور ہم دونوں

اپنے اپنے جانوروں کی مہار اور لگام پکڑے ہوئے اس دنیاوی پلِ صراط سے گزرنے لگے۔
ہیمن نے کہا، "بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز!"
حکیم بابا نے رُک کر انھیں دیکھا۔ وہ بولے "جی ہاں اسی طرح کی خطرناک راہ تھی۔ اور خطرہ کو بڑھانے والی بات یہ کہ ہر دس بیس گز پر یہ راستہ مُڑتا اور گھومتا تھا۔ اور مختلف طرح کے پتھر اور جھاڑیاں قدم قدم پر پاؤں میں بیڑیاں پہناتے تھے! ہوں ہوں ہوں۔ ایک جگہ قدِ آدم اونچی چٹان اس طرح بیچ میں آگئی کہ شیخ نے کہا کہ سواریاں یہیں چھوڑنا پڑیں گی۔ اب جانور آگے نہیں جا سکتے۔ ہوں ہوں ہوں۔ بد سلما اب تک اتنی کمزور تھی کہ اس کے لئے دو چار قدم بھی چلنا مشکل تھا نہ کہ اتنی بلندی پر چڑھنا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کہا میں اس کا کوئی بندوبست کرتا ہوں۔ ذرا پہلے یہ تو دیکھ لوں کہ اُدھر کیا ہے! میں جست کرکے چٹان پر چڑھ گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ دیکھا تو چٹان کوئی دس گز لمبی چوڑی ہے۔ زرد رنگ کی، گول تربوز کی طرح۔ ہوں ہوں ہوں۔ اُس پار پھر وہی دو گز چوڑا راستہ دور تک جاتا دکھائی دیتا ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے سلما اور اس کی ماں سے محمل کو مضبوط پکڑ لینے کی ہدایت کی اور میں نے وہیں چٹان پر سے جھک کر ہاتھ بڑھایا اور اونٹ کے پیٹ کے نیچے ہاتھ رکھ کر اسے آہستہ سے اُٹھا لیا اور اسے مع محمل اور سواریوں کے چٹان کی دوسری جانب رکھ دیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ مگر شیخ کے خچر کو جو اُٹھایا تو اس نے اس طرح ٹانگیں اُچھالیں کہ اس کا کمر بند ٹوٹ گیا۔ میں نے اُسے سنبھالنے کیلئے اُس کو اپنے پاس ہی چٹان پر رکھ لیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہ پاجی وہاں بھی زور زور سے اُچھلا، بھڑکا۔ اس کے تیز کھر جو بار بار چٹان سے ٹکرائے تو دفعتہً بھڑ سے آواز ہوئی، چٹان پھٹ گئی اور میں خچر کے ساتھ اس کے اندر! ہوں ہوں ہوں۔

میں نے گھبراہٹ میں ایک ہاتھ میں عصا مضبوط پکڑ کر دو چار ہاتھ بانا کے ہلائے۔ چٹان کی اغل بغل کے حصے بھی کٹ گئے اور ہم دونوں ایک رقیق لیسی سے مشابہ شے میں نہا گئے! ہوں ہوں ہوں۔ اب جو غور سے دیکھا کہ یہ کیا بلا ہے، تو معلوم ہوا چٹان نہ تھی پھل تھا! اس جنگلی پھل نے اس مقام کی آب و ہوا اور زیادتی قوتِ نمو کے باعث یہ قد و جسامت اختیار کر لی تھی! ہوں ہوں ہوں! خیریت یہ گزری کہ خچر اس پھل کا عاشق نکلا، اُس نے اپنی لمبی زبان بڑھا کر میرے جسم سے یہ لعاب چاٹ لیا اور تھوڑی دیر میں پورے پہاڑ کو صاف کر کے راستہ ہموار کر دیا! ہوں ہوں ہوں۔ ہم تھوڑی ہی دور آگے بڑھے تھے کہ ہم بجائے بلندی پر چڑھنے کے فراز سے نشیب کی طرف اترنے لگے۔ راستہ ناہموار، پیچ در پیچ، تنگ و تاریک، کوئی موقع اس کا نہیں کہ ہم کہیں بھی قدم جما کر رُک سکیں۔ میرے ہاتھ میں ڈنڈا اور شیخ کے ہاتھ میں مشعل نہ ہوتی تو ہم منہ کے بھل کسی نہ کسی غار میں یقینی گر جاتے۔ ہوں ہوں ہوں۔ دونوں جانور البتہ اس راستے پر چلنے کے عادی معلوم ہوتے تھے، وہ بیدھڑک چلے جا رہے تھے۔ انھیں کوئی خاص دقت نہ محسوس ہوتی تھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ ایک میل کے قریب مسافت طے کرنے کے بعد ہم ایک پتھریلے میدان میں پہنچے، جہاں نسبتًہ روشنی تھی۔ شیخ نے مشعل بجھا کر رکھ دی اور مجھ سے کہا ڈرنا نہیں، جو میں کہوں وہی تم بھی کہنا اور میرے پیچھے پیچھے چلے آنا۔ ہُوں ہُوں ہوں۔ میں نے زبان سے تو کہا بہت خوب مگر قبا کے دامن کو گردان لیا۔۔۔۔۔"

ظہور نے کہا، کسی کا شعر ہے ؎

گر قتل ہی کرنا ہے تو تیغِ دو سر باندھو   گردان لو دامن کو اور کس کے کمر باندھو!

خدا جانے آپ کے ہاتھوں کس کی شامت آنے والی تھی!

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ مرد بیش بیں ایسے موقع پر ہر طرح کے خطروں کے مقابلے کے لئے تیار رہتا ہے! ۔میں بھی اسی لئے عصا بدست تیار تھا۔ قصد تھا کہ اگر کسی نے ذرا سی بھی مزاحمت کی تو بانا کے ہاتھ دکھاؤں گا! —

الہ ہنسی دھر نے کہا "اور کیا "ہمیں میداں ہمیں گوئے!"

ظہور نے مبین کے کان میں کہا "شکیب وصبر اہلِ انجمن کی آزمائش ہاہے!"

حکیم بانا نے کہا "ہم لوگ دو چار قدم چلے ہوں گے کہ دفعتہً سامنے سے دو شیر دھاڑتے ہوئے نکلے۔ خچر بدکنے اور اونٹ جست کرنے لگا۔ میں ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا ہوں ہوں ہوں! مگر شیخ سعید نے آگے بڑھ کر کہا "یا شیخ الاسد! انخافی! انخافی! انخافی! ہوں ہوں ہوں! سگا دونوں شیر راستے سے ہٹ کر لیٹ گئے اور دُم ہلانے لگے۔ اور ہم ان کے درمیان سے صحیح سلامت گزر گئے! ہوں ہوں ہوں۔ تھوڑی دور آگے جاکر ہمیں ایک گھنا جنگل ملا۔ ہم عظیم الشان درختوں کے نیچے سے گزر رہے تھے کہ یکبارگی ایک بھیانک پھپکاری کے ساتھ دو اژدھے درخت کی شاخوں میں دُم لپیٹے ہوئے نیچے لٹک آئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے اپنا ڈنڈا اٹھایا کہ ایک ہاتھ میں دونوں کا خاتمہ کر دوں کہ شیخ نے ڈانٹا کیا کر رہے ہو حکیم ہندی! ہوں ہوں ہوں ہ انھوں نے خود بڑھ کر کہا "یا افعی! انخافی! انخافی! انخافی! ہوں ہوں ہوں۔ یہی عمل انھوں نے بھی دہرایا، اور ہم ان کے درمیان سے بھی صحیح سلامت گزر گئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ فرلانگ دو فرلانگ ہم چلے ہوں گے کہ دفعتہً ہمارے آگے آگ کے گولے گرنے لگے۔

خاں صاحب نے داد دینا ضروری سمجھا۔ وہ بولے "سبحان اللہ!"

حکیم بانا "ہوں ہوں ہوں" کر کے اس تعریف سے محظوظ ہوئے اور وہ بولے

"اب پھر خچر بھی بھڑکا اور اونٹ بھی۔ عورتوں نے محمل سے الامان! والحفیظ! کی صدائیں بلند کیں۔ اور میں نے "یا نار کونی بردا و سلاما" کی ورد شروع کی۔ ہوں ہوں ہوں۔ شیخ البتہ بے جھجک آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور عجیب تر بات یہ کہ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے وہ آگ پیچھے ہٹتی جاتی تھی! ہوں ہوں ہوں! میں بھی اونٹ کی مہار لئے اُن کی پشت پر! ہوں ہوں ہوں! اونٹ غالباً ان آفتوں کا بار بار مقابلہ کر چکا تھا اس لئے کہ گھبراتا تھا مگر ذرا سا جھٹکے میں ساتھ ساتھ چلا آتا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ہم لوگ یونہی برابر بڑھتے رہے، آگ پیچھے ہٹتی رہی، ہٹتی رہی، یہاں تک کہ ایک بڑا سا آہنی پھاٹک نظر آیا۔ آگ نے زمین پر لوٹ پوٹ کر حیت کی، پھاٹک کھل گیا آگ کا گولا قندیل کی طرح اس کے اندرونی حصے میں آویزاں ہو گیا! ہوں ہوں ہوں! ہم لوگ جب اس پھاٹک میں داخل ہو گئے تو وہ خود بخود بند ہو گیا۔ اب کوئی شعبدہ نہ تھا۔ ہم ایک نہایت ہی دلکش باغ میں تھے۔ ہوں ہوں ہوں۔ الفاظ نہیں کہ میں اس گلستاں کا سماں کھینچوں!"۔

حکیم بانا ڈک کر جھومے اور انھوں نے اپنی موٹی بے سُری آواز میں ترنّم کے ساتھ جگر کے دو شعر پڑھے۔ ؎

تمام رعنائیوں کے منظر، تمام رنگینیوں کے مظہر
سنبھل سنبھل کر سمٹ سمٹ کر سب ایک مرکز پہ آ رہے ہیں!

طیور سرشار ساغر مل، بلاک تنو بر لالہ و گل
سب اپنی اپنی دھنوں میں مل کر عجب عجب گیت گا رہے ہیں!

ہوں ہوں ہوں۔ گلاب و لالہ، نرگس و ریحاں، یاسمن و یاسمیں، موتیا اور بیلا، گل شبو اور گل عباس، سیوتی اور بنفشہ، غرض انواع و اقسام کے پھول، تختے کے تختے، مگر ہر ایک معمولی قدوں سے بیس گُنے بڑے! ہوں ہوں ہوں۔ ان کے پیچھے پھلدار درختوں

کے قطعات سیب، انار، رنگترے، سنترے، خبازی، آڑو، کھجور، بہی، مالٹا، موسمی انجیر، انگور، ہر طرح کے میوے ان درختوں میں لگے ہوئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ لیکن ہر ایک کے قد ایسے کہ انھیں دیکھ کر ہاتھی شرمائے اور "ربّ الفیل" سے پناہ کا طالب ہو! ہوں ہوں ہوں!

ظہور نے کہا "دخل در ماکولات معاف! ظریف لکھنوی کا ایک شعر یاد آگیا۔ قدو ں کے لحاظ سے قابل قدر ہے! ؎

یار کی محفل میں جو سامان تھا شاہانہ تھا ۔ شمع گھنٹا گھر تھی ہاتھی سے بڑا پروانہ تھا!"

لوگوں نے قہقہہ لگایا تو حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں! آپ تو وہاں کا گولر ملاحظہ ہی فرما چکے ہیں۔ بس اسی سے اندازہ کیجئے۔ ہوں ہوں ہوں!"—— اس چوٹ پر بڑی ہنسی ہوئی۔ حکیم بانا بھی ہوں ہوں کر کے تھوڑی دیر لطف لیا کئے۔ پھر بولے:۔ خیریت گزری کہ اس باغ میں کٹھل نہ تھا۔ ورنہ شاید ایک درخت کے پھل لطف باغ کو بھر دیتے! ہوں ہوں ہوں!"

ظہور نے کہا "اچھا ہی ہوا! ہوتا بھی ہے کمبخت بڑا ثقیل! ایک بار اس باغ کا کٹھل چکھنے کے بعد شاید عمر بھر پیٹ میں درد رہتا!"

دیوانجی نے کہا "مگر ظہور میاں کٹھل کا قلیہ بڑا اچھا بنتا ہے!"

ظہور نے ہمین کے سامنے رکھے ہوئے حقے کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا "تو لالہ صاحب کٹھل کا قلیہ آپ کو مبارک! ہمین صاحب ذرا قلیاں ادھر بڑھائیے!"

حکیم بانا نے حقہ گڑگڑا کر کہا "ہمارے پہنچتے ہی باغبانوں کا سردار آیا۔ اس سے شیخ نے کچھ باتیں کیں۔ کچھ چمکتے سکّوں نے ہاتھ بدلے اور مجھے وہیں چھوڑ کر شیخ سعید

لڑکی اور بیوی کو لیکر اس طرف چلے گئے جہاں وسط باغ میں سنگ مرمر کی ایک عمارت موتی کی طرح چمک رہی تھی! ہوں ہوں ہوں۔ یہی ان کی عبادت گاہ تھی اور یہ دلکش باغ اسی کے گرد واقع تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ باغباں کی ہدایت کے مطابق میں نے اونٹ اور خچر شاگرد پیشے میں ایک جگہ باندھ دیئے۔ اور خود اس کے ساتھ اس طرف گیا جدھر پھلدار درخت تھے۔ ہوں ہوں ہوں۔ باغباں نے تاکید کی کہ کسی پھل کو ہاتھ نہ لگانا، ان کا کھانا غیر علماء کے لئے حرام ہے! ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کہا یہ تو سخت قباحت ہوئی۔ میں طبیب ہوں، میرا فرض ہے کہ میں ہر نئے پھل، ہر نئی جڑی بوٹی کا ذائقہ چکھوں، اُن کے خواص دریافت کروں اور ان کی کیمیائی طاقت کا اندازہ لگاؤں۔ اس قدو قامت کے پھل عجوبۂ روزگار ہیں۔ میرے لئے ان کے چکھنے کی کسی قانون یا مذہب میں مخالفت نہیں ہو سکتی۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہ مرد فہمیدہ تھا، اس نے کہا "اچھا، میں آپکی خواہش خادمِ اعظم کے پاس پہنچاتا ہوں۔ جیسا وہ حکم دیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ ہوں ہوں ہوں!۔ وہ اسی مرمریں عمارت کی جانب گیا اور تھوڑی دیر بعد جب پلٹا تو اس نے کہا "آپ میرے حجرے میں تشریف لے چلیں۔ خادم اعظم آپ کے لئے باغ کے ہر میوے کا ایک ٹکڑا بھیج رہے ہیں۔ ہوں ہوں، ہوں!

ظہور نے پوچھا "اور آپ کے دل میں یہ وسوسہ نہ پیدا ہوا کہ ؎

تجھ تک کب اُنکی بزم میں آتا تھا دورِ جام ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں!

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ وسوسے تو ہزاروں تھے لیکن میں تو قعرِ دریا میں خود سے پھاندا تھا۔ یوں بھی میں شاد کی طرح اس کا قائل ہوں کہ ؎

رہے ہر حال میں جو مطمئن جینا اسی کا ہے   پلائے جس کو خود پیرِ مغاں پینا اسی کا ہے!

ہوں ہوں ہوں۔ میں باغباں کے کمرے میں جاکر بیٹھا تو خوان پر خوان آنا شروع ہوئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ ان میں مختلف میووں کی چھوٹی چھوٹی قاشیں اور ٹکڑے رکھے ہوئے تھے۔ مگر اتنے چھوٹے ہونے پر بھی کسی خوان میں تین چار قسم کے میووں سے زیادہ کے ہونے کی گنجائش نہ تھی! ہوں ہوں ہوں۔ میں نے سب چکھے۔ جس طرح قدر جسامت میں ہمارے عام پھلوں سے بڑے تھے اسی طرح لذت وذائقہ لطافت ورائحہ میں بھی اچھے تھے! ہوں ہوں ہوں۔ شیرینی وہ کہ ہر بار کلّی کیجئے۔ ورنہ لب ایک دوسرے سے چپک جاتے، رائحہ وہ کہ محسوس ہو عطریات کے کنستر انڈیل دیئے گئے ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں بے ساختہ کہہ اُٹھا "واقعی یہ میوے جنت کے ہیں، اس دنیا میں کہاں نصیب؟ ہوں ہوں ہوں۔ باغباں نے چیں بہ جبیں ہوکر پوچھا۔ کیا تمھیں اس مقام کے جنت ہونے میں شک ہے۔ میں نے کچھ پس وپیش کیا تو اس نے سوال کیا کیا تم خافی نہیں ہو؟ ہوں ہوں ہوں۔ اب تو اخفا کا کوئی موقع نہ تھا، مجھے کہنا ہی پڑا کہ نہیں، میں مسلمان ہوں۔ میں اس جنت ارضی کا قائل نہیں۔ ہوں ہوں ہوں!"

حکیم بابا نے رُک کر حقہ پر کئی دم لگائے۔ کئی پان کھائے، سامعین کی بے چینی وکرب انتظار سے لطف لیا، پھر وہ بولے۔

"معلوم ہوا جیسے کسی نے بارود میں چنگاری ڈال دی۔ وہ "غیر! غیر!" چیخا اور اس نے جھپٹ کر کھونٹی پر لٹکی ہوئی نیام سے تلوار کھینچ لی۔ اور مجھ پر وار کرنے کے لئے بڑھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ چھوٹا سا کمرہ، پھلوں کے خوانوں سے بھرا ہوا، دروازوں کے قریب غلمان نما خدام کھڑے ہوئے، اور میں تنہا، نہتا، نہ کوئی ہتھیار پاس، نہ

تیغ و تبر، نہ بندوق ریوالور ہُوں ہُوں ہُوں۔ بس یہی بالس کا ڈنڈا ہاتھ میں! وہ ننگی تلوار لیکر وار کر رہا ہے۔ لیکن ایسے مقابلوں میں حواس کا درست ہونا اور دماغ کا حاضر ہونا ضروری ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کیلے کا چھلکا اُٹھا کر اس کی آنکھ پر مارا، وہ ہائے کر کے پیچھے ہٹا اور میں نے جھٹ خوانوں سے دوسرے میووں کے ٹکڑے کھینچ کھینچ کر دروازہ پر اکٹھا ملازموں پر مارے۔ لدالد! گد اگد! گد!۔ ہوں ہوں ہوں۔ سب چیخ کر ہٹے اور میں اچھل کر کمرے کے باہر! ہُوں ہُوں ہُوں۔ مگر سبھوں نے غیر! غیر کا شور مچایا اور مجھ پر ایک ساتھ حملہ کرنا شروع کر دیا۔ ہوں ہُوں ہُوں! لیکن اب تو کھلی جگہ میں بانا کا ہاتھ ہلایا جا سکتا تھا۔ میں نے پینترے بدل کر سب کو حلقے میں لے لیا اور چند منٹ میں مار گرایا۔ اور خود پھاٹک کی طرف بھاگا! ہوں ہوں ہُوں۔ اور وہ گولا جو قندیل بنکر پھاٹک میں آویزاں ہو گیا تھا دفعتہً زمین پر گرا اور ایک دیو مہیب صورت کی شکل اختیار کر کے دانت نکالے اور ٹیڑھے پنجے بڑھائے راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے نعرہ لگایا، ایک جست کی اور پورا ہاتھ کنپٹی پر مارا۔ ایک ہیبت ناک آواز ہوئی اور وہ مردہ ہو کر پھاٹک کے وسط میں گر پڑا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ساتھ ہی احاطہ کے باہر خون کی بارش ہونے لگی۔ پہلے بڑی بڑی بوندیں گریں۔ پھر گوشت کے لچھے کے لچھے گرے۔ پھر مردہ اور زندہ پورے پورے جانور گرنے لگے۔ ہوں ہوں ہوں۔ خلیق میاں، ظہیر صاحب کے صاحبزادے کہتے تھے جب شدت کی بارش ہوتی ہے تو انگریزی میں کہتے ہیں بلّی کتے برس رہے ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے بلّی کتے ہی نہیں گدھے خچر، گھوڑے اور اونٹ برستے دیکھے۔ ہوں ہوں ہوں مگر یہ ساری بارش ہو رہی تھی پھاٹک کے باہر، باغ کے اندر

ایک بوند کا پتہ نہیں ہوُں ہوُں ہوں۔ اور وہاں وہی واویلا "غیر! غیر!" کا۔ زخمی رو کنے والے کراہتے جاتے ہیں اور چیختے جاتے ہیں" غیر! غیر! غیر!" اور اب لوگ ان کا شور سنکر جوق جوق باغ کے ہر گوشے سے ننگی تلواریں لئے۔ نیزے بھالے تانے اس طرف دوڑتے چلے آرہے ہیں جدھر میں مُردہ دیو کی پیٹھ پر کھڑا ہوں۔ ہوُں ہوُں۔

ملاحظہ فرمائی آپ نے میری مصیبت۔ ایک طرف ننگی تلواریں لیے دشمنوں کا غول، دوسری جانب خون اور عظیم الشان جانور برساتا ہوا مینہ، اور میں بیدل! ہوں ہوں ہوں۔ اس پر تاریکی ایسی چھائی ہوئی کہ سوائے جانوروں کی آواز سننے کے ایک کی صورت نظر نہیں آتی۔ خود پھاٹک میں دیو کا اڑایا اور چھوڑا ہوا گیس! ہوُں ہوُں ہوُں۔......

میں سانس رُکے ہوئے ہوں کہ کہیں اس زہریلی ہوا کا اثر حلق تک نہ پہنچے۔ ہوں ہوں ہوں۔ گھبرا گھبرا کر اِدھر اُدھر نظر کی۔ ذرا بلندی پر ایک بہت بڑی کنجی دکھائی دی اور اس کے قریب دیوار میں ایک سوراخ۔ ہوُں ہوُں ہوُں۔ خیال آیا ہو نہو یہی اس پھاٹک کے کھولنے اور بند کرنے والی کنجی ہے۔ اچک کر اسے سوراخ میں لگا کر گھمایا اور اسے لئے ہوئے تیزی سے پھاٹک کے باہر۔ ہوُں ہوُں ہوُں۔ آہنی پھاٹک تڑاق سے بند ہو گیا۔ اب میں اندر کے دشمنوں سے تو محفوظ ہو گیا مگر وہ لدالید گدا گد کی آواز تو جاری تھی اور گرتے چیختے، بلبلاتے، ہنہناتے، دھاڑتے چنگھاڑتے جانوروں کی بارش! ہوُں ہوُں ہوُں۔

اسی نزول آفت و بارش و بلا میں ایک جانور میرے قدموں کے پاس آکر گرا۔ سپید رنگ ایسا کہ اس تاریکی میں تارا۔ شیر کی سیال مگر کوہان اور تھوتھنی اونٹ کی۔ ہوُں ہوُں ہوُں۔ میں نے سر کا عمامہ کھول کر جھٹ اس کی گردن میں ڈالا اور اُچک کر

پیٹھ پر بیٹھ گیا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ وہ بلبلایا، اُٹھ کر کھڑا ہوا، گردن موڑ کر اس نے مجھے غور سے دیکھا، میری بُو سونگھی اور طرارے بھرنے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب میں ہوں کہ ران جمائے ہوں، ایک ہاتھ میں عمامہ کی باگ ہے اور ایک سے بانا کے ہاتھ ہلا رہا ہوں۔ ہُوں ہوں ہُوں۔ جو جاتو میرے سر دھڑ، بازو یا اونٹ کی سمت آتا ہے۔ ڈنڈے کی چوٹ کھاتا ہے اور تڑ سے نیچے۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ اونٹ ایسا تیز کہ وہ بڑی بڑی کھائیاں، چھوٹے موٹے درخت، خاصے گہرے غار، اونچی لمبی چٹانیں اپنی چھلانگوں میں پھاندتا نکلتا جاتا ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے پہاڑ پار کیں، خطرناک جنگل طے کیے اور بالآخر وہاں پہنچا جہاں شیر نیستاں دکھائی دئے تھے۔ ہُوں ہُوں ہوں۔ انھوں نے حسب معمول دھاڑ کر حملہ کیا۔ دونوں ہوا میں تھے کہ ایک کی پشت اونٹ نے دانتوں سے پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ کمر شکستہ ہو کر داہنی جانب غار میں، دوسرا میرے ڈنڈے کی چوٹ سے بیدم ہو کر بائیں طرف غار میں! ہوں ہوں ہوں۔ اب وہی پلِ صراط تھا۔ مگر میرا اونٹ اس راستے پر ایسا چل رہا تھا۔ جیسے نہ اسمیں کانٹے ہیں، نہ درمیان میں چٹانیں، نہ وہ کاواک ہے اور نہ خطرناک! ہوں ہوں ہُوں!"

ظہور نے شعر پڑھا۔

دعائیں دیں مرے بعد آنیوالے میری وحشت کو بہت کانٹے نکل آئے مرے ہمراہ منزل سے!

حکیم بانا نے کہا "ہُوں ہُوں ہُوں، ہوا ایسا ہی۔ بہر حال اب ہم وہاں پہنچے جہاں دیوار نما دروازہ تھا۔ میں سوچنے لگا کہ یا اللہ اب یہ مشکل کیسے سر ہو گی۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ مگر واہ رے ہوشمند وتوبی اونٹ! اس نے گردن بڑھائی اور دیوار کے

ایک حصّہ کو دانتوں سے پکڑ کر جھٹکا دیا اور دیوار در بن گئی۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ ہم دونوں راکب و مرکب بحفاظت تمام باہر نکل آئے! ہُوں ہُوں ہُوں!"۔ حکیم بانا نے ایک لمحہ رُک کر بڑے ڈرامائی انداز سے کہا "یہ تھا حضرات ابجیؔ باغ دادیا"۔

مبین نے پوچھا "اور وہ سلما اور اس کے والدین! ان کا کیا حشر ہوا؟"

حکیم بانا نے کہا "گڑے مُردے اکھاڑنا اسی کو کہتے ہیں۔ جانے بھی دیجئے۔ بکھری ہوئی لڑیوں اور ٹوٹی ہوئی کڑیوں کو آپ پھر سے کیوں جوڑنے کو کہتے ہیں ؎

مجھ دیوانے کی مت ہلا زنجیر
کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر غل ہو!"

خاں صاحب پھڑک اٹھے۔ وہ بولے "حکیم صاحب، یوں تو آپ کی ساری گفتگو ہی صنائع و بدائعِ کلام سے مرصّع ہوتی ہے مگر آج کی تقریر تو اسے سبحان اللہ کیا کہنا۔ بقول میر ؎

حرف و سخن کرے ہے کس لطف سے برابر
سلک گہر بھی صدقے گئے اسکی گفتگو پر!

ظہور نے کہا "خاں صاحب، معاف کیجئے گا میر کے شعر کا دوسرا مصرعہ کچھ ڈھیلا ڈھالا سا ہے۔ مجھ پر تو حکیم صاحب کی گفتگو سے وہ کیفیت طاری ہوتی ہے کہ غالب کا ہم زبان بننے کو جی چاہنے لگتا ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مبین خاموش تھے۔ اب بولے "جب سے حکیم صاحب نے شعر پڑھا ہے، میں میر تقی کا ایک شعر یاد کر رہا تھا جس میں زنجیر اور غل دونوں لفظ ہیں اور وہ حکیم صاحب کے پیش کردہ شعر سے کسی طرح ہلکا نہیں۔ مطلع ہے۔ سُنئے۔

جب جنوں سے ہمیں توسّل تھا
اپنی زنجیر پا ہی کا غُل تھا

لالہ نے کہا "قبلہ مجھے تو ان سب سے زیادہ فانی کی زنجیر پسند ہے۔ فرماتے ہیں۔

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قید حیات مگر اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے!

ظہور اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے کہا" اچھا حضور رات کافی آ گئی نہ زنجیر حیات ٹوٹے گی، نہ سلسلہ گفتگو گُشتہ ہوگا۔ اس لئے باقی کل۔ فی الحال تو چلئے۔ ؎

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں!

اور محفل ایک ہلکے قہقہے پر برخواست ہوئی۔

چودھواں باب

"مار آستین"

لالہ بنسی دھر کو رات کی صحبت اتنی پسند آئی کہ انھوں نے ظہور صاحب سے اصرار کیا کہ تخلیہ کی نشست میں وہ بھی داخل کر لئے جائیں۔ انھوں نے کہا خاں صاحب سے اجازت مل جانا تو کوئی بات نہیں مگر حکیم بانا کو رام کرنا ذرا مشکل ہے۔ بس ایک صورت ہے۔ آپ کو فارسی سے بھی ذوق ہے اور شعر گوئی سے بھی۔ بس انکی شاگردی اختیار کر لیجئے۔"

لالہ جی نے کہا" انکی شاگردی میرے لئے باعث صد افتخار ہے لیکن میں اُردو میں شعر کہتا ہوں، فارسی میں غزل آج ہی تیار کر لینا تقریباً محال ہے!"

ظہور نے کہا" اجی اُردو ہی کی غزل سہی، ایک کاغذ پر اسے لکھ لائیے اور سوا روپیہ

مٹھائی کے دونے کے ساتھ لیکر جائیے۔ یہ دیو حلوے ہی سے مرے گا!"

انھوں نے کہا" بڑی اچھی تدبیر بتائی آپ نے۔ دیکھئے ابھی انتظام کرتا ہوں غرض اسی دن لالہ بنسی دھر حکیم بانا کی شاگردی میں آگئے اور شام کو استاد کے ساتھ تشریف لائے۔ ظہور خاں صاحب کو پہلے ہی اس واقعہ کی اطلاع دے کر ان سے اجازت لے چکے تھے۔ اس لئے لالہ جی کے بڑھ جانے نے مجمع کی بے تکلفی میں کوئی خاص کمی نہ کی۔

حکیم بانا کے آتے ہی سبین منے فرمایش کر دی" حکیم صاحب سلما کا حال، بغیر قیل و قال!"

حکیم بانا نے کہا" ہوں ہوں ہوں۔ گو تیور غیر مہذب ہیں، مگر فقرہ مقتضی اور درخواست مبنی بر اخلاص ہے، اس لئے عرض کرنا ہی پڑتا ہے۔ حالانکہ اب یاد رفتگان کی بھی ہمت نہیں رہی۔ یادوں نے کتنی دُور بسائی ہیں بستیاں!"

خاں صاحب رقیق القلب تھے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ لالہ صاحب ابھی نئے نئے شاگرد ہوئے تھے انھیں استاد سے جذباتی عقیدت تھی، وہ بھی آبدیدہ ہو گئے۔ ظہور نے اس افسردہ ماحول کو کم کرنے کے لئے فانی کا شعر پڑھ دیا

شعبدے ایسے آنکھوں کے کتنے ہم نے دیکھے ہیں آنکھ کھلی تو دنیا تھی، بند ہوئی افسانہ تھا!

صوفی صافی کی ڈھارس بندھی، یاسیت کا رنگ غائب ہونے لگا۔ حکیم بانا نے اس رنگ طرب کو شوخ تر بنایا۔ وہ بولے:

"واقعی جو کچھ میں نے کل بیان کیا تھا، باغ کے پھل پھول کی طوالت قدیہ سب نظر کا دھوکا اور شعبدہ بازی کا کرشمہ تھا۔ کچھ سحر، کچھ محض نظر بندی

گلوں کی جلوہ گری مہر و مہ کی بو العجبی   تمام شعبدہ ہائے طلسم بے سببی!

ہوں ہوں ہوں!

خاں صاحب اصغر کا یہ شعر دہرا کر بار بار جھومنے لگے، تو ظہور نے کہا "قبلہ حسن مطلع بھی خوب ہے۔ اور ہمیں اس واقعہ کے تسلسل کے لئے نہ بھولنا چاہیئے۔

گزر گئی ترے مستوں پہ یہ بھی تیرہ شبی   نہ کہکشاں، نہ ثریا، نہ خوشہ عنبی!

حکیم بانا بولے "ظہور صاحب، آپ چاہتے ہیں میں دم بھی نہ لوں۔ قصہ غم کی لڑی نہ ٹوٹے۔ ہوں ہوں ہوں۔ خیر! جیسا میں نے عرض کیا میرے جارحانہ حملے نے سارے طلسم کے بند توڑ ڈالے! ہوں ہوں ہوں۔ دروازہ ہمیشہ کے لئے کھل گیا راہ کے خطرات کا خاتمہ ہو گیا، اور باغ کے پھول، پھل، سب فطری قد و قامت پر آ گئے۔ ہوں ہوں ہوں۔

لالہ صاحب بیساختہ بول اُٹھے "ارے تو یہ سب دھوکا ہی دھوکا تھا!۔

حکیم بانا کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ ظہور نے پھر شعر پڑھ دیا۔

جو نقش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے   پردے پہ مصور ہی تنہا نظر آتا ہے"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ میں باغ کے حدود سے نکل کر چند گھنٹوں میں جب شہر پہنچا تو میں نے وہاں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ خاں خیال کا وہاں زور تھا، یقین تھا کہ دو چار ہی دن میں میرے ہاتھوں طلسم کی بربادی کی خبر سب میں پھیل جائے گی اور ہر ایک جان کے پیچھے پڑ جائے گا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس لئے میں نے اسی شب میں قیمتی اشیاء کی ایک گٹھری بنائی اور ابیض کے لئے ایک عمدہ کجاوہ خرید کر وہ سب چیزیں اس پر لادیں اور سواد مصر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہوں ہوں

ہوں۔ بس ایک معتمد وہاں چھوڑا کہ وہ شیخ سعید اور سلما کے حال سے مجھے خفیہ طور پر مطلع کرتا رہے۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ ابھی میں سرحد کے پار بھی نہ ہوا تھا کہ اس کا قاصد ملا کہ شیخ سعید اور اس کی بیوی کو خافیوں نے مار ڈالا۔ صرف سلما ان کے ہاتھ سے بچ کر روپوش ہے اور تمھاری تلاش میں صحرا صحرا ماری ماری پھر رہی ہے۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔

ہبین نے کہا "گویا سلما مجنوں بنی!

ظہور نے کہا جگر نے اس خیال کو بڑی خوبصورتی سے نظم کیا ہے:۔

ہوا کچھ ایسی ہی چل گئی ہے دلوں کی دنیا بدل گئی ہے
وہ ہم کو مطلوب کہہ رہے ہیں، ہم انکو طالب بنا رہے ہیں

حکیم بانا نے کہا "آپ نے یہ شعر غالباً طنز سے پڑھا مگر اس معاملے میں یہی حقیقت تھی! ہُوں ہُوں ہُوں۔ میں نے یہ احوال سنتے ہی پھر ابیض کو مراقش کی طرف موڑ دیا ان حالات میں سلما کو یکہ و تنہا چھوڑ دینا نہ تو قرین مصلحت تھا نہ تقاضائے حمیّت!

ظہور نے کہا" ایں! پتھر میں بھی جونک لگی!

حکیم بانا نے ڈنڈا اُٹھایا، پھر کچھ سوچ کر رکھ دیا۔ وہ بولے" دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں! ہُوں ہُوں ہُوں۔

ظہور ڈنڈے کی صورت دیکھ چکے تھے اس لئے خاموش رہے حکیم بانا چند لمحے رُک کر بولے" یہ بھی نہ بھولئے کہ

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود! تا نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود؟

ظہور نے کہا" قبلہ اسی خیال کو آرزو نے اس سے بہتر پیرائے میں کہا ہے:۔

حسن و عشق کی لاگ میں اکثر چھیڑ ادھر سے ہوتی ہے شمع کا شعلہ جب لہرایا اُڑ کے چلا پروانہ بھی!

حکیم بانا نے کہا "یقینی بہتر شعر کہا ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ غرض میں پلٹا اور آہستہ آہستہ اشتیاق دید و باز دید نے اور غم و الم ہجراں و فراق نے اس فطری لگاؤ اور قلبی کشش کو عشق کا رتبہ بخشا۔ ہوں ہوں ہوں۔ دل میں طرح طرح کے وسوسے اور شبہے پیدا ہونے لگے۔ خدا جانے سلمیٰ کے ہاں بھی واقعی محبت ہے یا محض دوست کی بنائی ہوئی بات۔ ہوں ہوں ہوں۔ پھر جوان ناکتخدا لڑکی، نہ سر پر سرپرست، نہ نظر بد کا نگہبان۔ نہ جانے کن مصائب میں وہ انجان گرفتار ہوئی۔ اب تک ناکتخدا ہے کہ کتخدا ہوئی۔ ہوں ہوں ہوں۔

ظہور نے کہا "عشق است و ہزار بدگمانی!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ میرے ہاں سودائیت نے زور پکڑا۔ میں سوزش رشک و حسد سے ٹھنکنے اور جلنے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ شہر میں جانے کا کوئی فائدہ نہ تھا، اپنی جان کا خطرہ، اس کے نہ ملنے کا یقین۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں ابیض پر سوار جنگل جنگل پھرنے لگا، صحرا کی خاک چھاننے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ انھیں اوقات میں مجھے اس کا تجربہ ہوا کہ ابیض انسانوں سے زیادہ ذہین بھی تھا اور مخلص بھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہ ہمیشہ ایسی جگہوں پر پہنچتا جہاں چشمۂ شیریں ہوتا اور ایسے جانوروں اور چڑیوں کی کثرت ہوتی جن کا کھانا حلال ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ پانی کی کمی ہوتی تو وہ ہرگز اپنے لب تر نہ کرتا، سب کچھ میرے ہی لئے چھوڑ دیتا۔ ہوں ہوں ہوں۔ چارہ اور غذا کی یہ حالت کہ کیسا ہی بے آب و گیاہ میدان ہو وہ ہمیشہ خود ہی مہیا کر لیتا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ہم آبادیوں سے ہزارہا میل دور چلے گئے۔ اور مجھے اپنی بدحواسی میں یہ تک یاد نہ رہا کہ میرے پاس کچھ بھی زاد راہ نہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب جو منزل پر پہنچا تو وہاں بھی نہ

تو کوئی طیر، نہ کوئی چوپایہ جس کو شکار کرکے پیٹ بھر سکوں۔ ہوں ہوں ہوں۔ پانی بھی اتنا کم کہ مشکل حوائج ضروری رفع کر لیجئے۔ ہوں ہوں ہوں۔"

وہ رُکے تو ظہور نے کہا "اب ہم اس لفظ کے معنی سے اچھی طرح واقف ہو گئے ہیں۔ آپ فرمائیں!"

خاں صاحب اور لالہ صاحب ہنس دیئے تو ہم کچھ جھینپ سے گئے۔ حکیم بانا نے کنکھیوں سے دیکھ کر ہوں ہوں کیا اور وہ بولے "میں نے چار چلوؤں میں تو وضو کیا، بقیہ گھونٹ گھونٹ کرکے پیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں ابھی پانی پی ہی رہا تھا کہ ابیض نے میرے بازو دانت سے پکڑے اور مجھے خورجین کے پاس لایا۔ وہ بالکل ہی خالی کجاوہ سے بندھی تھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے خورجین کھول کر اس کے منہ میں دیدی اور وہ سر اُٹھا کر ایک طرف چلا گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ تھوڑی دیر بعد پلٹا تو خورجین پہلے کے قسم کے پھل سے بھری تھی۔ وہ پھل نکال کر کھائے، گو وہ خوش ذائقہ نہ تھے مگر دو ہی پھل میں پیٹ بھر گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ابیض کھڑا یہ تماشا دیکھتا رہا اور جیسے ہی میں سیر ہو چکا وہ خورجین اُٹھا کر کجاوہ کے پاس رکھ آیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ شدت اشتہا کے بعد جب غذا ملتی ہے تو اس میں ایک خاص قسم کا نشہ ہوتا ہے، میں نخلستاں کے ایک درخت کے نیچے بالکل غافل گھوڑے بیچ کر سو گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔

ظہور نے کہا "داغ نے شاید ایسے ہی موقع کے لئے کہا ہے

شبِ ہجراں کے جاگنے والے ایسے سوئے کہ پھر خبر نہ ہوئی!

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں، یقینی خبر نہ ہوتی، لیکن نصف شب کے قریب ابیض نے دانت سے شانہ پکڑ کر ہلایا۔ میں ہمیشہ ہوشیار سویا۔ اس لئے فوراً عصا بدست

جاگ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ہوں ہوں ہوں ہوں۔ میں نے دوسرے کنارے پر کسی کو سسک سسک کر روتے اور کہتے سُنا ۔ یا الٰہا! اس سے ملادے یا موت دیدے! اب فراق کی اس سے زیادہ تاب نہیں!" ہوں ہوں ہوں ہوں۔ میں نے آہستہ آہستہ اس طرف چلنا شروع کیا۔ اس کے رہوار نے اجنبی کی بو پاتے ہی زمین پر ٹاپیں مار مار کر اسے ہوشیار کرنا چاہا۔ مگر جوشِ گریہ میں وہ شخص میری آمد سے غافل ہی رہا۔ ہوں ہوں ہوں ہوں۔ میں نے پاس جاکر دیکھا تو تاروں کی روشنی میں بس اتنا نظر آیا کہ ایک کم رو کمسن نوجوان ہے جو آزارِ عشق سے زار و نزار ہے! ہوں ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "اے جوانِ باوفا!" اور وہ "حکیم ہندی! حکیم ہندی!" کہہ کر میرے آغوش میں آرہا! ہوں ہوں ہوں ہوں۔

لالہ جی نے پوچھا "کیا سلما تھیں یہ؟"

حکیم بانا نے کہا "خوب پہچانا آپ نے! ہاں مرد کے لباس میں سلما ہی تھی! ہوں ہوں ہوں ہوں۔ تین برس ہم نے خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کی۔ صحرا صحرا، جنگل جنگل، قریہ قریہ ہم مارے مارے پھرے۔ ہوں ہوں ہوں ہوں۔ خاقیوں کے جاسوس ہماری تلاش میں تھے اور ہمارے جاسوس ان کی سازشوں کی فکر میں۔ ہوں ہوں ہوں ہوں۔ مگر یہ تین برس جس عیش و عشرت، جس کامرانی و مسرت میں گزرے انکی مثال شاید جنت ہی میں مل سکے!"

ظہور نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا "وہیں؟ جہاں لاکھوں برس کی حوریں ہیں؟"

لوگ بیساختہ ہنس پڑے۔ حکیم بانا سر جھکائے ہوں ہوں کیا کئے۔ وہ اپنے مفروضہ المیہ کے لئے ماحول تیار کر رہے تھے۔

وہ بولے "اسی بے سرو سامانی کے تیسرے برس جبکہ ہم ایک جنگل کے بیچ ایک چشمہ کے کنارے بیٹھے ہاتھ منہ دھو رہے تھے اور خوش گپیاں کر رہے تھے

دفعتہ سناٹا چھا گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ساری چڑیاں خاموش ہو گئیں، چوکڑیاں بھرتے ہرن اپنی اپنی جگہ مردہ بن کر گر پڑے اور لڑتے جھگڑتے خوں خوں کرتے بندر شاخوں سے پکے گولر کی طرح زمین پر ٹپکنے لگے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے گھبرا کر ادھر ادھر نظر کی، آخر اس موت کے سناٹے کی کیا وجہ تھی۔ بس ایک ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی۔ وہ گرمی محسوس ہوئی جو قریب ہی جلتی ہوئی آگ کے شعلوں میں محسوس ہوتی ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ ابعض نے دفعتہ گردن اٹھا کر ایک طرف دیکھا۔ معاً جست کر کے اپنے کو چشمے کے اندر گرا دیا۔ اور چادر آب میں سارا دھڑ ہی نہیں منہ تک چھپا لیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں ڈنڈا لیکر اچک کر کھڑا ہو گیا کہ اس مہیب نادیدہ خطرہ کا مقابلہ کروں۔ اور اپنی سلما کو اس بلا سے بچاؤں۔ ہوں ہوں ہوں۔ بس بھٹے کے ہرے ڈنٹھل کے برابر ایک پتی اُڑتی، لہراتی آئی۔ سلما کی پیٹھ پر ایک سکنڈ کے لئے رکی۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہ چیخ کر زمین پر گری اور پتی اڑی۔ میں سمجھ گیا یہ مار آتشیں ہے، میں نے پورا ہاتھ گھمایا، سانپ چوٹ کھا کر چشمے کے اس پار جھاڑی میں جا کر گرا۔ ایک شعلہ سا بلند ہوا اور جھاڑی جلنے لگی۔ ہوں ہوں ہوں! ساتھ ہی ڈنڈے میں اس طرح کی برقی لہر دوڑی کہ اس کی جھنجھناہٹ سے ڈنڈا ہاتھ سے چھوٹ کر دور گرا۔ اور اس کے التہاب سے میں خود بھی لڑکھڑا گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب میں سلما کی طرف جھپٹا، دیکھوں اس پر کیا گزری۔ ہوں ہوں ہوں۔

حکیم بابا نے رک کر کئی لمبے لمبے کش کھینچے۔ پھر وہ بڑے غم انگیز لہجے میں بولے "میں نے دیکھا اس کی کھوپڑی چٹخ گئی ہے، سر سے، منہ سے، ناک سے سیاہ خون نکل کر زمین پر جم گیا ہے، قلب کی حرکت بند ہے، نبض ساکت ہے، اور وہ بالکل

مردہ ہے! ہُوں ہُوں ہُوں۔ دوسرے کنارے کی آگ بجھ گئی۔ مردہ بنے ہوئے ہرن اور خرگوش طرارے بھرتے ہوئے دور نکل گئے، درخت سے ٹپکے ہوئے بندر کھیں اڑانے اور خوں خوں کرنے لگے، ساکت چڑیاں پھر اڑنے اور چہچہانے لگیں، مگر میری سلما۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ ابیض نے پانی سے گردن نکالی۔ پورے قد سے کھڑا ہوا جلدی سے کنارے آیا اور پاؤں کے تیز ناخونوں سے گیلے ریت میں ایک گڑھا کھود ڈالا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ میں زمین پر بیٹھا جزع و فزع میں مشغول تھا کہ اسی ہمدرد نے دانت سے شانہ پکڑ کر ہلایا اور مجھے گڈھے کی طرف متوجہ کیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے سلما کو غسل دینے کے لئے اس کے کپڑوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ابیض نے میرے ہاتھ دانتوں سے پکڑ کر الگ کر دئیے۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ اور مجھے کمر کے پاس سے پکڑ کر چشمے میں ڈال دیا! میں اس اچانک حملہ کے لئے تیار نہ تھا، میں نے چشمے میں کئی ڈبکیاں کھائیں، جب اپنے کو سنبھالا تو پیر کر باہر نکلا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ اتنی دیر میں ابیض نے سلما کا مردہ جسم پاؤں سے لڑھکا کر گڑھے میں گرا دیا تھا اور اُسے جلدی جلدی مٹی سے چھپا رہا تھا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ میں غصہ میں چیختا ہوا اس کی طرف لپکا۔ مگر ابیض نے حد درجہ خوفناک طور پر دانت اور دیدے نکال کر مجھے اس طرح دیکھا کہ میں بھی ڈر گیا ڈنڈا دور پڑا تھا، میں نہتا تھا، اور ابیض مقابلے کے لئے تیار! ہُوں ہُوں ہُوں۔ پھر بھی میں ڈنڈے کی طرف سرعت سے بڑھا کہ اسے اُٹھا کر ابیض کی قرار واقعی تادیب کروں۔ ہوں ہُوں ہُوں۔ ابھی اسے ہاتھ نہ لگایا تھا کہ دفعتاً چٹاخے کی آواز ہوئی اور بانس کا ڈنڈا پاش پاش ہو کر بکھر گیا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ میں حیرت سے ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا اور میں نے ابیض کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ اس نے گڑھے کو مٹی سے بھر دیا تھا اور اب وہ ایک

بڑے سے پتھر کو منہ میں اُٹھا کر اس عجیب و غریب قبر پر رکھ رہا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ پتھر کو اس گڑھے کی گیلی مٹی پر رکھ کر وہ اس پر کھڑا ہو گیا۔ پتھر اس کے وزن سے قبر میں دھنس گیا اور اُسے ہمیشہ کے لئے محفوظ بنا دیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میری سلما میری آنکھوں کے سامنے اس طرح بے غسل و کفن دفن کر دی گئی اور میں، اس کی مٹی میں شریک بھی نہ ہو سکا۔ ہوں ہوں ہوں۔ یہ خیال میرے لئے روح فرسا تھا، اس لئے اب میں آگے بڑھا۔ مگر چند ہی قدم چلنے پایا تھا کہ ابیض نے میرا شانہ پکڑ کر گردن کے ایک جھٹکے سے مجھے پیٹھ پر لاد لیا اور منہ میں گجا دا اور سارا سامان دبا کر وہ اس مقام سے تیز بھاگا، ہوں ہوں ہوں۔ ابھی ہم نے مشکل سے دو تین سو گز کا فاصلہ طے کیا ہو گا کہ ایک دھماکا ہوا اور سلما کی قبر پر رکھا ہوا وزنی پتھر ہوا میں قلا بازیاں کھاتا ہوا دور جا کر گرا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ابیض نے گردن گھما کر یہ سماں دیکھا اور وہ کانپنے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے اپنے کو اس کی پیٹھ سے گرا دیا اور میں ادھر دوڑا جہاں سلما کی لاش تہ خاک تھی۔ ابیض بھی گردن جھکائے لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا پیچھے پیچھے آیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے دیکھا سو گز کے قریب کا ایک گول غار ہے جس میں سلما کی لاش کا سوائے اس کے کوئی نشان نہیں کہ غار کی تہ میں اور دیواروں پر چھوٹے چھوٹے چیتھڑے اور ہڈی کے ٹکڑے لپٹے ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے جوش محبت میں اس غار میں پھاندنا چاہا، ابیض نے منہ بڑھا کر میرا کمر بند پکڑ لیا اور مجھے اُٹھائے ہوئے وہاں سے تیز بھاگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہ اسی طرح مجھے منہ میں لٹکائے اتنی دیر تک اور اتنا تیز بھاگتا رہا کہ میری قبا کے سارے تکمے ٹوٹ گئے۔ میرا عمامہ کسی جھاڑی میں اٹک کر پھنسا رہ گیا اور میں ہوا کے تھپیڑوں سے بیہوش ہو گیا

ہُوں ہُوں ہُوں! سانپ کا زہر ایسا تھا کہ اگر میں چند لمحے اور اس فضا میں سانس لیتا تو موت یقینی تھی۔ ہوشیار و وفادار ابیض اس سے واقف تھا، اس لئے اس نے زبردستی کی، بسلما کا جسم مجھے چھونے نہ دیا اور نہ دھماکے کے بعد اس زہریلی فضا میں مجھے زیادہ دیر ٹھہرنے دیا۔ ہُوں ہُوں ہُوں!۔

لالہ ہنسی دھر نے کہا "بڑا ہی وفادار جانور تھا!"

مبین نے کہا "جانور کیا، انسانوں سے زیادہ عقلمند تھا اور ہمارے قبلہ کے لئے تو اچھا خاصا اتالیق و نگراں تھا!"

ظہور نے کہا "کیا کہنا اس باوفا کا! سچ ہے اسے ہم ولی سمجھتے جو نہ شتر باغ ہوتا!!"

سب لوگ ہنسنے لگے تو حکیم بانا یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ ظہور صاحب ہر المیہ کو طربیہ بنا دیتے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ یہی زندگی کی علامت ہے۔ ؎

زندگی زندہ دلی کا نام ہے   مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں!

ظہور نے کہا "قبلہ، اس کی سہی نہیں! آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ جب آپ ہوش و حواس میں آئے تو آپ نے کیا کیا!"

حکیم بانا نے کہا "ہُوں ہُوں ہُوں۔ اس کے سوا اور کیا عرض کروں کہ ؎

نکوہش مانع بے ربطی شور جنوں آئی   ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن میں!"

ظہور کھسیانی ہنسی ہنس کر رہ گئے اور حکیم بانا "خدا حافظ" کہہ کر چلے گئے۔

پندرھواں باب

"سو دیشی منک ہاؤزن"

دسمبر کا زمانہ تھا۔ سردی چمک چکی تھی۔ خاں صاحب کے ہاں شام کی نشستوں میں شربت کی جگہ چائے کا دور چلنے لگا تھا۔ انھوں نے اس سال ایک بڑا سا ایرانی سماور طہران سے منگایا تھا۔ آفتاب غروب ہوتے ہی سماور میں کوئلہ ڈال کر ایک چنگاری چھوڑ دیتے پھر اسے خاں صاحب کے پاس ایک تپائی پر لاکر رکھ دیتے۔ اسی کے قریب ایک چھوٹی میز پر ایک بڑے تھرے میں درجن بھر فنجانیں رکھ دی جاتیں۔ جب پانی کی سنسناہٹ صاف صاف سنائی دینے لگتی تو خاں صاحب چائے دانی سماور پر گرماتے، پھر اس میں پتیاں اندازے ڈال کر، سماور کا گرم پانی اس میں انڈیلتے اور مٹی کو زی سے ڈھک دیتے تھے۔ پھر ہر فنجان میں چمچہ ڈیڑھ چمچہ شکر ڈالتے اور حاضرین کو ایک ایک فنجان اپنے ہاتھ سے عطا کرتے۔ بوڑھوں کے لئے پوری فنجان خالص رنگ سے بھر دیتے۔ نوجوانوں اور بچوں کو آدھا رنگ آدھا پانی دیتے۔ فنجان میں انڈیلے ہوئے آدھے رنگ میں جب آدھا سادہ پانی ڈالا جاتا تو دونوں حصے بڑے خوبصورت اور حسین الگ الگ دکھائی دیتے۔ جب تک چمچہ سے ہلاکر انھیں ملایا نہ جاتا۔ چھوٹی سی پیالی میں کھینچی ہوئی یہ قوس قزح بہت ہی نظر فریب ہوتی۔ اس چائے کی خوشبو اور لذت اسے اور بھی دل افروز بنا دیتی۔ اس لئے اس کی ایک فنجان کی کشش نوجوانوں اور بوڑھوں سب ہی کو کھینچ لاتی۔ اس کا دور حکیم بانا کی بہت سی یادیں تازہ کر دیتا۔ اس لئے وہ

ضروری تشریف لاتے۔ ایک دن اتفاقاً حکیم بانا کو آنے میں دیر ہو گئی تو ذکر چھڑ گیا بڑے بڑے ذہینیوں کا۔ ہر شخص نے اپنے اپنے تجربے بیان کرنا شروع کئے۔ سلسلۂ گفتگو میں ایک نوجوان نے، جو انگریزی تعلیم حاصل کرتا تھا یورپ کے سب سے بڑے ذہینیے، بیرن مُنک ہاؤزن کا نام لیا۔ اور اُس کے کچھ ایسے قصّے بیان کئے جو اس نے اپنی درسی کتاب میں پڑھے تھے۔ لوگ بڑے ذوق و شوق سے سُن رہے تھے اور اپنی جگہ اس فنکار اپنے دیسی حکیم سے مقابلہ کر رہے تھے کہ حکیم بانا پھیر پھیر کرتے آ گئے۔ خاں صاحب نے سب کے ساتھ تعظیم کر کے انھیں پہلو میں بٹھایا اور جلدی سے چار کی خالص رنگ والی فنجان پیش کی۔ حکیم بانا نے "ہوں ہوں" کر کے دو ہلکے گھونٹ چار کے سڑکے، پھر فنجان تشتری میں رکھ دی۔

خاں صاحب نے پوچھا، "کیوں قبلہ، کیا شکر کم ہے؟"

حکیم بانا نے مسکرا کر کہا: ؎

ہزار تلخ ہو، پیرِ مغاں نے جب دی ہے خدا نہ کردہ جو میں مُنہ بنا بنا کے پیوں!

لالہ صاحب نے کہا "سبحان اللہ! کیا برمحل شعر پڑھا ہے آپ نے قبلہ حکیم صاحب!"

ظہور نے کہا "اسی غزل کا دوسرا شعر بھی برمحل ہے۔ ؎

مزہ ہے بادہ کشی کا وہیں تو ہم اے ساقی پیوں جو اب تو ترے آستاں پہ آ کے پیوں

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ ہمارے خاں صاحب حد درجہ منکسر المزاج ہیں ورنہ ان کی دریا دلی انھیں یہ کہنے کا حق دیتی ہے کہ ؎

میں وہ نہیں کہ خود اپنے قدح کی خیر مناؤں پیوں تو بزم میں دس پانچ کو پلا کے پیوں!

خاں صاحب نے اتنی دیر میں ایک فنجان ظہور کی طرف بڑھائی۔ تو انھوں نے

اپنا بڑھا ہوا ہاتھ روک کر کہا ؎

زمیں پہ جام کو رکھ دے ذرا ٹھہر ساقی
میں اس پہ ہولوں تصدق تو پھر اٹھا کے پیوں!

ان برمحل اشعار نے مجمع میں ایک ادیبانہ سرخوشی کی کیفیت پیدا کر دی۔ مگر مبین کو ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی کہانی سننے کی فکر تھی۔ وہ بولے "حکیم صاحب! آپ کے تشریف لانے کے قبل یہ میاں حمید ایک فرنگی کا ذکر کر رہے تھے جو اپنی مبالغہ آمیز گفتگو کے لئے یورپ بھر میں مشہور تھا، اس کا نام تھا، منک ہاؤزن۔"

حکیم بانا حمید کی طرف پلٹ پڑے "کون تھا جی، یہ منک ہاؤزن؟" انھوں نے اپنے منجھے ہوئے مدرسانہ لب و لہجہ میں سوال کیا۔

نوجوان خاموش رہا، تو ظہور نے سہارا دیا "ہاں، ہاں شاید حکیم صاحب کو بھی اسکی یاوہ گوئی کے قصے!" حکیم بانا نے ظہور کو کنکھیوں سے دیکھا۔ حمید نے کہا "جی قبلہ، ہم لوگوں کی جو انگریزی کتاب ہے، اس میں منک ہاؤزن کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بادشاہوں اور امیروں کا درباری تھا اور اپنی مبالغہ آمیز گفتگو کے لئے بہت مشہور تھا۔"

حکیم بانا کو اپنی یاوہ گوئی کے دفاع میں کچھ کہنے کا موقع مل گیا۔ وہ بولے "ہوں ہوں ہوں! میں دیکھتا ہوں لوگ عام طور سے یاوہ گوئی اور مبالغہ کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دونوں کا کوئی مقابلہ نہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ یاوہ گوئی مریکی جھوٹ ہے، بے سروپا باتیں کرنا، بے پر کی اڑانا، زمین آسمان کے قلابے ملانا۔ ہوں ہوں ہوں۔ برخلاف اس کے مبالغہ زندگی کا جزو ہے۔ اس کا دلکش، دلچسپ، دلفریب، دلآویز اور دل نواز رنگ! ہوں ہوں ہوں۔ ادب اور زبان میں ساری رنگینیاں، ساری شیرینی، سارا لوچ، سارا ترنم اسی کی بدولت آتا ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔

استعارے، کنائے، تشبیہیں، محاورے، روزمرہ، کہاوتیں، تمثیلیں، اکثر صنایع بدایع کی بنیاد مبالغہ ہی پر ہے! ہوں ہوں ہوں۔ اگر زندگی سے مبالغہ نکال دیا جائے تو آپس کی گفتگو کا سارا مزہ چلا جائے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میاں بیوی کی بات چیت، عاشق و معشوق کا مکالمہ، دوستوں کی چھیڑ چھاڑ، ہمسنوں کی چہلیں، سب بے نمک ہو جائیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ آپ دیکھیں کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اب اس سے تخاطب کیونکر کریں گے؟ ماں کہے گی "کلیجہ کا ٹکڑا، میرا چاند، میرا لعل! باپ کہے گا "نور نظر، نور بصر، نور چشم! ہوں ہوں ہوں۔ غور فرمائیے، کیا ان تمام فقروں کی اساس مبالغہ پر نہیں؟ ہوں ہوں ہوں۔ لونڈا کالا سیاہ ہے، مگر چند قدم ڈگمگاتا چلا، اور ماں نے خالاؤں نے، دادی اماں نے، نانی جان نے کہا "صندل کے پاؤں!"۔ ہوں ہوں، ہوں، معشوقہ سے باتیں کرنے چلے کبھی اسے مہر کہا، کبھی ماہ! اس کا ہر ناز، ہر غمزہ قتل کرتا ہے، ذبح کرتا ہے، مار ڈالتا ہے، جلا دیتا ہے!..."

ظہور نے غالب کا شعر پڑھ دیا۔

"مقصد ہے ناز و غمزہ و لے گفتگو میں کام ‏ ‏ چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر!

لالہ ہنسی دھر بولے "ہاں قبلہ، یہ سب صحیح، مگر یہ ساری باتیں نظم ہی کے لئے مناسب ہیں، نثر کے لئے بے جوڑ سی معلوم ہوتی ہیں۔

حکیم پانا نے انھیں گھور کر دیکھا۔ وہ بولے "ہوں، ہوں ہوں۔ کیوں لالہ صاحب، پٹواری گیری کے زمانے میں جب آپ کو بہت سے کھیتوں کی پیمائش کرنا پڑتی تھی تو جھکتے جھکتے آپ کی کمر نہ ٹوٹتی تھی، اور چلتے چلتے آپ کے پاؤں نہ ٹوٹتے تھے؟ ہوں ہوں ہوں۔ گھر یہ شور کرتے ہوئے لڑکے آپ کے کان نہیں پھاڑتے تھے کھانے

میں زیادہ نمک زہر نہیں بنتا تھا بیوی کی جھڑکیاں سن کے آپ زہر کا گھونٹ نہیں پیتے تھے دوست احباب آپ کو ہنساتے ہنساتے مار نہیں ڈالتے تھے آپکی شریمتی آپ کے منہ سے کسی دوسری عورت کی تعریف سنکر جل بھن کر بیٹھ نہیں جاتی تھیں ہوں ہوں ہوں۔

لالہ بنسی دھر نے کچھ بحث کرنا چاہی۔ انھوں نے کہا مگر قبلہ۔۔۔۔

ظہور نے بات کاٹی۔ "جی، اگر مگر کچھ بھی نہیں۔ حکیم صاحب بجا فرماتے ہیں، ہم آپ تو ہم آپ ہیں، اللہ میاں بھی مبالغہ کی زد میں آجاتے ہیں۔ ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

بیبن نے کہا "کبھئی ادیبانہ و عالمانہ گفتگو کافی ہو چکی، ہم تو منگ ہاؤزن کا قصہ سننا چاہتے ہیں"

حکیم بانا نے نوجوان کی طرف پلٹ کر کہا "ہاں جی، سناؤ اس کا قصہ! ہوں، ہوں ہوں!

اس نے کہا "منگ ہاؤزن کا بیان ہے کہ وہ ایک دفعہ روس میں تن تنہا سفر کر رہا تھا دن ہی سے برف باری کے آثار تھے۔ اس لئے اس نے سورج ڈوبنے سے پہلے ہی ایک خالی گرجا گھر کے زیر دیوار پناہ لی۔ پاس کے ایک درخت کی ایک شاخ کاٹ کر اس نے ایک کھونٹا بنایا اور اپنے گھوڑے کو اس میں باندھ دیا۔ گلے کی رسی تقریباً دو گز لمبی رکھی تاکہ وہ ارد گرد کی گھاس بھی چر سکے اور اس کے پاس سے بہت دور نہ نکل جائے۔ اور خود کچھ پی کر گرجا کے چھجے کے نیچے کمبل لپیٹ کر سو رہا۔ صبح کو جو اٹھا تو دیکھا کہ ہرے بھرے میدان کی جگہ برف کا ایک پہاڑ کھڑا ہے۔ سخت پریشان ہوا کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ شام کو سویا کہیں، صبح کو اٹھا ہوں تو اپنے کو پاتا ہوں کہیں۔ دفعتہً خیال آیا کہ یہ رات

کی برف باری کا نتیجہ ہے کسی طرح بڑی کوششوں اور مصیبتوں سے برف کے اس پہاڑ پر چڑھا اب جو دیکھتا ہوں تو گھوڑے کا کہیں پتہ نہیں۔ یقین آ گیا کہ اس رفیق سفر نے بھی ہمیشہ کے لئے ساتھ چھوڑا۔ برف کے نیچے دب کر داغ جُدائی دے گیا۔ مایوس زین کندھے پر لاد کر آگے بڑھا ہی تھا کہ دفعتًہ ایک طرف سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی۔ اب جو نظر اُٹھا کر دیکھا تو اسپ وفادار گرجا گھر کے سوگز اونچے مینار کے آخری حصے میں لٹکا ہے۔ ہوا یہ کہ برف کی تہ تھیں جو بیٹھ پر پڑیں تو تکلیف سے بے چین ہو کر وہ اُچکا۔ اسکی اگاڑی کھونٹے سے نکل کر گرجا کے مینار میں جا لگی۔ اب گھوڑا مالک کو پہچان کر بے بسی سے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اور ہنہنا کر مجھ سے فریاد کر رہا تھا، اور مدد طلب کر رہا تھا کہ مالک مجھے اس مصیبت سے نجات دلائے۔ میں نے جیب سے جھٹ ریوالور نکال کر رسّی کو تاک کر فیر کیا۔ رسّی کٹ گئی اور وہ زمین کی طرف پھڑکتا چلا۔ میں نے لپک کر اسے کرکٹ کے گیند کی طرح ایک ہاتھ میں روک لیا۔ اور اس پر زین کس کر منزل کی طرف روانہ ہو گیا!"

سب نے قہقہہ لگایا مگر حکیم بانا بیٹھے ہوں ہوں کیا کئے۔ پھر وہ بولے "آپ حضرات کا قہقہہ غالبًا اس لئے ہے کہ آپ کے نزدیک یہ واقعہ کچھ غیر ممکن سا ہے۔ لیکن خود مجھے اس سے بھی عجیب تر واقعہ پیش آیا۔ ہُوں ہُوں ہوں۔

لالہ صاحب نے کہا "ارے قبلہ اس سے بھی عجیب"

حکیم بانا نے کہا "ہُوں ہُوں، جی ہاں اس سے بھی عجیب! میں ایک دفعہ یمن کے دار السلطنت عنار کی طرف جا رہا تھا اپنے ابیض پر سوار، ایک کاروان کے ساتھ پہاڑ پر سے گزر رہا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ابیض کا رنگ سپید تھا، گردن پر بال

بالکل شیر کی ایالی، قد و قامت میں تمام اونٹوں سے اونچا اور لمبا۔ تیز اتنا تھا کہ کئی بار اس کے ساتھ چلنے سے تیر چھوڑے گئے اور بندوق سے گولی داغی گئی مگر وہ ہمیشہ اُن سے گرد ہوں آگے نکل گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ دوسرے اونٹ چھ چھ سات سات دن کا پانی اکٹھا پی لیتے تھے، وہ مہینوں بغیر پانی کے رہ سکتا تھا۔ اکثر یہ ہوتا کہ مہینوں کا راستہ ہفتوں میں طے کر کے آخری منزل پر پانی پیتا۔ درمیان میں چاہے کتنے ہی چشمے، دریا، نہریں ملیں وہ لب نہ تر کرتا۔ ہوں ہوں ہوں۔ بے آب و گیاہ ریگستانوں میں وہ نہ جانے کہاں سے اور کس طرح اپنے لئے غذا اور چارہ مہیا کر لیتا۔ مجھے کبھی بھی ان امور کی فکر نہ کرنا پڑی۔ ہوں ہوں ہوں۔ جسیم اور وزنی اتنا تھا کہ جب میں اسے اپنے ہمراہ ہندوستان لایا تو بندرگاہ پر جو دو ایک بڑے بڑے ہاتھی کشتی سے اُٹھا کر جہاز میں بآسانی منتقل کر دیتا تھا وہ اس کو اپنی جگہ سے ہلا تک نہ سکا۔ اور ٹوٹ کر گر گیا! ہوں، ہوں، ہوں۔ جب میرے اشارے پر وہ خود سے اچک کر جہاز پر آ گیا تو وہ حصۂ جہاز اس طرح ڈوبنے لگا کہ سارے مسافر مع ہزاروں ٹن سامان کے دوسرے سرے پر آ کر مقیم ہوئے تو اس طرف کا عرشہ سطح آب سے برآمد ہوا۔ ہوں ہوں ہوں۔ مسافروں کی لاکھوں کی فریاد اور جہاز کے کپتان کی استدعا پر میں نے وہ اشتر باغ دادہ ہیں بحر عرب میں چھوڑ دیا ورنہ آپ حضرات بچشم خود اس کا مشاہدہ کر لیتے! ہوں ہوں ہوں۔

ظہور نے کہا "ہم بن دیکھے ایمان لا چکے ہیں قبلہ!"

حکیم بانا نے کہا "میں دیدہ وروں کا ذکر کر رہا تھا اُن میں آپ کا شمار مشکوک ہے! ہوں، ہوں ہوں۔ غرض اسی باغ دادہ پر سوار میں کارواں کے ساتھ تھا۔ ہم لوگ تین ہزار فٹ بلند ایک چوٹی سے اترنے والے تھے کہ آفتاب روپوش ہو گیا

اور عروس شب نے اپنے حجلہ سے نکل کر زلف سیاہ جھٹکا دی! ہُوں ہُوں ہُوں۔

لالہ صاحب نے داد دینا ضروری سمجھا۔ وہ بولے "کیا کہنا ہے قبلہ، کس لطف سے آپ نے تاریکی پھیلنے کو بیان فرمایا ہے!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہُوں، ہوں۔ راستہ اتنا خطرناک تھا اور تاریکی میں اس کا طے کرنا محال تھا اس لئے میر کارواں نے وہیں شب باش ہونا طے کیا۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں ہم لوگ اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور ایک چٹان کے سایہ میں آگ روشن کر کے کھانے پینے کے انتظام میں مصروف ہو گئے۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ میں نے اپنے اونٹ کی پیٹھ سے کجاوا کھول لیا اور حسب معمول اس کی مرضی پر اسے چھوڑ دیا۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ یہ مقام اپنے خونخوار جانوروں کے لئے بہت مشہور تھا۔ شیر بھالو، بھیڑیئے ہر طرح کے درندے ہر طرف دھاڑتے، چنگھاڑتے، بھبھکتے پھرتے تھے۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ اہل قافلہ نے پشت پر چٹان رکھ کر اپنے اور جنگل کے درمیان بڑے بڑے الاؤ جلائے تاکہ درندے آگ کے خوف سے ان تک نہ آئیں ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ سب نے اپنے اپنے سامان خورد و نوش کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے جانور بھی اپنے قریب ہی باندھ رکھے تھے۔ اونٹ، خچر، گھوڑے گدھے سب ہی تو تھے! ہُوں، ہوں ہُوں!

ظہور نے منہ سکھا کر پوچھا "انسانی صورت میں بھی!"

لوگوں کی ہنسی ختم نہ ہوئی تھی کہ حکیم بانا نے فوراً جواب دیا "جی ہاں، آپ کے بھائی بند وہاں بھی موجود تھے!" اور پہلے سے زیادہ قہقہہ پڑا۔ حکیم بانا نے ہوں ہوں کر کے تھوڑی دیر سب کا ساتھ دیا۔ پھر وہ بولے "سب کے جانور بندھے تھے، میرا اونٹ آزاد، حلقہ سے باہر، تاریکی میں غائب۔ ہوں ہوں ہوں۔ ہم نے الاؤ کو جلتا رکھنے کے لئے آپس میں

باریاں باندھیں اور سو رہے۔ تقریباً تین بجے میری باری آئی۔ ایک رفیق نے جب مجھے جگایا تو میں اپنا عصا کندھے پر رکھ کر پہریداروں کی طرح ٹہلنے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا قلہ ہائے کوہ سے آ کر ٹکراتی اور عجیب مہیب سی آواز پیدا کرتی۔ درخت کے پتے سرسراتے، انکی آواز بازگشت سے ایسا محسوس ہوتا جیسے کوئی اژدہا کنگریلی زمین پر رینگ رہا ہے۔ دور، بہت دور کوئی لکڑ بھگا ہنستا اور پورا پہاڑ قہقہوں سے گونجنے لگتا۔ ہوں ہوں ہوں ہوں! ــــ

مبین نے ظہور سے چپکے سے کہا "اب ہنسو تو لکڑ بھگے!"

حکیم بانا کہہ رہے تھے "دفعتہً مجھے اپنے ابیض کی بلبلاہٹ سنائی دی۔ آواز میں وہ گرج تھی جیسے وہ کسی کو للکار رہا ہے۔ رجز پڑھ رہا ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے اس کو ہمت دلانے کے لئے اُسے آواز دی "ابیض! ابیض! میرا منشا، تھا کہ اس کا آقا بھی اس کی پشت پناہی پر موجود ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔!۔

ظہور نے کہا "کیا کہنا، شیر کے مقابلے کے لیۓ لاٹھی تو کندھے پر تھی ہی!"

پھر لوگ کھِل کھلائے۔

حکیم بانا نے تیور بدل کر کہا "خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر: تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد! آپ اسے معولی لاٹھی سمجھتے ہیں۔ مگر یہ بھول گئے کہ تلوار کاٹتی ہے مگر ہاتھ چاہیئے! یہ ڈنڈا میرے ہاتھ میں بانا کا گرز تھا، فیل کش، شیر افگن!"

ظہور نے پھر منہ سکھا کر کہا "صحیح ہے!"

حکیم بانا بھڑک اُٹھے۔ انھوں نے ڈنڈا اُٹھا کر کہا "پھر مضحکہ اڑانے لگے جی تم! ہے شرط کہ ۔ ۔ ۔ !

ظہور نے سر جھکا کر کہا "سر حاضر ہے، مگر شیر افگن، روباہ شکار کیوں بنے؟"

حکیم بانا نے کہا "اچھا اب دخل در معقولات نہ دیجئے گا۔ ہوں ہوں ہوں! میں بیان کر رہا تھا کہ میں نے اشتر باغ داد کی بلبلاہٹ سنی۔ یہ کہہ رہا تھا کہ یہاں بھی ایک صاحب بے موقع بلبلا اُٹھے!" لوگ ہنس پڑے۔ ظہور کو جواب دینے سے خاں صاحب نے ان کا ہاتھ دبا کر روکا۔ حکیم بانا نے سلسلۂ کلام جاری رکھا "ہوں ہوں ہوں! واقعہ یہ ہوا کہ اونٹ کے بلبلاتے ہی شیر دھاڑے، ایک نہیں دو دو! اور یہ معلوم ہوا کہ میرے ابیض سے دونوں سے لڑائی ہونے لگی۔ ہوں ہوں ہوں۔ مجھ سے اپنی جگہ بیٹھا نہ گیا۔ میں ایک جلتا ہوا کندہ بائیں ہاتھ میں لیکر اُدھر لپکا۔ ہوں ہوں ہوں۔ کوئی بیس پچیس قدم چلنے کے بعد میں نے دیکھا کہ ہم جس چٹان پر مقیم تھے وہ دفعتہً عمودی شکل میں ختم ہوگئی، سامنے کوئی پچاس گز پر دوسری چٹان تھی اور بیچ میں ایک عظیم الشان، حد درجہ گہرا، تاریک اور عمیق غار! ہوں ہوں ہوں! ابیض اس غار کو پھاند کر دوسری چٹان پر چلا گیا جہاں رہتا تھا شیروں کا ایک جوڑا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے جلتے کندے کو اُدھر پھینکا، وہ اتفاق سے ایک حصے میں گرا جہاں خشک گھاس تھی، وہ روشن ہوگئی۔ اور سارا وہ حصہ دکھائی دینے لگا جہاں یہ عجیب و غریب جنگ ہو رہی تھی۔ ہوں ہوں، ہوں! عجیب منظر تھا، شیر اور شیرنی پچھلے پنجوں پر زور دیئے ہوئے اُچھلنے کے لئے تیار، ابیض دانت نکالے گردن بڑھائے جوابی حملے کے لئے مستعد! ہوں ہوں ہوں! دفعتہً شیر نے جست کی۔ وہ ہوا ہی میں تھا کہ ابیض نے اسے کمر کے پاس دانتوں سے پکڑ لیا اور ہڈیوں کے توڑنے والے ایک تراخے کے ساتھ جھٹکا دے کر غار میں پھینک دیا! ہوں ہوں ہوں۔ لیکن حملہ آور شیر کا وزن غیر معمولی ہوتا ہے، ہاتھی تک اس سے ٹکر لینے میں

لڑکھڑا جاتا ہے، اس لئے ابیض بھی اسے نیچے پھینکنے میں کچھ پیچھے ہٹا۔ ٹھیک اسی وقت شیرنی نے اس کی مڑی ہوئی گردن سے فائدہ اٹھایا اور داہنے پٹھے پر آ پڑی۔ ہوں ہوں ہوں۔ ابیض بڑی پھرتی سے جھکائی دینے کے لئے پیچھے اُچکا اور وہ بھی مع شیرنی کے غار میں! ہوں، ہوں، ہوں! میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی، "ہائے ابیض!" ہوں ہوں ہوں! چیخ کے ساتھ ہی میں پھاندا! دریوار میں نکلے ہوئے ایک جھاڑی نما درخت نے چند لمحوں کے لئے ابیض کو روکا، اس لئے وہ ہوا ہی میں تھا کہ میں تہ میں مُردہ شیر پر گرا، ہوں، ہوں، ہوں۔ اس کی تو ہڈیاں پسلیاں تک چُور ہو گئیں مگر مجھے ایک خاصے موٹے گدے کا آرام ملا۔ معاً ابیض قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے آیا۔ اور میں نے اسے ایک کیلے کے تنے کی طرح اپنے ہاتھوں پر روک لیا، اور اپنے برابر آہستہ سے زمین پر کھڑا کر دیا۔ ہوں، ہوں، ہوں!۔ ادھر اس جنگ کے شور نے سارے کارواں کو جگا دیا تھا پھر میری لگائی ہوئی آگ بھڑک اٹھی تھی!۔۔۔۔

ظہور نے مسکرا کر آہستہ سے "اور بی جمالو دوڑ کھڑی" اس طرح کہا کہ صرف مبین اور خاں صاحب ہی سن سکے۔ حکیم بانا نے مرتع کشی کی دھن میں یا تو فقرہ سنا ہی نہیں یا سنی ان سنی کر دی۔ وہ کہنے لگے۔ "گھاس کے پاس کی سوکھی جھاڑیوں اور خشک درختوں نے آگ پکڑ لی۔ ہوا بھی کچھ تیز چل رہی تھی، اس لئے چند منٹ میں شعلوں کا ایک تنق اٹھا کہ آسمانوں کو چھونے لگا! ہوں ہوں ہوں۔ دھواں دونوں چٹانوں پر پھیل گیا اور میرے ساتھیوں کا دم گھٹنے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ مجھے ابھی تک اپنے ساتھیوں کی مصیبت کی کوئی خبر نہ تھی۔ میرے لئے تو آگ نعمت بن کر آئی تھی۔ پورا غار روشن تھا۔ ابیض میرے پاس کھڑا کانپ رہا تھا۔ اس کے پٹھے سے خون جاری

تھا۔ مجھے اسکی چارہ سازی کی فکر تھی۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ میں نے ادھر اُدھر نظر کی۔ دیکھا کہ غار کے بیچ میں ایک چشمہ جاری ہے۔ فوراً ابیض کو وہاں لایا اور اُسے پانی میں اتارنا چاہا ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ وہ چشمے میں اترنے سے جھجکا تو میں نے چلو میں پانی لیکر اس کے زخم پر ڈالا۔ معاً اس کا زخم مندمل ہوگیا اور داغ تک غائب ہوگیا! ہُوں، ہُوں، ہُوں۔

ظہور نے پوچھا "آبِ حیواں تو نہیں تھا!"

حکیم بابا نے کہا "پہلی بار برمحل بولے اور ہر پہلو سے ادبی فقرہ بولے! ہُوں ہُوں، ہُوں۔ اس پانی میں کیا خاص کیمیائی اجزا شامل ہو گئے تھے اسکی تحقیق کا نہ اس وقت موقع ملا نہ بعد کو ہُوں، ہُوں، ہُوں! ایک طرف جلتے ہوئے درختوں کے تڑاخے اور شعلوں کی سن سناہٹ دوسری جانب بھاگتے ہوئے جانوروں اور درندوں کی خوفزدہ آوازیں، ان سب پر بالا خود میرے ساتھیوں کی فریادیں! ہُوں، ہُوں، ہُوں! بالآخر ان لوگوں نے میرا نام لیکر پکارنا شروع کیا "حکیم ہندی! حکیم ہندی"۔ میں نے چیخکر جواب دیا "میں غار میں ہوں!" ہُوں، ہُوں، ہُوں! ایک نے لیٹ کر نیچے جھانکا۔ پکار کر کہا سارے ساتھی دھوئیں سے بیہوش ہیں، اور آگ میں جل جانے کا بھی اندیشہ ہے سب کی جانیں خطرہ میں ہیں! ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ میں نے ایک منٹ غور کیا۔ سب کو غار میں بلا لینے ہی میں سلامتی دکھائی دی۔ مگر سب اس غار میں اتارے کیونکر جائیں، اسباب جانور، انسان! ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ میں نے چیخکر کہا سب کو ایک ایک کر کے اس غار میں پھینک دو۔ میں ذمہ دار ہوں کسی کو خراش تک نہ آئے گی! ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ میں نے ابیض کو اشارہ کیا۔ وہ زمین پر کوہان کے بل لیٹ گیا اور اس نے چاروں پاؤں بلند کر لئے۔ وہاں کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ غار میں پھاندے۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ میں نے کہا تجربہ کیلئے

گٹھریاں اور جانور پہلے گراؤ، پھر تم لوگ پھاندنا! ہوں ہوں ہوں ہوں اُدھر چٹان پر ٹکنے میں جل جانا یقینی، ادھر میں انکی ڈھارس بندھا رہا ہوں۔ مرتا کیا نہ کرتا، گٹھریاں گرائیں! ہوں ہوں ہوں۔ جو گٹھر گرا، ابیض نے پاؤں سے چوٹ دی۔ وہ اُچھلا، میں نے لوک کر اسے زمین پر رکھ دیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب جانور گرائے گئے۔ اونٹ، گھوڑے خچر، دھما دھم دھما دھم۔ ابیض نے پاؤں پر ان کا جھٹکا لیکر انھیں اچھالا، میں نے لوکا اور زمین پر کھڑا کر دیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ وہ بلبلا رہے ہیں، ہنہنا رہے ہیں، رینگ رہے ہیں۔ اور اوپر سے دھما دھم گرتے چلے آرہے ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ یہاں تک تو غنیمت تھا، یہ ڈھکیلے گرائے جا سکتے تھے مگر اب انسانوں کی باری تھی۔ کسی کی بھی ہمت نہ پڑتی تھی۔ تقریباً ایک ہزار گز گہرا غار، دھوئیں اور کہرے سے بھرا ہوا، نہ اچھی طرح میری صورت دکھائی دیتی ہے اور نہ ان کی جو اس وقت تک بخیریت یہاں پہنچ چکے ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ ہر ایک جھجک کر پیچھے ہٹ جاتا ہے کوئی اگوا بننے کے لئے تیار نہیں۔ میں نے غصہ میں میر کارواں کو للکارا۔ سرداری بچوں کا کھیل نہیں تم جان پر کھیل کر راستہ دکھاؤ۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہ مرد جوان مرد تھا۔ غیرت سے آب آب ہو گیا۔ اس نے آواز دی میں آرہا ہوں حکیم ہندی اور بسم اللہ کہہ کر پھاندا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے ابیض کو الگ کر دیا تھا، انسانوں کو اسکی ٹانگوں سے چوٹ لگ جانے کا ڈر تھا۔ میں اب تنہا کھڑا تھا۔ جیسے ہی گرتا ہوا سردار قریب پہنچا میں نے جست کی اور اسے پھول کی طرح ہاتھوں میں لیکر زمین پر کھڑا کر دیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہ تیورا کر زمین پر بیٹھ گیا مگر ایک ہی منٹ میں حواس درست کر کے پکارا "حکیم ہندی معجزہ کر رہا ہے۔ کوئی خطرہ نہیں، ایک ایک کر کے پھاندو"۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ بس

ایک ایک کرکے سب پھاندے۔ بچے جوان بوڑھے، مرد عورتیں!

ظہور نے کہا "ارے عورتیں بھی اس پھاندنے میں شریک تھیں! جب تو گویا کنواں خود پیاسے کے پاس ہی نہیں بلکہ اوپر آرہا تھا! زہے قسمت! یوں بارش رحمت و نعمت!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ آپ کے منہ میں پانی بھر آیا نا! مگر اس وقت یہ نعمت و رحمت صرف آفت و زحمت تھی۔ اس لئے کہ انھوں نے اپنی خواہ مخواہ کی چیخوں سے سارا غار سر پر اٹھا رکھا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ بہر نوع ایک ایک کرکے سارا سامان، سارے جانور اور سارے ساتھی غار میں صحیح سالم پہنچ گئے۔ جسے بھی ذرا سی خراش آئی تھی یا کہیں ٹوٹ پھوٹ گیا تھا، میں نے جلد ہی اسے چشمے کے پانی سے دھویا یا اس میں غوطہ دیا اور وہ بالکل ٹھیک اور تازہ دم ہو گیا۔ ہوں ہوں ہوں!"

اب شب کے نو بج چکے تھے، محل سرا سے ماما آئی کہ کھانا تیار ہے۔ خاں صاحب کو حضور بلا رہی ہیں۔ جلسہ برخواست ہوا اور لوگ حکیم بانا سے رخصت ہو کر اپنے اپنے گھر گئے اور اپنی اپنی جگہ طے کر گئے کہ ان کا دیہاتی خالص سودیشی منگ ہاؤزن آپ اپنی نظیر ہے!

سولھواں باب

"آبِ حیواں"

دوسری شام کی نشست میں حکیم بانا کی داستان سننے کا اشتیاق چائے کے شوق سے بھی تیز تر نکلا۔ نوجوانوں کو اس ہلکے میٹھے اور گرم پانی میں جسے وہ دو گھونٹ میں پی جاتے تھے وہ مزہ ہرگز نہ ملتا تھا جو حکیم بانا کی ثقہ زٹیوں میں تھا۔ ان میں اکثر جھوٹ بولنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ وہ اسکاؤٹ کیمپوں، ضلع اور صوبے کے مقابلوں میں شریک ہو چکے تھے۔ ان میں سے کئی نے بڑے بڑے معرکے جیتے تھے۔ ان کے پاس انسپکٹروں کی ڈائرکٹروں کی سندیں تھیں کہ وہ بڑے جھوٹے ہیں۔ مگر یہ فنکار بھی اپنی اپنی جگہ کان پکڑتے کہ ان میں سے کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ حکیم بانا کی صفائی، وثوق اور خود اعتمادی سے، یا انکی متانت، سنجیدگی اور وقار کے ساتھ یا ان کے جیسے ادیبانہ، عالمانہ، حاکمانہ، جابرانہ انداز سے سفید جھوٹ بول سکے، اور اپنی دروغ بافی کو مبالغہ کا حسن کہہ کر گھڑکیوں، جھڑکیوں، اور ناراضگی کی دھمکیوں کے سہارے منوا بھی سکے۔ اس لئے وہ سچے طالبِ فن کی طرح زٹ کے آرٹ کے جگت گرو کا درشن کرنے آتے تھے۔ اور اب وہ اس گُر کو اچھی طرح سیکھ گئے تھے جو حکیم بانا کو خوش رکھنے کے لئے حد درجہ ضروری تھا یعنی ان کی بات سنتے وقت دل ہی دل میں کیسی ہی گدگدیاں اٹھیں مگر چہرے سے متانت نہ جائے۔ پیٹ میں ہنسی کے چوہے کودیں مگر چہرے پر یقین کا بھولا پن ہی کھیلتا رہے۔ جھوٹ کے نازک ولطیف و حسین و

خیالی پیکر پر سیچ کا فاقہ کش، ریاضت کیش و حق پرست سوکھا چہرہ لگا دینا بہت بڑی ہنرمندی تھی۔ اسکی تحصیل معمولی کسب کا فیض نہ تھی، یہ نعمت ہر ایک کو نصیب نہ ہو سکتی تھی۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

چنانچہ حکیم بانا آئے تو ہر ایک نے کھڑے ہو کر سلام کیا اور ہر ایک مودب بیٹھ گیا۔ خاں صاحب نے جلدی سے خالص رنگ کی ایک فنجان بڑھائی اور رسمی مزاج پرسی کی۔

لالہ صاحب اپنی شاگردی کے زعم میں بول اُٹھے "جناب حکیم صاحب قبلہ، یہ سب لوگ گھنٹوں سے کل کے قصے کے تتمہ کے اشتیاق میں بیٹھے ہیں!"

حکیم بانا نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا "جناب لالہ صاحب، نہ میں قصہ گو ہوں، نہ داستان گو! ہُوں، ہُوں، ہوس!

ظہور نے بات بنائی "جی! لالہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ کل جو واقعہ آپ بیان کر رہے تھے اس سلسلے میں یہ سب لوگ یہ سننا چاہتے ہیں کہ آپ مع ساتھیوں کے اس غار سے کیونکر باہر نکلے"!

حکیم بانا نے کہا "صحیح ہے، مگر میں اس امر کو پھر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کوئی قصہ کہانی نہیں بیان کر رہا ہوں کہ اسے غلط اور لغو من گڑھت سمجھ لیا جائے۔ بلکہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو مجھے بذات خود پیش آیا اور جس کی تصدیقیں اس زمانے کے عربی اخبارات میں چھپیں! ہُوں، ہُوں، ہُوں!۔

مبین نے کہا "جی، قبلہ، ہم میں مشٹنگ صرف ظہور بھائی ہیں اور کوئی نہیں لیکن یہ آپ کے دربار میں خاص حقوق کے مالک ہیں!"

ظہور نے اپنے پر اوڑھ لی۔ وہ بولے "ارے بھئی میری چھوٹی سی کھوپڑی میں جتنی سمائی ہے اتنی ہی تو سمجھ ہوگی۔ ع دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر!"

حکیم بانا نے پوچھا "ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ تو بھر دیا جائے آپ کا ظرف؟"

ظہور نے کہا۔ "ہاں، ہاں۔ مگر جلدی!

کہاں سے لاؤں صبر حضرت ایوب اے ساقی خم آئے گا، صراحی آئے گی تب جام آئے گا!"

سب لوگ ہنسے کچھ تو حاضر جوابی پر، کچھ برمحل شعر پڑھنے پر۔ ان کے ظہور بھائی بھی عجیب باکمال آدمی تھے۔ انھیں ہر موقع اور ہر محل کے لئے شعر یاد تھے۔ اور کیسا برجستہ اور بے جھجک پڑھتے تھے کہ حکیم بانا جیسا عالم اور مولوی بھی جھوم اُٹھتا تھا۔ یہ تینوں گاؤں کی ناک تھے۔ خاں صاحب جیسا دوسرا رئیس ضلع بھر میں کہیں نہ تھا، ظہور بھائی جیسا بذلہ سنج، ہر مجمع میں چہکنے والا انسان رامپور وا ہو یا ٹھاکر گنج کہیں بھی نہیں! اور رہے حکیم بانا، واہ واہ صاحب کیا کہنا ہے اُن کا۔ ان کے مقابلے کا کوئی دوسرا آدمی شاید ہی انگریزی راج میں کہیں اور مل سکے!" انگریز کی تو ہم نہیں کہہ سکتے وہ جھوٹوں کے بادشاہ ہیں، مگر ان کے محکوم غلاموں میں خواہ وہ نئی دنیا میں ہوں یا پرانی دنیا میں، کوئی دوسرا ہمارے حکیم سے ٹکر نہیں لے سکتا! ان کے سینے غرور وخوشی سے تن گئے، ان کے کلیجے دو دو ہاتھ کے ہو گئے —— "ہاں حکیم صاحب! ہاں قبلہ!" کی آواز ہر طرف سے بلند ہوئی۔

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ اب آپ لوگوں کا اصرار ہے تو بقیہ واقعات بھی بیان کئے دیتا ہوں۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ کل شب میں میں نے پورے کاروان کو غار میں اتار لینے کا ذکر کیا تھا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اب ہم لوگ جانور، انسان۔۔۔۔۔۔"

ظہور نے کہا۔ "یہ لوگ" میں جانور بھی بہت ہی خوب۔ برادری اچھی تھی!"
حکیم بابا نے "ہوں ہوں کہہ کے کہا" جناب ظہور صاحب، میں آپ کی برادری کے حقوق کیسے بھول سکتا ہوں! اب تو وہ بقول انگریزوں کے میرا بہترین نصف ہیں!"
اس پر بڑے زور کا قہقہہ پڑا اور لالہ صاحب نے سب سے زیادہ شور کر کے استاد کی داد دی۔

ظہور نے کہا "اچھا قبلہ، میں نے تو اپنی برادری کا حصہ پا لیا۔ آپ اپنے اخوان کا حال سنائیے!"
حکیم بابا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ دونوں طرف جنگل میں آگ لگی ہوئی تھی، ہوا تیز چل رہی تھی، اور جلتی ہوئی شاخیں، سوزاں حصہ ہائے درخت، ٹہنے، تنے، کندے اڑ اڑ کر دور دور تک جاتے اور اس آگ کو بڑھاتے تھے۔ ہوں ہوں ہوں۔ ہمارے غار کی دیواریں عمودی تھیں، کسی طرف سے اوپر چڑھنے اور اس باؤلی سے نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ آگ کے خوف اور اسکی تپش و حدت سے درندے اور مختلف قسم کے جانور ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بعض ان میں سے سراسیمگی کی حالت میں غار کو پھاندنے کی سعی لاحاصل کرتے اور فاصلے کی زیادتی کی وجہ سے اندر گر کر پاش پاش ہو جاتے۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس سمت سے جدھر ابھی آگ کا اثر نہ پہنچا تھا مگر اس کے پھیلنے کا خطرہ تھا یہ بے زبان بھاگ بھاگ کر آتے اور خوف سے بدحواس ہو ہو کر غار میں گر پڑتے! ہوں ہوں ہوں۔ انکی چیخ، ان کے گھگھونے کا دھماکا، ان کا گر کر تڑپنا، کراہنا، فریاد کرنا عجیب ہیبتناک منظر تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ پھر اس پر جلتی ہوئی ٹہنیاں بھی گرتیں، چٹختی ہوئی شاخیں یا

اشاروں سے ارکان ادا کرتا رہا۔ ہُوں ہُوں، ہُوں۔ اب آفتاب بلند ہوا، درخت آئے خشک و تر نے بھی جل کر کوئلوں کی صورت اختیار کر لی تھی، آتش زدہ و جوش وطیور کا گرنا بھی بند ہو گیا تھا، ہم لوگ بھی محنت شاقہ سے تھک کر چور ہو گئے تھے۔ بھوک بھی لگی تھی پیاس بھی۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ میں نے ڈنڈا روکا اور اونٹ سے نیچے پھاند کر ادھر اُدھر نظر ڈالی۔ جہاں درندے گرے تھے وہیں ہرن جنگلی بکریاں، بھیڑیں بھی گری ملیں۔ ان میں سے اکثر تو مردہ تھیں، لیکن چار پانچ سو میں جان تھی۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ کسی کا پاؤں ٹوٹا ہوا کسی کا سینگ، کسی کی پیٹھ زخمی، کسی کا پیٹ۔ کوئی سر کے پاس چوٹ کھائے ہوئے تھی کوئی پُٹھے پر۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ میں نے چند آدمیوں کو ساتھ لیکر جلد ہی جلدی انھیں اسی آب حیواں میں غوطہ دیا۔ ان میں کا ہر جانور تندرست و توانا، چاق و چوبند ہو کر طرارے بھرنے لگا۔ ہُوں ہُوں ہُوں! مگر جاتا کہاں؟ ہر پھر کے دائرے ہی میں تو قدم رکھنا تھا! اس لئے دو ایک پکڑ کر ذبح کئے گئے، البقیہ اسی طرح کلیل کرتے چھوڑ دیئے گئے ہُوں ہُوں ہُوں۔

ظہور نے مسکرا کر کہا "ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں!"

حکیم بانا نے کہا "ہُوں ہُوں ہُوں۔ ماشاء اللہ اصلاح اچھی دی! مگر آپ "پوچ گویان ہند" کا ذکر کرتے ہیں ایرانی کی شیریں مقالی دیکھئے۔

صید از حرم گشد قد جد بلند تو فریاد از تطاول مشکیں کمند تو!

خاں صاحب نے کہا "سُبحان اللہ کیا کہنا فارسی شعر کی بلاغت کا!"

میں نے کہا "جناب مجھکو تو شعر و شاعری سے کوئی ربط نہیں، لیکن یہ ان غریب مرے ہوئے جانوروں کو پانی میں ڈال کر دوبارہ زندہ کرنا اور انھیں پھر ذبح

بھی گرتیں، گرمی بڑھتی جاتی تھی، دھواں بڑھتا جاتا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ غار بھی آتشکدۂ نمرود بن جائے گا! ہوں ہوں ہوں۔ میں نے اسی لئے سارے ہمراہیوں کو چشمہ میں اتار دیا، بعض کی پیٹھ پر کسی کجاوے لبان اور چونڈ ان میں ملا کر ایک دوسرے سے مضبوط باندھ دیئے اور اس پر عورتوں اور بچوں کو بٹھا دیا، مردوں کا فرض تھا کہ وہ چشمے سے پانی اُچھال اُچھال کر ہر ایک کو بھگوتے رہیں اور قافلہ والوں میں آگ نہ لگنے دیں ہوں، ہوں، ہوں! سب سے زیادہ خطرہ اوپر سے گرتے ہوئے درندوں اور جلتے ہوئے درختوں کا تھا۔ اس لئے میں خود ابیض کے سر پر اس کے دونوں کانوں کے درمیان پاؤں جما کر کھڑا ہو گیا اور میں نے پانا کے ہاتھ ہلانا شروع کئے۔ ہوں ہوں۔ اب جو شیر گرتے ہیں، تیندوے گرتے ہیں، چیتے گرتے ہیں، بھالو گرتے ہیں، گرگ گرتے ہیں، لکڑ بھگے گرتے ہیں، گیدڑ گرتے ہیں، لومڑیاں گرتی ہیں، ٹہنیاں گرتی ہیں، شاخیں گرتی ہیں، درخت گرتے ہیں جو بھی قافلہ کو ضرر پہنچانے والا زمین کی طرف آتا ہے، بس تڑاق، پڑاق، تڑ پڑ، اس پر ڈنڈا پڑتا ہے اور وہ وہیں سے بے جان و بے ضرر ہو کر دور جا گرتا ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔

ظہور نے کہا "موئے کو ماریں شاہ مدار! ابی وہ تو خود ہی جل بھن کر کباب ہو رہے تھے!"

حکیم بانا نے غرا کر ڈانٹا "جی ہاں، مگر نہ تو ان کی آتش زدگی کی صلاحیت میں کمی ہوئی تھی اور ان کی تیزیٔ پنجہ و دنداں میں! ہوں ہوں ہوں! ذرا سوچئے تو کہ مرا ہوا شیر بھی اگر کسی بچے یا عورت پر اتنے فاصلے اور اتنی بلندی سے گر پڑتا تو کیا ہوتا! ہوں ہوں ہوں۔ تھوڑی ہی دیر میں سپیدۂ سحری نمودار ہوا اور نماز صبح کا وقت آ گیا۔ ہم نے ایک طرح نماز خوف پڑھی۔ جو جس کام میں لگا تھا اسے انجام دیتا رہا اور زباں اور

کر ڈالتا کچھ اس مصرع کا مصداق معلوم ہوتا ہے:" وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا!"

ظہور نے تڑسے ترمیم کی "بھین میاں آپ نے مصرعہ غلط پڑھا۔ اس موقع کے لئے یوں پڑھئے ع وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے کباب الٹا!"

اس پر سب ہنس دئیے۔ اور حکیم بانا نے بھی ہوں ہوں کرکے چہرے کی رگیں پھلائیں یعنی وہ مسکرائے۔

وہ بولے "ہوں ہوں ہوں۔ جب ذرا اکھاپی چکے تو اس کی فکر ہوئی کہ اب اس غار سے نکلیں کیونکر۔ گھوم کر اسے چاروں طرف سے دیکھا۔ قطر میں تقریباً ایک میل، ہر طرف کالے کالے خاردار پتھر۔ ہوں ہوں ہوں!۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آتش فشاں مادہ اس حصے میں کسی زمانے میں ایسا جمع ہو گیا تھا کہ اس نے پورے پہاڑ کو اڑا کر اس مقام کو غار بنا دیا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ چاروں طرف دیواریں ایسی کہ نہ کوئی پہاڑ سے اتر سکتا ہے، نہ یہاں آنے کے بعد اوپر چڑھ سکتا ہے۔ نہ کوئی درخت کہ جس سے سہارا ملے، نہ کوئی ایسی چٹان جس پر قدم ٹکا سکے۔ ہوں ہوں ہوں۔ لے دیکے بس ایک وہی جھاڑی، جس پر ابھیں گھرنے میں اٹکا تھا۔ وہ بھی زمین سے اتنی زیادہ بلندی پر کہ اس تک پہنچنے کی کوئی صورت نہیں۔ ہوں ہوں ہوں!۔ اہل قافلہ کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ حد درجہ پریشان و مضطرب ہوئے۔ ہر ایک فریاد کرنے لگا حکیم ہندی ہمیں کسی طرح اس کنوئیں سے نکالو۔ کوئی تدبیر کرو، کوئی علاج سوچو! ہوں ہوں ہوں۔ میں نے سمجھایا اس قدر گھبرانے کی کیا بات ہے۔ غذا کے لئے ہمارے پاس اتنے جانور موجود ہیں، پانی کا خنک چشمہ پاس ہی ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے کہا حکیم ہندی یہ پانی نہیں ہے، عرق ہاضم سے بھی ہزار گونہ تیز دوا ہے۔ میں نے تو ناک تک کھایا تھا

پانی پیتے ہی پیٹ خالی ہے۔ بھوک سے دم نکلا جا رہا ہے! ہوں ہوں ہوں۔ اس کے خیال دلاتے ہی سب بھوک بھوک! چلّانے لگے۔ اب جو میں نے غور کیا تو واقعی مجھ کو بھی بھوک لگی تھی! ہوں ہوں ہوں۔ فوراً دو کی جگہ چار جانور ذبح کئے گئے اور توشے میں جتنی روٹیاں تھیں وہ سب ان کے کبابوں کے ساتھ کھالی گئیں! ہوں ہوں ہوں۔ لیکن میں نے اب کے پانی پر قدغن کی۔ میں نے کہا پانی خود اپنے ساتھ ہے وہی جرعہ جرعہ پیو، چشمے کے پانی کا ایک قطرہ بھی کسی کے حلق سے نہ اُترے! ہوں ہوں ہوں۔ چنانچہ اس طرف سے اطمینان کرکے میں نے پھر اس بادلی سے نکلنے کے مسئلے پر غور کرنا شروع کیا۔ دفعتہً ابیض پر نظر گئی۔ دیکھا تو وہ بھی گردن اُٹھائے اس طرف کی دیوار کو دیکھ رہا ہے جدھر جھاڑی تھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ معاً ایک تدبیر دماغ میں آگئی۔ ہوں ہوں ہوں۔

غار کی بھوک کے سلسلے میں حکیم بانا کو یاد آگیا تھا کہ ان کے گلے بڑی دیر سے خالی ہیں۔ اس لئے انھوں نے رُک کر دو گلوریوں سے ان کو بھرا، حقہ پر کئی کش لگا کر اپنا دم بڑھایا۔ تھوڑی دیر ہوں ہوں کرکے مجمع کے اضطراب کو نظروں میں تولا پھر وہ بولے "میں نے کارواں بھر کے رستے جمع کئے، اُن سب کو مضبوط گرہیں دے کر کئی سوگز لمبا رسّا تیار کیا! ہوں ہوں ہوں۔ اب میں ابیض کو لیکر اس طرف گیا جہاں دیوار میں جھاڑی اُگی ہوئی تھی۔ رسّے کے سرے پر اپنے ڈنڈے کو باندھا اور ابیض کی پیٹھ پر کھڑے ہوکر ڈنڈے کو گھما کر اوپر پھینکا۔ وہ جھاڑی میں پھنس گیا۔ میں نے اسے کھینچکر اچھی طرح دیکھ لیا کہ وہ مضبوطی سے شاخوں میں اٹک گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب میں رسّی پر چڑھ کر جھاڑی تک پہنچ گیا۔ دیکھا تو جڑیں کافی موٹی اور مضبوط ہیں۔ مگر ان پر پاؤں جماکر کھڑا ہونا ذرا مشکل۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے ابیض کو اشارہ کیا۔ اس نے رسّے کو

دانت سے مضبوط پکڑ لیا۔ اور آپ جانتے ہی ہیں کہ اونٹ کی پکڑ ضرب المثل ہے۔ اُس نے رسّے کو دانتوں سے پکڑ لیا اور میں نے دو شاخوں پر پاؤں ٹکا کر اسے اوپر کھینچ لیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے ابجن کو دو موٹی شاخوں پر سیدھے سیدھے بٹھا دیا۔ اور اس کے کوہان پر کھڑے ہو کر ڈنڈا اوپر پھینکا۔ وہ وہاں ایک چٹان میں پھنس کر رک گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب میں اوپر چڑھ گیا۔ وہاں دیکھا تو پہاڑی راستہ راکھ سے اٹا ہے، آگ بجھ چکی ہے، مگر سارا پہاڑ اس طرح تپ رہا ہے کہ پاؤں نہیں رکھا جاتا۔ دانہ ڈال دیجئے تو بریاں ہو جائے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں وہاں سے رسّے کے ذریعہ پھر جھاڑی پر اترا۔ جھٹکا دے کر ڈنڈے کو نکالا۔ اس کا سرا ابجن کے منہ میں دیا، اُسے نیچے اتارا، پھر ڈنڈا جھاڑی میں پھنسا کر خود اترا۔ ہوں ہوں ہوں!۔

"سارا قافلہ منہ کھولے "العجب! العجب" کہتا پاس ہی کھڑا تھا۔ میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی کہ ایک شب اور غار ہی میں کاٹنا پڑے گی۔ ہوں ہوں ہوں۔ جب سب کو یقین آگیا کہ میں دوسرے دن انھیں غار سے ضرور نکال لے جاؤں گا تو اُن کے سر پر بے فکری سوار ہوئی۔ لوگوں نے چشمے کا پانی پینا اور جنگلی بکروں، بھیڑوں اور ہرنوں کو شکار کر کے بھوننا اور کھانا شروع کیا۔ پورا دن اور پوری رات عجیب جشن میں سب نے گزارا۔ ہوں ہوں ہوں۔ صبح کو نماز کے بعد جب جائزہ لیا گیا تو صرف دس راسیں نکلیں۔ پانچ سو راسیں دن رات میں پچاس کے قریب آدمیوں نے، جن میں عورتیں اور بچے نہ تھے، بھون کر کھا ڈالے! اور ہر ایک کا وزن من ڈیڑھ من بڑھ گیا ہوں ہوں ہوں۔ ـــ"

میں نے سب کو ایک جگہ جمع کر کے سمجھایا اب تم میں سے ایک متنفس بھی چشمے کے

پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پیئے اور نہ اپنے ساتھ کسی شیشی میں لے جانے کی کوشش کرے اس لئے کہ اگر اوپر پہنچ کر کسی نے یہ پانی پیا تو ممکن ہے آنتیں تک گل جائیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے ہدایت دے کر سب کو اسی جگہ جمع کیا جہاں جھاڑی میں بندھا رسا لٹک رہا تھا۔ میں اس کی مدد سے اوپر پہنچا۔ ابیض نے پھر دانت سے اُسے پکڑا۔ میں نے اُسے اوپر کھینچ لیا ہوں ہوں ہوں ہوں۔ اس کو اسی طرح شاخ پر لٹا کر میں نے رسا پھر نیچے لٹکایا۔ میر کارواں سے کہا اس میں اپنا اونٹ باندھ دو اور خود اس پر سوار ہو جاؤ۔ اس نے ویسا ہی کیا۔ میں نے دونوں کو اوپر کھینچ کر ابیض پر بٹھا دیا۔ ہوں ہوں ہوں ہوں۔ پھر ڈنڈا اوپر پھینک کر اُسے چٹان میں پھنسایا، خود اوپر گیا اور میر کارواں کے اونٹ کو اوپر کھینچ لیا۔ اسے وہاں چھوڑ کر پھر نیچے جھاڑی پر آیا۔ دوسرے اونٹ کے معاملے میں بھی یہی کرنا پڑا۔ ہوں ہوں ہوں۔ غرض تمام جانوروں، گٹھروں، مردوں، عورتوں کو مجھے یونہی دو بار کھینچنا اور اوپر پہنچانا پڑا ہوں ہوں ہوں۔ اب صرف ابیض رہ گیا تھا۔ میں اس کے صبر و برداشت کی تعریف نہیں کر سکتا۔ سارا قافلہ، جانور و انسان، اسکی پیٹھ پر لدا گیا اور وہ اسی طرح شاخ پر پیٹ کے بل بیٹھا جگالی کیا کیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میری حالت یہ تھی کہ تھک کر چور ہو گیا تھا سر سے پاؤں تک پسینے میں تر۔ ابیض نے جب رسا دانت میں پکڑا اور میں نے اُسے کھینچنا چاہا تو محسوس ہوا جیسے دونوں بازو ٹوٹ کر الگ ہو جائیں گے۔ ہوں ہوں ہوں۔ ابیض نے غالباً میری کمزوری اور مشکل محسوس کی۔ اس نے پچھلے دونوں پاؤں پر کھڑے ہو کر اگلے دست چٹان پر ٹکائے اور اب میں جو کھینچتا ہوں تو مجھے مطلقاً زور نہ لگانا پڑا۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہ رسے کے سہارے غار کی عمودی دیوار پر خود ہی

چڑھتا چلا آیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ جب اس نے اگلے پاؤں چٹان پر رکھے اور میں نے جھٹکا دے کر اسے چٹان پر کھینچ لیا تو میں تھک کر گر پڑا۔ اور دیر تک بدحواس اور بے سُدھ پڑا رہا۔ ہُوں ہوں ہُوں۔ کاروان والوں نے جب دیر تک ہاتھ پاؤں دبائے اور میر کارواں کی کنیزوں نے گرم پانی میں نمک ڈال کر اس سے میرے پاؤں دھوئے پنڈلیاں سُوتیں، جب جاکر میں اُٹھ کر بیٹھا اور تھکن مٹی۔

ظہور نے مسکرا کر کہا "یہ "پاؤں داب تو دے!" والا مقام تو جم کر بیان کرنے کا تھا بڑی روا روی میں آپ اس سے گزر گئے!"

حکیم بانا نے عمر میں پہلی بار شرما کر جھڑکا "بہت ہی بدتہذیب ہو جی، تم! لڑکوں کے سامنے ایسی باتیں!۔ ہُوں ہوں ہُوں"

بزرگ مسکرائے۔ نوجوانوں نے گردنیں نیچی کرلیں۔ ظہور نے آہستہ سے شعر پڑھا۔

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی ۔۔۔ بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

حکیم بانا ہوں ہوں کر کے خوش ہو گئے!

سترھواں باب

"جل پری"

دوسری شام کو خاں صاحب کے پھاٹک پر پہرے بٹھا دیئے گئے۔ ہر آنے والے سے یہی کہہ دیا گیا کہ خاں صاحب آج ضروری کاموں میں مشغول ہیں۔ وہ آج کسی سے نہ ملیں گے۔ صرف ظہور، ہمین، لالہ صاحب اور حکیم بانا کو باریابی کی عزت حاصل ہوئی۔ بات یہ تھی کہ رات کو چلتے وقت حکیم بانا وعدہ کر گئے تھے کہ وہ اپنے رومان بیان کریں گے۔ مگر شرط یہ تھی کہ تخلیہ کی صحبت ہو، عام لوگ اس میں بار نہ پائیں۔

ظہور و ہمین پہلے سے موجود تھے۔ حکیم بانا مع لالہ صاحب کے آئے۔ وہ ایک سعادت مند شاگرد کی حیثیت سے شام کی نشستوں میں سایہ کی طرح استاد کے ساتھ رہتے تھے۔ حکیم بانا ان پر اظہار قابلیت سب سے زیادہ ضروری سمجھتے تھے۔ اس لئے ایسی مجلسوں میں جن میں حکیم بانا کے معرکے بیان کئے جائیں، انکی موجودگی ضروری تھی۔

حکیم بانا کے آتے ہی ظہور نے کہا "ہاں قبلہ، وہ جو کنیزوں نے پاؤں دھو دھو کر پیئے تو ان میں سے کسی پر اس ٹوٹکے کا کوئی اثر نہ ہوا؟"

حکیم بانا نے کہا "آپکی ذہانت میں شک نہیں۔ ذرا غوطہ لگایا اور تہ کی مٹی لائے!۔ لیکن ان واقعات کے بیان میں اب میری یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

ٹوٹی ہوئی ناؤ دیکھتا ہوں ــــــ دریا کا بہاؤ دیکھتا ہوں

ظہور نے کہا "ابھی اب سفینہ کنارہ سے آلگا، اب کا ہیکا ڈر! ہو چکا جو

ہونے والا تھا۔

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ مگر خداوند۔ اس پر بھی تو غور کیجئے۔

سفینہ جبکہ کنارے سے آلگا غالبؔ خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہئے

لالہ صاحب نے کہا "سبحان اللہ حکیم صاحب قبلہ۔ خداوند سے تخاطب اور پھر اس کے بعد یہ شعر حسن بیان و کلام کا معجزہ ہے!

ظہور نے کہا "جی میں ان کے حسنِ بیان کا بہت دنوں سے قائل ہوں

ہر بات ہے لطیفہ و ہر اک سخن ہے رمز ہر آن ہے کنایہ و ہر دم ٹھٹھولیاں!

اس شعر پر سب نے قہقہہ لگایا تو وہ رُک کر بولے "مگر مجھے اس وقت تو بیانِ حسن مطلوب ہے! وہی ستم و جورِ عشق کی کہانی جو اس پاشوئی کے بعد شروع ہوئی۔

ظہور نے کہا "رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے!

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ مگر داغہائے دل کہیں دھونے سے چھوٹتے ہیں! پھر نوع سنئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ ان کنیزوں میں سے ایک جو میرا پاؤں دھو رہی تھی، دفعتہً قدموں پر ہاتھ رکھے رونے لگی۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے پوچھا سببِ گریہ کیا ہے، اس نے کہا الماس کا بڑا قیمتی ہار، جو اسکی جیب میں تھا، رسے کے ذریعہ اوپر کھنچے جانے کے وقت غار میں گر گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ یہ ہار میرِ کارواں نے اسی کنیز کے ساتھ خاص طور سے ملکہ یمن کے لئے اور اسکی فرمایش پر خریدا تھا۔ اور کنیز کو بحفاظت تمام رکھنے کو سپرد کیا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب اس کنیز کی جان پر بنی تھی کہ وہ میرِ کارواں کو کیا جواب دے گی اور ملکہ کے عتاب سے کیونکر بچے گی۔ ہوں ہوں ہوں۔ معاملہ ہزاروں ہزار کا تھا۔ پھر جابر ملکہ کی پسندیدہ فرمایش، کسی کو غار والے واقعہ کا

یقین نہ آئے گا۔ عقوبت میں نہ جانے گردن اڑا دی جائے یا حبس دوام کی سزا ملے۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ شمع فروزاں کی طرح چشم پرآب سے گہرہائے اشک اس کے قرمزی رخساروں پر اس ڈھب سے ڈھلک رہے تھے کہ ـــــ"

حکیم بانا تشبیہ کی تلاش میں رُکے تو ظہور نے مسکرا کر لقمہ دیا "کہ پتھر بھی موم ہی نہ ہوا بلکہ سوزش حُسن سے لعل بدخشاں بن گیا!"

سب ہنس پڑے۔ لالہ صاحب نے جھوم کر واہ واہ کی۔ حکیم بانا نے کہا "ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ ماشاء اللہ شاعری کی صلاحیت ہے! ہُوں ہُوں ہُوں۔ واقعی میرے دل پر اس حسن دلآویز کا بہت اثر ہوا۔ میں نے کہا تم دل نہ تھوڑا کرو، میں وہ ہار تلاش کر کے واپس لاؤں گا۔ اور اس نے جھک کر میرے قدم چوم لئے۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔

ظہور نے کہا

"قدم لیتا ہوں میں آپ کی قسمت کے حُسن اور خود اپنا ہدیہ پیش کرے!

لالہ صاحب نے کہا "یہ تو پتی ورتا کی حد ہے!"

حکیم بانا نے کہا "ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ میرے لئے تو گویا یہ وعدہ پرِ بھر لگانا تھا! اُٹھنا ہی پڑا۔ اور میر کارواں کو اس راز میں شریک کرنا ہی پڑا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ پہلے تو میں نے یہی کہا کہ میں اپنی ہی ایک قیمتی چیز غار میں چھوڑ آیا ہوں۔ میر کارواں نے کہا حکیم ہندی تم خستہ ہو گئے ہو، اب جانے اور پلٹنے کی طاقت نہیں۔ جان کا خطرہ ہے اور وہ ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس لئے اس کے دُگنے تگنے دام ہم سے لے لو، مگر اس قصد سے باز آؤ۔ سارے قافلہ نے ہم آواز ہو کر کہا ہم حکیم ہندی کو کسی طرح پھر غار میں اُترنے نہ دیں گے۔ ہوں ہوں ہوں۔ مجبوراً میں نے میر کارواں کو الگ لے جا کر ملکہ یمن کے ہار کا

قصہ سنایا، اب تو اس کے دم پر بھی آ بنی۔ وہ جانتا تھا ملکہ کا ہار نہ ملا تو کنیز ہی کی جان نہ جائے گی بلکہ اس کا پورا خاندان بھی کولھو میں پلوا دیا جائے گا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس لئے وہ راضی ہی نہ ہوا بلکہ اس نے جوش میں آ کر کہا، "حکیم ہندی، اگر تم یہ ہار لے آئے تو پانچسو دینار سرخ بھی حاضر کروں گا اور یہ کنیز خوش جمال بھی ہدیہ کروں گا!" ہوں ہوں ہوں ہوں

ظہور نے کہا "اب کیا تھا، چھیڑی اور دہ دہ دہ!"

حکیم بانا نے کہا، مگر اس نوالۂ تر کا حلق سے اتارنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ پھر سارے رستے جوڑے گئے، اور میں اس کے سہارے جھاڑی تک اترا۔ پھر رسّا اوپر کھینچا اور اُسے درخت میں باندھ کر نیچے اترنے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ابھی زمین سے چند گز کے فاصلے پر تھا کہ گل کے گرے اور سڑے ہوئے جانوروں کی بدبو سے دماغ پھٹنے لگا۔ ساتھ ہی نہایت بھیانک سرسراہٹ سنائی دی۔ ہوں ہوں ہوں میں نے رستے کو ایک ہاتھ سے مضبوط تھام کر ادھر اُدھر نظر ڈالی۔ تو دیکھا کہ جانوروں کی سڑی گلی لاشوں میں لاکھوں کیڑے رینگ رہے ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ اور اُن میں سے جو بھی چشمے کے پانی تک پہنچ گیا ہے اس نے مہیب صورت اختیار کر لی ہے۔ ہوں ہوں ہوں سیکڑوں اس طرح کے نیئے اژدہے، مگرمچھ، اونٹ اور ہاتھی کے برابر رینگنے والے کیڑے ادھر اُدھر پھر رہے ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ اور دیوار کے قریب و نزدیک دور تک کہیں پتہ نہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب ذرا دیکھئے ایک جانب تو وہ بدبو کہ دماغ پھٹا جا رہا ہے۔ دوسری طرف ہزاروں کی تعداد میں بڑے بڑے رینگنے جاندار حواس مختل ہوں یا نہ ہوں! میں سوچنے لگا کہ ایک کنیز کے حاصل کرنے کے لئے ان کیڑوں کا لقمہ بننا "کار فرزانگی نیست!" ہوں ہوں ہوں!۔

ظہور نے کہا "مگر محبت و عشق میں غور و فکر سے کیا مطلب!

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی!

حکیم بانا نے کہا "تو تجھے محمودہ سے عشق کب تھا؟ اور اگر تھا بھی تو یقینی ابھی خام تھا! ہوں ہوں ہوں۔ میں ابھی اسی حیص بیص میں تھا کہ کیا کروں کیا نہ کروں کہ دفعتہً نہایت سریلی آواز چشمے کی طرف سے آئی۔ جیسے کوئی ماہر موسیقی بانسری بجا رہا ہے۔ آواز میں داؤدی کشش، انساں ہوں کہ حیوان، وحوش ہوں کہ طیور، سب کو مست و بیخود بنانے والی۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے گھبرا کر ادھر اُدھر نظر کی، کچھ نہ دکھائی دیا۔ میں پلٹ کر جھاڑی پر چڑھ گیا اور میں نے دوربین سے چشمے کے کناروں پر نظر ڈالی ہوں ہوں ہوں۔ میں نے دیکھا ایک دوشیزہ

جس کا حسن نودمیدہ رہزن ہوش بہار جس کا حسن نوشگفتہ آفت جان چمن
قامت رنگیں و رعنا فتنہ صبح نشور حُسن تاباں و برشتہ برق انوار و عدن!

یہ مجموعۂ حُسن و بہار ساحل کے پتھر پر بیٹھی لٹیں جھٹکائے، ایک ہاتھ میں بین لئے بجا رہی ہے، دوسرے ہاتھ میں وہی ملکہ بین والا ہار ہے جسے وہ بار بار سورج کے مقابل لا کر چمکاتی ہے اور اس کے جواہرات کی تڑپ سے محفوظ ہوتی ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ رخ تاباں کی چمک، جواہرات بیش بہا کی تڑپ، بین کی موسیقی کا رس، اس کی کالی زلفوں کا لہرانا، چشمے کے پانی کو مرمریں پاؤں سے بار بار اُچھالنا، بالکل طلسماتی منظر تھا۔ میں تو مسحور ہو گیا! ہوں ہوں ہوں، میں نے سوچا کہ اس معشوقہ طناز سے ملاقات کرنے کا اس سے بہتر بہانا نہیں مل سکتا؟ رہے راہ میں حائل حشرات الارض، تو گلاب تک ہاتھ لے جانے میں کانٹے چبھتے ہی ہیں! ہوں ہوں ہوں۔ غرض یہ طے کر کے کہ "دربلا بودن بہ از بیم بلا" میں نے

عصا کو دانت میں پکڑا اور رسے کے سہارے نیچے اتر گیا۔ ہوں ہوں ہوں ہوں۔ موسیقی کا وہ سحر تھا کہ سارے اژدر، مگرمچھ، بیل دہاں کیکڑے اور کیڑے سب اسی نغمہ نواز کی طرف متوجہ رہے کسی نے مجھے پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ اور میں اس پری کے مقابل پہنچ گیا۔

ہوں ہوں ہوں۔ کیا کہوں، کیا دیکھا

مہر طلعت، حور پیکر، مشتری رو مہ جبیں
سیم بر سیماب طبع سیم ساق و سیم تن
نازنیں، ناز آفریں، نازک بدن، نازک کمر
غنچہ لب، رنگیں ادا، شکر دہاں شیریں سخن!

خاں صاحب اور لالہ صاحب دونوں جھوم رہے تھے۔ "سبحان اللہ! واہ، واہ" کے نعرے زبان پر تھے کہ حکیم بانا نازکے وہ خود اپنی رنگین بیانی سے مسحور ہو رہے تھے۔ انھوں نے دو پان کھائے، حقہ پر کئی کش لگائے۔

پھر انھوں نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ اے مجموعہ حسن و دلربائی! اے ملکہ پری رخانِ آبی یہ ہار مجھے عطا ہو، یہ دوسرے کی امانت ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس نے مجھے دیکھا، ٹھٹھا مار کے ہنسی۔ اس نے کہا "اے آدم زاد۔ تیری جرأت پر حیرت ہے۔ میں دو دن سے تیری دلیری دیکھ رہی ہوں۔ نہ تو شیر زیاں سے ڈرتا ہے اور نہ لحیم و شحیم حشرات الارض سے۔ تو دھن کا پکا اور بات کا سچا ہے! میرے دل میں تیری بڑی عزت و توقیر ہے! ہوں ہوں ہوں۔ میں نے عرض کی سرکارِ حسن سے جو خطاب مجھے عطا ہوئے ہیں اور زبان سحر بیان سے جو تعریفی کلمے میرے لئے جاری کئے گئے ہیں وہ میرے لئے باعث صد نازش و افتخار ہیں، لیکن پورا کا دوال وکا پڑا ہے اور یہی ہار زنجیر پا ہے! ہوں ہوں ہوں۔ اس نے مسکرا کر کہا" اسکی واپسی ایک شرط پر محمول ہے!" میں نے کہا" فدایت شوم، ایک کیا، میں تو ہزار شرطیں بجالانے کے لئے حاضر ہوں۔

ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ اس نے کہا "تو ہار واپس کرو۔ مگر تمھیں میرے محل تک چلنا اور تین دن میرا مہمان رہنا ہوگا! ہُوں ہُوں ہُوں۔ میں نے کہا مجھے منظور مگر ہار واپس دینے کے لئے مجھے واپس جانا پڑے گا۔ اس نے کہا میں اس کا انتظام کئے دیتی ہوں۔ بلکہ خود تمھیں کوئی پرچہ لکھنا ہو تو وہ بھی دیدو۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ اس نے ایک اژدہے کی طرف اشارہ کرکے سیٹی بجائی۔ وہ فوراً میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ میں نے میر کارواں کو لکھا۔ "ہار جا رہا ہے تم لوگ فوراً روانہ ہو جاؤ۔ میرا اونٹ میرے لئے چھوڑ دینا۔ میرا انتظار نہ کرنا۔" ہُوں ہُوں ہُوں۔ اس نے خط لیکر پڑھا۔ ہار کے ڈبے میں اس پُرزے کو رکھا اور اژدہے کے منہ میں اُسے دیکر اوپر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ بہت ہی آسانی سے سر سر دیوار پر چڑھنے لگا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ کارواں والے چٹان سے لپٹے مجھے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر کیڑوں کے اژدحام میں میرا کہاں پتہ؟ اب جو انھوں نے سرسراہٹ سنی اور جھک کر اژدہے کو اوپر چڑھتے دیکھا تو وہ سراسیمہ ہو کر چیخنے لگے۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ میں نے سوچا کہ اہل کارواں آبی کے انوکھے ایلچی کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔ اس لئے وہیں سے میر کارواں کو آواز دی۔ "یہ اژدھا ہار لیکر جا رہا ہے۔ ڈرنا نہیں، میں نے بھیجا ہے۔ ایلچی ہے، اسے گزند نہ پہنچے!" ہُوں ہُوں ہُوں۔ ادھر اژدھا چٹان پر پہنچا اُدھر آبی پانی میں اتر کر بولی۔ آؤ میرے ساتھ چلو! ہُوں ہُوں ہُوں۔ میں چشمے میں مع لباس اترا تو اس نے ہنس ہنس کر انھیں پھاڑ کر پھینک دیا۔ اور اپنا ہی جیسا عریاں بنا دیا ——

ببین نے کہا "ایک حمام میں سب ننگے!"

ظہور نے کہا جی نہیں۔ معاملہ وہی تھا جو نظیر نے بعد ترمیم اپنی جانب کہا ہے۔

گلے لپٹنے میں وہ شتابی، کہ مثل ماہی کے اضطرابی   کہیں تو تڑپی پھسل پھسل کر کہیں جو ڈوبی تو پھر جھپا کا

لالہ صاحب نے کہا "کمال کرتے ہیں ظہور صاحب! کہاں کہاں سے آپ شعر تلاش کر لاتے ہیں!

خاں صاحب نے کہا "جی اس سے بڑا کمال ہے ان میں حسب ضرورت ترمیمیں!

مبین نے کہا "ترمیمیں کرتے ہیں کہ حجامت بنا دیتے ہیں!"

حکیم بانا بیٹھے ہوں ہوں کر رہے تھے۔ انھیں مبین اور ظہور دونوں پہ وار کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ بولے "جی، وہ آپ کے گھر کے نائی تو ہیں ہی!" جب قہقہہ رکا۔ تو خاں صاحب نے کہا "ہنسی مذاق تو ہوتا ہی رہے گا، اب اس کے آگے کی روداد!"

ظہور نے کہا "ہاں قبلہ! اس کے آگے کی جو روداد ہوگی وہ ہر گوشے اور زاویئے سے قابل دید بھی ہوگی اور قابل داد بھی!

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ میں نے اسکی ہمراہی میں چشمے میں غوطہ لگایا۔ میلوں اندر چلا گیا۔ دم گھٹنے لگا۔ آبی نے میری تکلیف کو محسوس کیا اور مجھے پانی کے اندر سانس لینے کا طریقہ سکھایا، اور ہم دونوں گھنٹوں پیر کر ایک محل میں جا پہنچے، نازک حباب آسا، کاہی رنگ، زمردیں! ہوں ہوں ہوں۔ عجیب بات یہ تھی کہ ملکہ کا جسم تو بالکل انسان جیسا تھا بالکل ہماری اناث کا، مگر محل میں جو خادمائیں کام کر رہی تھیں وہ نصف دھڑ تک انسان، کمر سے نیچے مچھلی! ہوں ہوں ہوں۔ محل شاہی قیمتی اور بیش بہا سامان سے مرصع، خاص بات یہ تھی کہ پانی میں قائم ہونے کے باوجود اس کے کسی حصے میں، یہاں تک کہ فرش پر بھی پانی کا کوئی اثر نہ تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ مجھکو جو غذائیں دی گئیں وہ سب پکائی اور بھنی ہوئی تھیں۔ میں نے استعجاب سے پوچھا "یہاں آگ ہے! ملکہ نے مسکرا کر کہا "یہاں برقی قوتوں کا ذخیرہ ہے"! جس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے بجلی سے کام

لینے کا طریقہ بھی سیکھ لیا تھا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ میں تین شبانہ روز آبی کا مہمان رہا۔
ظہور نے کہا "اور یہ کہنا بھول گئے کہ مہمان کے علاوہ کچھ اور بھی تھے۔ اس لیئے کہ
مُحدِ گرسنہ در خانہ خالی، بر خواں عقل باور نہ کند کز رمضاں می ترسد!
مبین نے کہا "کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس طرح کے تعلقات کے جواز کے بارے میں؟
حکیم بانا نے کہا "جی تو چاہتا ہے کہ کہہ دوں کہ
ہم بھی آداب شریعت سے تھے آگاہ مگر نہ ہو برتاؤ میں جو رسم، وہ کیا یاد رہے!
مگر یہ غلط بیانی ہوگی۔ ہم حدودِ شرع کے اندر رہے۔ مجھے صیغہ یاد تھا اور رہے!
ظہور نے پھر فقرہ کسا "اور وہ آپ نے گردان ڈالا!"
اور لوگ تو ہنسے مگر حکیم بانا نے منہ سکھا کر کہا "صیغہ جاری کرنے کی غرض ہی یہی
ہوتی ہے ظہور صاحب۔ تناکحو و تناسلو! سے
دنیا بھی اک بہشت ہے اللہ رے کرم کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا!
ہُوں ہُوں ہُوں۔ ہم نے دو راتیں بڑی مسرت و شادمانی میں بسر کیں، مگر تیسرے دن
میرے لیئے وہاں ٹھہرنا محال ہوگیا۔ ہوں ہوں ہوں اول روز سے جس چیز کی مجھے
تکلیف تھی وہ ٹھنڈک تھی۔ ملکہ کے محل میں میرے لئے ہر وقت بجلی کی انگیٹھیاں جلتی
رہتی تھیں۔ مگر وہاں کپڑا مطلقاً نہ تھا، نہ میں جسم ڈھانک سکتا تھا۔ نہ اوڑھ سکتا تھا، نہ
بچھا سکتا تھا۔ ہوں ہُوں ہُوں۔ تیسرے دن ایسا محسوس ہوا جیسے سارا جسم یخ ہو کر
تودۂ برف بن جائے گا۔ میں نے ملکہ سے اپنی حالت عرض کی۔ اس نے عیش و عشرت کی
مدّت کے اس قدر جلد ختم ہو جانے پر تاسف کیا اور مجھے کنارہ لے آئی۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ میں نے
جلدی سے چقماق نکال کر آگ روشن کی۔ آبی نے جلدی سے ڈبکی لگائی اور جادر آب

کے اندر سے کہا" حکیم، یہ چیز ہماری سب سے بڑی دشمن ہے۔ میں اس کے نظارہ کی تاب نہیں لاسکتی۔ میں جاتی ہوں۔ میرے بطن میں تمھاری یاد ہے۔ پھر کبھی آنا تو اسے بھی دیکھنا، مجھے بھی!

ظہور نے لقمہ دیا۔ اور۔ دریا سے یہ موتی نکلا تھا دریا ہی میں جاکر ڈوب گیا!۔

خاں صاحب نے اپنے مذاق کا شعر پڑھا۔

"ہے مشتمل نمودِ صُور پر وجودِ بحر یاں کیا دھرا ہے قطرۂ موج وحباب میں!

اور کہا" جب وہ صورت زیبا ہی سامنے نہ رہی تو پھر ساحل پر ٹھہرنے کا فائدہ ہی کیا تھا؟

حکیم بانا نے کہا" جی ہاں، میں بھی وہاں بس اتنی دیر ٹھہرا کہ اپنا جسم آگ پر اچھی طرح سینک لیا۔ پھر ایک ہاتھ میں عصا، ایک میں جلتی ہوئی لکڑی لیکر دیوار والی جھاڑی کی طرف چلا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اژدہے، مگر مچھ، بیل پیکر نکڑّ اور نہ جانے کتنے مہیب صورتوں اور جسامتوں والے کیڑے مکوڑے سب الگ الگ رہے۔ آگ کی وجہ سے کوئی قریب نہ آیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میرا رسّا اب بھی جھاڑی سے لٹک رہا تھا۔ میں اوپر چڑھ گیا۔ جھاڑی کی شاخ پر کھڑے ہوکر میں نے آواز دی" ابیض! ابیض!" اس نے گردن بڑھاکر جھانکا اور بلبلایا۔ ہوں ہوں ہوں۔ خوش تھا کہ گم شدہ آقا پھر مل گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے رسّے سے ڈنڈا باندھ کر اوپر پھینکا۔ ابیض نے ڈنڈا دانتوں میں پکڑلیا اور میں رسا پکڑ کر اوپر چڑھ آیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کپڑے پہنے، کجاوہ کسا اور اس پر بیٹھ کر دس دن کی راہ ایک دن میں طے کی اور میں اسی شام یمن کے دارالسلطنت صنعا میں پہنچ گیا! ہوں، ہوں، ہوں۔

حکیم بانا نے اگالدان میں منہ کا اگال ڈالا اور دو گلوریاں اور چٹکی بھر تمبا کو منہ

یں رکھ کر وہ جگالی کرنے اور حقہ گڑگڑانے لگے۔

لالہ صاحب نے پوچھا "حکیم صاحب قبلہ، وہ میر کارواں کیا ہوئے اور وہ کنیز خاص جو ہدیہ میں ملی تھی؟"

"راہ میں وہ لوگ ملے تھے" حکیم بانا نے ہوں ہوں کرکے کہا "میں نے اپنا راستہ کھوٹا کرنا نہ چاہا، محمودہ کو اسکی محمل سے اُٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا اور ابیض کو اتنا تیز بھگایا کہ وہ گرد راہ تک نہ پا سکے اور میں صناء پہونچ گیا! ہُوں ہُوں ہُوں ہُوں۔

ظہور نے کہا "میرے دونوں میٹھے! پھڑکتی ہوئی جل پری اُدھر، پاؤں دھونے والی کنیز اِدھر!"

بسین نے لمبی ٹھنڈی سانس لیکر کہا "داتا کی دین! دینے پر آتا ہے تو دونوں ہاتھوں سے دیتا ہے!"

سب ہنس رہے تھے کہ ملازم نے آکر اطلاع دی "کھانا تیار ہے۔"

خان صاحب نے اُٹھتے ہوئے کہا "یہ بھی اسیکی دین ہے!" — اور سب ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اٹھارواں باب

"گرزکوہ شکن"

دوپہری شب خاں صاحب نے پھر ظہور، مبین اور حکیم بانا کو کھانے پر مدعو کیا۔ مٹر پلاؤ تھا۔ بٹیر اور تیتر تھے، نیا آلو کئی صورتوں میں تھا۔ سالن، بھرتا، بھجیا، تلا جیاں چاپ اور ان سب کھانوں سے لذیذ اور شیریں رساول۔ غرض غذا لذیذ بھی تھی اور وزنی بھی۔ مگر اکیلے حکیم بانا نے اتنا کھایا کہ یہ تینوں خوش خور مل کر بھی انکی برابری نہ کر سکے۔

ظہور نے منہ بنا کر کہا "ہم اس میں بھی پیچھے ہی رہے!"

حکیم بانا نے اس مذاق کا جواب دینے کی جگہ متانت سے کہا "ہاں آج خاں صاحب کی بدولت ایسی ایسی نعمتیں ملیں جو شاہی دسترخوان کے لئے مخصوص ہیں۔ اسلئے معمول سے یقینی زیادہ کھا گیا۔ ہوں ہوں ہوں!"

مبین نے جلدی سے سادی چائے کی ایک فنجان بڑھا کر کہا "لیجئے، یہ عرق ہاضم حاضر ہے!"

حکیم بانا نے فنجان سڑکتے ہوئے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ آپ شاید یہ بھول گئے کہ ہم نے چشمۂ حیواں کا پانی پیا ہے!"

ظہور نے کہا "اجی، ایک چشمۂ حیواں، آپ نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے!"

حکیم بانا نے فوراً جواب دیا "مگر یہ نہ سمجھ میں آیا کہ آپ کے ہاں کیوں پانی مرتا ہے!"

خاں صاحب نے اپنی متانت نہ چھوڑی مبین کی طرح انھیں بھی قصہ سننے کی دھن تھی وہ بولے: "قبلہ، ضلع جگت پھر ہوتے رہے گا نہ ظہور صاحب اپنی فقرہ بازی سے باز آئیں گے اور نہ آپ ان کا دنداں شکن جواب دینے سے رکیں گے۔ مگر ہم غریب مفت میں مارے جاتے ہیں ——"

ظہور نے کہا "خاں صاحب، کس کی مجال کہ آپ پر دست درازی کرے!"

خاں صاحب نے ہنسکر کہا "دیکھئے، ابھی باتوں باتوں میں چوٹ کر گئے!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ وہ بھی آج کی نعمتیں کھانے کے بعد۔ یہ تو وہی ہوا "جس ہانڈی میں کھانا اسی میں چھید کرنا!"

ظہور نے سرخ ہو کر کہا "قبلہ۔ سہ

کسی کی عشوۂ دریا دلی پہ مرتا ہوں — کسی کی بخشش دام و درم کی بات نہیں!
یہ طرز شیفتگی دل کا اک تقاضا ہے — کرم فروشی این محترم کی بات نہیں!

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں، اتنی لذیذ غذاؤں کے تناول فرمانے کے بعد اُن سے انکار!..."

ظہور نے جھلا کر کہا "تو قبلہ، آپ ہی نمک حلال کہیے! صنار کا حال سنائیے!"

حکیم بانا کے ہاں چونکہ پائی مرتا تھا اس لئے انھیں "نمک حلال" کا فقرہ بہت ناگوار ہوا۔ غصہ تو ناک ہی پر رکھا رہتا تھا۔ وہ بولے "ظہور صاحب، بعض وقت آپ اپنی حدوں سے بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ اور ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ جنکے سننے کا میں عادی نہیں! دوسرا کوئی کہتا تو میں اس کا سر اسی ڈنڈے سے توڑ دیتا!

ظہور نے کہا "حکیم صاحب، میں مذاق و مزاح میں حدوں کا قائل نہیں۔ یہاں

تقریباً سب ہم عمر ہیں، اس لئے مساوات ہے! اور اگر سن و سال کا لحاظ کیا جائے تو میں ہی کچھ بڑا ہوں ——"

ہسین نے جلدی سے کہا، مگر ؎

چہل سال عمرِ عزیزم گذشت مزاج تو از حالِ طفلی نہ گشت!

ظہور نے کہا "اچھا تو آپ مجھے اب تک چہل سالہ ہی سمجھتے ہیں!"

حکیم بانا نے کہا "آپ نے چہل کی قید خواہ مخواہ بڑھائی۔ ہوں ہوں ہوں! آپ کے لئے تو ایک ہی لفظ کافی ہے!"

اس پر ہسین و خاں صاحب نے قہقہہ لگایا، ظہور بھی ہنسے اور حکیم بانا کا غصہ بھی رفع ہو گیا۔ اسی وقت لالہ بنسی دھر بھی آ گئے۔ وہ اپنے گھر کھانا کھانے چلے گئے تھے اور فارغ ہوتے ہی اپنا گڑگڑی ہاتھ میں لئے پلٹے تھے۔

ظہور نے کہا "لیجئے لالہ صاحب بھی قند سیاہ و بادۂ قند سیاہ سمیت آ گئے!"

سب لوگ ہنس دیئے۔ خاں صاحب نے کہا "حکیم صاحب، بھائی ظہور کی ظریفانہ باتیں اسی طرح جاری رہیں گی۔ اور داستان صنار کا مریض یونہی بے دوا پڑا رہے گا؟"

حکیم بانا نے پوری فنجان ایک گھونٹ میں پی لی۔ پان کی دو گلوریاں کلے میں دبائیں اور حقہ گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"ہوں، ہوں، ہوں۔ اب تو صنار کی روداد کا بیان میرے لئے فرض بن گیا! ہوں ہوں ہوں! وہاں کوئی خاص واقعہ تین سال تک رونما نہ ہوا۔ میں اپنی محمودہ کے ساتھ ایک سال تک ایک کرایہ کے مکان میں رہا۔ پھر ایک معرکۃ الآرا علاج کے صلے میں حاکم یمن نے مجھے ایک محل مع خانہ باغ کے عطا کیا۔ ہم اس میں دو سال مقیم رہے۔ ہوں ہوں ہوں!

ظہور نے کہا "دیکھئے پھر وہی سرسری گزر رہے! نہ کنیز خوش جمال کا ذکر، نہ ہجر و وصال کا ذکر! ۔ ۔ ۔"

حکیم بانا نے حکیمانہ انداز سے بات کاٹی "اول تو ان باتوں کا ذکر شیوۂ شرفاء نہیں! ہُوں ہُوں ہُوں۔ پھر ایک معمولی سا شعر ہے مگر حقیقت کا ترجمان ہے

جو مزہ انتظار میں دیکھا ۔۔۔ نہ کبھی وصلِ یار میں دیکھا!

ظہور نے کہا "ہائے ظالم! کس بیدردی سے انسانی زندگی کے لطیف ترین جذبہ پر چھری پھیر دی!"

حکیم بانا نے کہا "ہُوں ہُوں ہُوں! آپ شاید بھول گئے کہ محبوبہ اب محبوبہ نہ تھی بلکہ زوجہ! عشق کے چونچلے ختم اور خانہ داری کے جھگڑے شروع۔

یسین نے کہا "اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔ میرے کالج کے ساتھیوں میں ایک صاحب بڑے ظریف تھے۔ وہ جب کسی کو دولہا بنتے اور نکاح کے بعد مسند سے اُٹھ کر سلام کرتے دیکھتے تو ہمیشہ کہتے "ہائے بیچارہ!" میں نے ایک دن اُن سے کہا "تم اسے بیچارہ کیوں کہتے ہو؟ وہ تو اس وقت نوشاہ ہے نیا بادشاہ!" وہ کہنے لگے "تم سمجھتے ہو چہرے پر جو رنگ ہے تو وہ خوشی و خرّمی کا ہے! اجی ایسا نہیں ہے۔ اس غریب کو بڑی تکلیف ہے وہ اسے چھپا رہا ہے!" میں نے پوچھا کاہے کی تکلیف! کہنے لگے "اندھے ہو! دیکھتے نہیں کہ ادھر قاضی کے مُنہ سے خارج ہوا "انکحتُ" اور اس غریب کے ہاں داخل ہوا "قبلتُ" یعنی قبیلہ کی ساری فکر میں۔ نون تیل، لکڑی!"

حکیم بانا نے ہوں ہوں کر کے ہنسی میں سب کا ساتھ دیا۔ پھر بولے "ظہور صاحب، اگر اس پر بھی تسکین نہ ہو تو اپنے ہاں اندرون خانہ دریافت فرما لیجئے یا میرے ہاں۔

دونوں جگہ آپ کے محارم ہیں! ہوں ہوں ہوں!۔۔۔"

خاں صاحب نے جلدی سے بات کاٹی" قبلہ، ظہور صاحب آپ سے بہت پہلے سے بات کاٹے بیٹھے ہیں۔ ان کا ذکر چھوڑیے کسی پری کا ذکر چھیڑیئے!"

حکیم بابا نے کہا "ہوں ہوں ہوں ۔ آں قدح بشکست وآں ساقی نماند! خیر، فی الحال تو صنادہ سے نکالے جانے کا حال سنیئے۔۔۔۔"

ظہور نے ایک مشہور شعر فوراً اصلاح دے کر یوں پڑھا۔ ؎

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
سنا ہے تم کہ کیونکر ہو بہت بے آبرو نکلے

حکیم بابا نے کہا "ماشاء اللہ طبیعت حاضر ہے! ہوں ہوں ہوں!۔

بیبن تے چیخے :۔ "دیکھئے قبلہ، اب سوال جواب نہ ہوگا۔ بس بن باس کا قصہ بیان فرمائیے!

حکیم بابا نے کہا" بہت خوب! مرضی مولا از ہمہ اولا!۔ سنیئے۔ مجھے جو شاہی باغ علا ہوا تھا وہ بہت ہی حسین تھا۔ گل ہائے خوش رنگ، درخت ہائے خوش نما، نہر ہائے خوش آب و مرغان خوش نوا! ہوں، ہوں، ہوں۔ مگر اس میں بھی جو چیز دیدنی تھی وہ تھا سرو کا ایک درخت، بلند، بالا، سرافراز قامت، دیدہ افروز و نظر فریب۔ ہوں ہوں ہوں! بہت ہی خوبصورت، تناور، طویل اور سبک! ہوں ہوں ہوں! میں نے اس درخت پر بڑی محنت کی۔ میں نے اس کے تنے پر شیشے کی ایک ہشت پہل خول چڑھائی تھی۔ اور اس کے کونوں کو رنگین کر کے ان کے رنگ میں چھپا کر چند ایسی بیلیں اسکی پتیوں اور شاخوں میں دوڑائی تھیں کہ دن میں ان میں سرخ رنگ کے پھول کھلتے اور رات کو سفید! ہوں ہوں ہوں۔ اس سرو کے گرد ایک بلوری حوض تیار کیا تھا جس میں ایک ٹن

کے دبانے سے کئی فوارے چھوٹتے جن کا پانی شب میں کبھی سُرخ دکھائی دیتا، کبھی سبز، کبھی نیلگوں، کبھی دودھ جیسا سفید! ہُوں ہوں ہُوں۔ حوض میں رنگین مچھلیاں بڑی دور دور سے منگا کر ڈال دی تھیں اور پانی کے اندر ان کے رہنے کے لئے مکان بالکل اس زمردیں محل کی نقل تھا جس میں آبی کے ساتھ میں نے دو دن قیام کیا تھا۔ ہُوں ہوں ہُوں!

ظہور نے کہا "یہ نقش بر آب نہیں، محل بر آب تھا!"

حکیم بانا نے کہا "ہُوں، ہوں، ہُوں، مگر نقش بر آب ہی ثابت ہوا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ میرے سرو کی شہرت دور دور پھیلی۔ وہ دنیا کے عجائبات میں شمار ہونے لگا۔ مختلف ممالک سے لوگ جوق در جوق اسے دیکھنے آتے۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ مجھے ان زائران باغ کی ضیافت و پذیرائی کا خاص انتظام کرنا پڑا۔ اوقات کا انضباط کیا، اور رہنما و نگہبان مقرر کئے۔ ہُوں ہوں ہُوں اس لئے کہ یہ لوگ جیسا کہ ہم ایشیا والوں کا طریقہ ہے صرف باغ کی دیدہ ہی نہ دیکھتے تھے بلکہ اس کے پھول بھی توڑتے، اس کی کیاریاں بھی روندتے اور حوض سے مچھلیاں بھی چرانے کی کوشش کرتے۔ ہُوں، ہوں، ہُوں۔ لوگ کہتے باغ عدن اس کے سامنے برگ کاہ، اور باغ ارم خس و خاشاک! ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ مجھے اور محمودہ دونوں کو یہ باغ حد درجہ محبوب تھا۔ ہم اکثر شامیں اسی میں بسر کرتے، اور شعر و حکمت، ادب و فلسفہ پر گفتگوئیں کرتے۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ محمودہ شاعرہ بھی تھی، ادیبہ بھی، رقاصہ بھی تھی اور نغمہ نواز بھی! ہُوں ہُوں ہُوں!

مبین نے پوچھا "کیا فرماتے ہیں علمائے دین سماع کے متعلق؟

ظہور نے کہا "اگر قبل نکاح نظارہ جائز تو بعد نکاح سماع میں کیا خرابی؟ پھر نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو روح سُنے اور روح سنائے!۔ اب میاں بیوی سے زیادہ

ذی روح کون ہوگا؟

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں! اور جب نشست و برخواست رفتار و گفتار انداز و مزاج رفیقہ حیات کا ہمہ موسیقی، ہمہ نغمہ، ہمہ ترنم ہو تو حرام کو حلال بنانا ہی پڑیگا۔ تکلیف مالایطاق کی ہماری شریعت میں گنجائش نہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ غرض ہم بڑی مسرت و آسودگی کی زندگی بسر کر رہے تھے، کہ اس جنت ارضی میں بھی ایک موکھے سے مارسیہ گھس آیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ یمن کا سب سے بڑا امیر بھی ایک گلستاں کا مالک تھا۔ وہ بھی اپنی دلکشی کے لئے دور دور مشہور تھا مگر، جب میرے باغ نے شہرت پکڑی تو اس کا بازار سرد پڑ گیا۔ کوئی پلٹ کر بھی اُدھر نہ دیکھتا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس کا باغ یوں جو نظروں سے گرا تو امیر کے دل میں رشک و حسد پیدا ہوئی۔ اس نے میرے باغ کو خراب کرنے اور اجاڑنے کا تہیہ کر لیا۔ ہوں ہوں ہوں! ۔ پہلے تو اس کے فرستادہ آدمیوں نے دیواریں پھاند پھاند کر باغ کو برباد کرنے کی کوشش کی۔ مگر میرے نگہبانوں نے ہشیار ہو کر ان کی اس بُری طرح خبر لی کہ وہ بمشکل جانیں سلامت لیکر بھاگ سکے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے دیواروں پر نوکیلی آہنی سلاخیں گڑوا دیں اور کانچ کے ٹکڑے لگوا دیئے تاکہ دیواریں پھاندنے والے زخمی ہونے کے خوف سے اس طرف سے آنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے یہ بھی حکم دے دیا کہ ہر وقت باغ مقفّل رکھا جائے اور اس بند وبست کے بعد اپنی حماقت سے یہ سمجھ بیٹھا کہ میں نے ساری بلاؤں کا سدّباب کر دیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ مگر۔ خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم! ہوں ہوں ہوں!"

ظہور نے پھر غالب کے مصرعوں کا بڑا رنگین خون کیا۔ وہ بولے۔

"غلطی ہائے نگہباں مت پوچھ ۔۔۔ رشک کو پابہ حنا جانتا ہے؟"

لالہ صاحب نے کہا "سبحان اللہ، ظہور صاحب!"

حکیم بانا نے ظہور اور انکی طرف دیکھ کہا "ولی را ولی می شناسد! ہوں ہُوں ہوں ہوں"۔

سب بیساختہ ہنس پڑے۔

ظہور نے لالہ صاحب کے گڑگڑے کی طرف اشارہ کر کے کہا "اسے ہم ولی سمجھتے جو نہ حقّہ خوار ہوتا!"

اس پر بڑے زور کا قہقہہ پڑا قبل اس کے کوئی صاحب اور کوئی فقرہ کس سکیں خاں صاحب نے حکیم بانا سے پلٹ کر کہا "ہاں قبلہ!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں، ایک دن اتفاق سے مجھے اپنے پیشے کے سلسلے میں ایک دور دراز مقام پر علاج کی غرض سے جانا پڑا۔ میں اپنے پر سوار سہ پہر کو گھر واپس آیا۔ بڑے پھاٹک میں داخل نہ ہوا تھا کہ باغ سے دھواں اُٹھتا دکھائی دیا ہوں ہوں ہوں۔ میں افتاں و خیزاں سے پھاند کر اس طرف لپکا۔ دیکھا تو دروازۂ باغ کھلا پڑا ہے، اندر باغباں بیہوش ہے اور میرا۔۔۔ میرا۔۔۔ ہوں ہوں ہوں سرو ٹوٹا پڑا ہے! اس کے تنے سے دھواں نکل رہا ہے اور مچھلیاں پانی سے باہر زمین پر گری تڑپ رہی ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے جلدی سے باغباں کے منہ پر پانی کے چھینٹے دے کر اسے ہوشیار کیا۔ اس نے سرو کی حالت دیکھتے ہی سر و سینہ کوٹ لیا۔ رو کر بولا "نظر بد کا اثر ہے!" ہوں ہوں ہوں۔

ظہور نے کہا "نظر بد؟ کیا زنانہ تھا آپ کا باغباں؟"۔ اور وہ مسکرا دیئے۔

حکیم بانا نے کہا "ظہور صاحب کسی چیز سے لاعلم ہونا، اپنی جہالت کی دلیل بن سکتا ہے، اس شئے کے عادم کا نہیں اور نہ اس کا مستحق کہ اس کا مذاق اڑایا جائے۔ ہوں ہوں ہوں"

لالہ صاحب نے کہا" مگر قبلہ حکیم صاحب، آپ جیسے حاذق طبیب سے تعجب ہے کہ وہ اس طرح کے امور میں۔۔۔"

حکیم بانا کا غصہ ذرا اور تیز ہوا۔ وہ بولے" جناب لالہ بنسی دھر صاحب، میں طبیب ہوں، میں نے دنیا دیکھی ہے، میں نے کتابوں میں پڑھا ہے، میں نے ذاتی تجربہ کیا ہے۔ اس لئے میں جانتا ہوں کہ نظر بد ایک حقیقت ہے! ہوں ہوں ہوں جھک مارتے ہیں۔ وہ لوگ جو اس کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ اور مسمریزم کے بھی قائل ہیں۔ روح کی طاقتوں کے بھی قائل ہیں، اور روحانیین کی کراموں کے بھی قائل ہیں! ہوں ہوں ہوں۔"

لالہ صاحب کی کیا مجال تھی کہ حکیم بانا کے اس تیور کے بعد کچھ کہتے، ظہور نے حکیم جی سے زیادہ خاں صاحب کی نگاہوں کا خیال کیا۔ وہ روحانیوں کا نام سنتے ہی بڑے زور زور سے سر ہلانے لگے تھے۔

حکیم بانا نے پان تمباکو منہ میں رکھا، پھر حقہ گڑگڑا کر بولے" میں نظر بد کا نام سنتے ہی معاملہ کی تہہ کو پہنچ گیا۔ ہو نہ ہو حریف نے غائبانہ وار کیا۔ جلدی سے واقعہ پوچھا، کون آیا، کیا بات ہوئی۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس نے کہا ایک شخص برہنہ تلوار لیکر باغ دیکھنے آیا۔ میں نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ اس نے سرو کو گھور کر دیکھا۔ معاً تڑاخے کی آواز ہوئی، تنے میں سے شعلہ سا نکلا اور سرو بیچ سے ٹوٹ کر زمین پر آ رہا۔ ہوں ہوں ہوں! باغبان نے جو اس شخص کو دیکھا تو اسکی آنکھوں سے آنکھیں لڑتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے اس پر بجلی گری اور وہ بیہوش ہو گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے جلدی جلدی اس ساحر کی شکل، صورت، لباس وحلیہ پوچھا اور ابیض پر سوار ہو کر راہ میں لوگوں سے پتہ لگاتا اس کا تعاقب کیا۔ وہ بڑے اچھے باد رفتار پر سوار تھا اور شہر سے لمبے سرپٹ بھگا کر نکلا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔

گھوڑا زیر ران وہ تھا جو اس امیر کا ملک عرب میں اپنی تیز رفتاری کے لئے مشہور تھا۔ اور ہر کہہ و مہہ اسکو پہچانتا تھا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ اس نے شہر سے نکلتے ہی پہاڑوں کی راہ اختیار کر لی تھی۔ میں نے ابیض سے جھک کر کہا آج تیری تیزی کا امتحان ہے، بس وہ زمین پر بچھ گیا۔ چند منٹ میں کوسوں کا فاصلہ میلوں میں بدلا میل بھی گھٹنے لگے اور اب فرسنگوں کی دوری رہ گئی۔ ہوں ہوں ہوں۔ مگر اب پہاڑ آ گیا۔ میرے دل میں خطرہ پیدا ہو گیا کہ ابیض ریگستانی سفینہ پتھریلی زمین پر مقابلہ نہ کر سکے گا اور دشمن پنجہ میں آنے کے بعد بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ اس لئے جیسے ہی دو تین سو گز کا فاصلہ رہ گیا میں نے للکارا۔ مرد ہے تو رُک کر آنکھ ملا!" ہوُں، ہُوں، ہُوں۔ اس ساحر کو اپنی نظر کی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ ایک چٹان پر رُک کر کھڑا ہو گیا اور اس نے اپنے گھوڑے کا مُنہ میری جانب موڑ کر مجھ پر اور ابیض پر نظر ڈالی ہوُں ہوُں ہوُں۔ ابیض نے ایک چیخ ماری اور وہ پتھریلی زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ میں اس کے لڑکھڑاتے ہی کود کر الگ ہو گیا لیکن ساحر سے یکساں نظر لڑائے رہا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ میرا محبوب ابیض میرے سامنے بلبلا بلبلا کر دم توڑ رہا تھا اور میں اس پر پچھلی نظر تک نہ ڈال سکتا تھا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ خود میرے جسم میں آگ لگی تھی محسوس ہوتا تھا اندر ہی اندر جلا جا رہا ہوں۔ اور میرے ہاتھ پاؤں کی توانائی سوخت ہوتی جا رہی ہے۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔

لالہ صاحب نے کہا "واہ، واہ! کیا مناسب لفظ ہے "سوخت" اس مقام پر!

حکیم بانا نے دو بار "ہُوں ہُوں" کہہ کر لالہ صاحب کی سخن فہمی کو سراہا۔ اور کہا "دفعتہً مجھے اپنا ڈنڈا یاد آیا میں اس پر زور دیکر اُچھلا اور میں نے ہوا ہی میں بانا کا پورا ہاتھ گھمایا۔ ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ میرا ڈنڈا اس کے سر پر اس قوت سے پڑا کہ وہ گردن سے

ٹوٹ کر الگ گرا، گھوڑے پر ڈنڈا پہنچا، وہ چیخ کر گرا، ڈنڈا پتھر تک پہنچا، وہ بھی ٹوٹ کر غار کے اندر، راکب و مرکب بھی اسی کے ساتھ! ہوں ہوں ہوں! ایسا دھماکا ہوا کہ دیر تک پہاڑ ہلتا رہا۔ پھر اس نے ایک زلزلے کی صورت اختیار کر لی۔ کچے پہاڑ بیٹھ گئے، بڑی بڑی چٹانیں لڑھک کر نیچے آگئیں اور پرانے غار بڑے بڑے پتھروں سے بھر گئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ انھیں گرتی پھسلتی اور پاش پاش ہوتی چٹانوں میں سے ایک اس طرف آئی جدھر ابیض بے جان سا پڑا تھا۔ میں نے تو بانے کا پیترا بدل کر اپنے کو بچا لیا لیکن غریب ابیض کے لئے وہ چٹان سنگ لحد بن گئی! ہوں ہوں ہوں۔ اب یہاں رُکنے کی نہ ضرورت تھی اور نہ موقع ہی تھا، اس لئے میں بانا کے ہاتھ ہلاتا، اسی کے زور میں صنار پلٹا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اہل شہر اس دھماکے اور زلزلے سے خائف ہو کر اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے تھے۔ ہزاروں مکان گر پڑے تھے، سیکڑوں گھروں میں آگ لگ گئی تھی، لاتعداد بچے اور عورتیں دب کر مر گئی تھیں اور شیون و نالہ، فریاد و واویلا کی چیخوں سے آسمان گونج رہا تھا۔ ہوں ہوں ہوں ۔ ۔ ۔ ۔"

طھورے نے کہا "ایک تو ساحر کی آتشیں نظر، اس پر آپ کا زلزلہ آگیں ہاتھ۔ سونے پر سہاگہ!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں، ہاں، ہاں، میں نے اپنے جلالی غصّے کے عواقب پر نظر نہ کی۔ مجھے خود بھی بعد میں بڑا تاسف ہوا۔ ہوں ہوں ہوں، جب میں اپنے گھر پہنچا تو میں نے دیکھا باغ سارا جل چکا ہے اور مکان سراسر مسمار ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں محمودہ محمودہ، چیختا اس جلے ڈھیر میں گھس پڑا۔ دھواں ہر طرف چھایا تھا اور آگ اب بھی بھڑک کر بچی کھچی چیزوں کو جلا رہی تھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ مجھے محمودہ ملی، اگر

مردہ، سوختہ، ایک جلتی دھنی کے نیچے دبی ہوئی۔ ہوں ہُوں ہُوں۔۔۔"

لالہ صاحب بیساختہ بول اُٹھے "سچ مچ ستی ہوگئی غریب!"

ظہور نے کہا "قبلہ، سر تن سو آپ کا یکارتا ہوگا ؂

تنکا تنکا مرے نشیمن کا بجلیوں پر نثار ہو کے رہا!

حکیم باتا سینے میں ایک کھٹکتی سانس لے کر بولے "ہوں ہوں ہوں! میں غصّے اور رنج سے دیوانہ ہوگیا۔ اس حاسد امیر نے اپنے جلا بے میں میرا باغ، میرا گھر، میرے عیال ہی نہ جلائے بلکہ سارے شہر کو برباد گیا! ہوں ہوں ہوں! میں نے تہیہ کرلیا کہ اب میں اسے اس کے کیفر کردار کو پہنچا ہی کر دم لوں گا! ہُوں ہُوں ہُوں میں جھپٹا ہوا اصطبل میں پہنچا، سارے نوادرِ روزگار گھوڑے مر چکے تھے۔ صرف ایک سبزہ باقی تھا۔ ہوں ہوں ہوں! میں نے جلد ہی سے اس پر زین کسی اور اسکی پشت پر بیٹھ کر ادھر روانہ ہوا جدھر میرے دشمن کی جائے قیام تھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس کی شامتِ اعمال نے اسے بھی بےچین کرکے مرے مکان ہی کی طرف بھیجدیا تھا۔ راستے ہی میں آمنا سامنا ہوگیا۔ ہوں ہوں ہوں!۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے جیب سے پستول نکال کر فیر کرنا چاہا۔ مگر میں گھوڑے کو مہمیز کرکے اس کے برابر پہنچ گیا۔ اور میں نے ہاتھ مڑوڑ کر اس سے پستول چھین لیا اور اُسے کشاں کشاں وہاں لایا جہاں میرا سرو ٹوٹا ہوا اور جلا ہوا پڑا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے حوض کے کھولتے ہوئے پانی میں اس کا چہرہ ڈبو دیا، وہ شدتِ کرب سے چیخا، میں ہنسا اور اسے اسی طرح پھڑکتا ہوا وہاں گھسیٹ لایا جہاں میری محمودہ مردہ پڑی تھی۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ میں نے اس لعین کے سر پر عصا کا ٹھوکا دیا۔ وہ پھڑک کر وہیں آگ میں گر پڑا۔ میں نے محمودہ پر ایک نگاہ پُرحسرت و یاس ڈالی اور اپنے گھوڑے

پر بیٹھ کر اسی وقت منہ سے نکل گیا: ہوں ہوں ہوں۔

ظہور نے کہا "حکیم صاحب، بڑا سخت کفارہ دینا چاہیے آپ کو! ع

دست تو رنگیں ز خونِ قلبِ خونِ دلبر است!

حکیم بانا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا "یہ تو رہا ہوں کفارہ! اس حور لقا کے بعد آپ کی بہن سے نباہ کر رہا ہوں! ع

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا!"

وہ چلے گئے، مگر دیر تک اُنکی "ہُوں، ہُوں" سب کے کانوں میں گونجتی رہی۔

انیسواں باب

"آبی بے آب"

دوسری شام کو سوائے چند مخصوص لوگوں کے سب کو جلد ہی جلدی چار پلا کر خاں صاحب نے رخصت کر دیا۔ جل پری کا قصہ سننے کے لئے وہ ماہی بے آب ہو رہے تھے۔ جب صرف ظہور، مبین اور لالہ صاحب رہ گئے تو انھوں نے حکیم بانا کے ہاں لالٹین لیکر آدمی بھیجا کہ کہنا خاں صاحب بیٹھے انتظار کر رہے ہیں۔ کیا بات ہے جو اتنی دیر فرمائی؟"

آدمی تو اُدھر گیا، ظہور نے ادھر خاں صاحب کو چھیڑنا شروع کیا۔ "مان گیا میں بھی آپ کے شوق کو! اس قدر بے چین ہو جاتے ہیں آپ اس جھوٹے کے طومار کو سننے کے لئے!۔۔"

لالہ صاحب نے کہا "مگر ظہور میاں، سوائے حکیم صاحب قبلہ کے بھلا اس صفائی سے

جھوٹ کون بول سکتا ہے کہ بالکل سچ معلوم ہو!"

نبین نے کہا "اور اس میں علمی و ادبی نکات، ضرب الامثال، کہاوتیں، تشبیہیں، محاورے روزمرہ، اشعار ......"

ظہور نے بات کاٹ کر کہا "جی ہاں، اور عربی فارسی کے بڑے بڑے لغات، ثقیل الفاظ کی سلیں!......"

خاں صاحب نے بڑے پتے کی بات کہی "اُن کے دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے اور ہم سب کا وقت اچھا کٹ جاتا ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ اب حکیم نانا ویسے کٹکھنے نہیں رہے جیسے شروع شروع میں تھے۔ پہلے وہ کسی کو قابل تخاطب نہ سمجھتے تھے۔ بات بات پر ڈنڈا اُٹھا لیتے تھے۔ اور اب آپ کی زبان سے چڑ کے منہ پر کھاتے ہیں اور ہوں ہوں کر کے ٹال جاتے ہیں......"

لالہ صاحب نے کہا "اور میں نے تو سرکار نہ اُن کا سا نامی طبیب دیکھا اور نہ ان کا سا ہمہ داں عالم!"

ظہور نے جلدی سے ٹکڑا لگایا "اور نہ اُن کا سا جھوٹا دروغ گو! اور نہ احساس کمتری کا ان جیسا مریض! خاں صاحب سے

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

خاں صاحب نے زندگی میں پہلی دفعہ تلخ جواب دیا "جناب ظہور صاحب، وہ جھوٹ جس سے دس آدمیوں کا دل خوش ہو، اس سچ سے کہیں بہتر ہے جس سے ہر سننے والا دل ریش ہو! آپ تو غالب کے پرستار دل میں ہیں۔ انکی نصیحت پر عمل کیجئے ۔۔۔

نہ سنو گر برا کہے کوئی نہ کہو گر برا کرے کوئی!"

ظہور نے کہا "مگر میرے حضور یہاں تو اس شعر کا معاملہ ہے۔ ؎

بات پروان زبان کٹتی ہے وہ کہیں اور سنا کرے کوئی!

مبین نے ہنسکر کہا "خاں صاحب میں سمجھتا ہوں، ان دونوں کی جلی کٹی کا باعث آپ کا اخلاص ہے، بقولے ؎

دیکھنا رشک اپنی محفل کا ایک کو ایک کھائے جاتا ہے!

سب ہنس رہے تھے کہ پھاٹک میں روشنی دکھائی اور پھر پھڑ سنائی دی۔

ظہور نے ہنسکر کہا "لیجئے ؎

ہاں جا ہی تھی جس کو مقابل میں آرزو لو آگیا وہ تو منہ رومال لئے ہوئے!

اب کے قہقہہ کے ساتھ حکیم بانا بھی آگئے۔ ان کے بیٹھتے ہی خاں صاحب نے کہا "قبلہ، ضرار سے مجنوں وار نکلنے کے بعد جو حادثات پیش آئے ان کے سننے کے لئے کل سے دل بیچین ہے!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ خاں صاحب کیا پوچھتے ہیں آپ میرے داغہائے دل کی داستانیں۔ ؎

خاک اس شبہے میں چھانی ہے بیابانوں کی میری منزل انھیں ذروں میں کہیں گم تو نہیں!"

ظہور نے کہا "قبلہ، عشق کی منزل ایسی ہی کٹھن ہوتی ہے۔ بقول آرزو ؎

کیا عشق کی منزل بھی تھی کٹھن، بندھ بندھ کے ہمت ٹوٹ گئی
جو ایک قدم چل کر سنبھلا وہ دو قدم آگے جا کے گرا!"

حکیم بانا نے کہا "ظہور صاحب، آپ نے اس وقت بالکل میرے حسب حال شعر پڑھ دیا۔ ضرار سے نکلنے کے بعد میری یہی حالت تھی۔ ہوش ہوش بھول رہیں سات دن بے

آب و دانہ جنگلوں جنگلوں مارا مارا پھرا۔ بید مجنوں کی طرح لاغر ہو گیا۔ ہاتھوں پیروں میں رعشہ ہونے لگا اور آنکھوں سے کم دکھائی دینے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ بار بار فانیؔ کا شعر پڑھتا تھا ؎

بہلا نہ دل، نہ تیرگیِ شامِ غم گئی یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں!

ظہور نے کہا "تو قبلہ، یہ گھر پھونک تماشا دیکھنے والی سعادت ہر ایک کو کہاں سے نصیب ہو سکتی ہے!"

سب لوگ مسکرائے، مگر حکیم بابا نے بیٹھے "ہوں، ہوں، ہوں" کرکے جمھائی لے گئے۔ وہ اپنے المیہ کے لئے ماحول اور فضا تیار کر رہے تھے۔ ظہور کی بزلہ سنجی اسے مضحکہ بنا دیتی ہے۔۔ ہا انھیں یہ منظور نہ تھا۔

انھوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "ان ایامِ ابتلا کی یاد دل کو ہلاتی ہے، میں بیہوش و بدحواس تھا۔ مجھے نہ کھانے کی فکر تھی، نہ سونے کی۔ نہ کپڑوں کا خیال تھا، نہ جائے قیام کا۔ ہوں ہوں ہوں!۔ نہ منزل معلوم، نہ اس کا پتہ نشان! عربی گھوڑا جہاں تھک کر رک جاتا۔ وہیں اپنے کو گرا کر زمین پر تڑپتا، گریہ و بکا کرتا۔ غش کھا کر گھنٹوں بے سُدھ پڑا رہتا۔ ہوں ہوں ہوں۔ جب آنکھ کھلتی اسپ وفادار پر سوار ہو جاتا، اور وہ جہاں اس کا جی چاہتا پہاڑوں میں لئے لئے پھرتا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ایک دن جب میں فاقہ کرتے کرتے بالکل نڈھال اور قطرۂ آب دن بھر نہ ملنے سے بے حال ہو گیا تھا میرے راہوار نے مجھے ایک جھیل کے کنارے لا کر اپنی پشت کو جھٹکا دے کر زمین پر گرا دیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے دیکھا تو سطحِ آب کنارے سے متصل ہی سنگھاڑے کی طرح کا کوئی پھل لگا ہوا ہے۔ بھوک میں میں نے اسے جی بھر کر کھایا، پانی پیا اور غافل سو گیا۔

ہوں ہوں ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کے دن رات مسلسل سوتا رہا۔ مگر جب جاگا تو میرے حواس درست تھے اور میں نے اپنے کو بغور دیکھا، نہ سر پر عمامہ، نہ پاؤں میں جوتی، قبا تار تار، چاک گریباں دامن تک! ہوں ہوں ہوں۔

خسرو نے اصغر کا شعر پڑھ دیا:

کیا کیا ہوا ہنگام جنوں، یہ نہیں معلوم — کچھ ہوش جو آیا تو گریباں نہیں دیکھا!

حکیم بابا نے کہا، مگر اس وقت کی حالت تو یہ تھی سے

لیجئے کیا دامن کی خبر اور دست جنوں کو کیا کہئے — اپنے ہی ہاتھ سے دل کا دامن مدت گزری چھوٹ گیا

لالہ صاحب نے کہا۔ واہ، واہ، کیا کیا شعر اس وقت برمحل آپ دونوں صاحبان نے پڑھے ہیں۔"

خاں صاحب نے کہا" ہاں، مگر اس شعر خوانی میں وہ مزہ کہاں جو اپنی کہانی میں ہے۔ میں تو اسکے لئے بیتاب ہوں!"

حکیم بابا نے کہا" ہوں ہوں ہوں۔ ساری تکلیفوں پر جو تکلیف غالب تھی وہ بھوک کی تھی۔ گھبرا کر ادھر اُدھر نظر ڈالی۔ دیکھا تو جھیل میں کچھ بطخیں اور مرغابیاں اسی پھل کے کھانے میں مشغول ہیں جسے میں نے نیند سے پہلے کھایا تھا۔ ہوں ہوں ہوں حسن اتفاق کہ ان میں سے کچھ بالکل لب ساحل تھیں۔ میں نے آہستہ سے ڈنڈا اُٹھایا اور لیٹے ہی لیٹے ایک قاز کو تاک کر پھینکا۔ وہ ٹھیک سر پر پڑا اور بط پانی میں پھڑکنے لگی۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے جلدی سے پانی میں اتر کر اُسے پکڑا، ڈنڈا سنبھالا اور باہر نکل کر بط کو ذبح کیا۔ اور آگ جلا کر اُسے کچا پکا بھون کر کھایا۔ ہوں ہوں ہوں۔ جب ذرا دم میں دم آیا اور جسم میں جان آئی تو میں نے سوچنا شروع کیا اب کیا کروں، کیا نہ کروں۔ ہوں ہوں ہوں۔"

حکیم بانا نے رُک کر اُگال پھینکا، پان کھائے، حقہ گڑگڑایا۔ پھر وہ بولے:۔
"صنعا، جانے کو جی نہ اُٹھتا تھا۔ وہ میری تمام امنگوں، خوشیوں کا مقبرہ تھا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ وہاں کے سب سے بڑے امیر کے قتل کا الزام بھی سر پر تھا۔ ممکن ہے حکومت انتقام لے۔ قانون کی گرفت میں لا کر قید و بند کا حکم صادر کرے۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ ضمیر کے حضور میں بھی ملزم تھا۔ صنعا کی بربادی امیر کی حرکتوں کا نتیجہ سہی مگر ہوئی تو تھی میرے ہاتھوں۔ میں ہی اسکی ویرانی کا ذمہ دار تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میرے ہی عصا نے زلزلہ ڈال کر کتنی ہزار کی خانماں بربادی کی، میری ہی قوتوں نے بیجا استعمال نے پورے شہر کو تہ وبالا کیا بلکہ محمود کی جان لی۔ سیکڑوں معصوموں کو موت کے گھاٹ اتارا!
ظہور نے کہا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا!

حکیم بانا نے کہا "جی ہاں، اب پشیمانی تھی، تاسف تھا اور اپنے کئے کا پچھتاوا۔ مگر اب کیا ہوتا۔۔۔۔"

لالہ صاحب نے کہا "جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!"
حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ اسی لیے صنعا پلٹ کر جانے کا خیال تو قطعی نامناسب معلوم ہوا۔ اب سوچنا شروع کیا کہ کہاں جاؤں، کس سے ملوں کہ یہ دل کا درد کسی طرح کم ہو، یہ زحمت مبدل بہ رحمت، یہ کلفت مبدل بہ راحت ہو! ہوں ہوں ہوں!
خاں صاحب نے لقمہ دیا۔ "جل پری"
حکیم بانا نے کہا "جی، اسی کا خیال مجھے بھی بار بار آتا، مگر اس کے پاس جانا مندمل زخموں کو کریدنا تھا۔ ہُوں ہُوں ہُوں پھر اس کے محل میں اقامت کی تاب بھی نہ تھی۔

کوسوں پانی کے اندر کا راستہ۔ پہنچتے پہنچتے تاب و تواں غائب۔ کٹے تو دو دن کے بعد جسم یخ۔ ہوں ہوں ہوں ہوں۔ مگر ایک لاگ تھی۔ چلتے وقت اس نے کہا تھا میری یادگار پیٹ میں ہے۔ اپنا بچہ تو دیکھ لوں گا۔ ہوں ہوں ہوں۔ یہ جذبہ اتنا قوی تھا کہ خیال آتے ہی ساری صعوبتوں کا دھیان دل سے ہٹ گیا۔ ساری زحمتوں کا تصور دماغ سے محو ہو گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ بس اب یہی دھن کہ چشمۂ حیواں پر پہنچوں اور جلد سے جلد پہنچوں۔ ہوں ہوں ہوں۔

لالہ صاحب نے کہا "ماما بڑی بلا ہوتی ہے!"

ظہور نے کہا "یہ آج آپ نے حکیم صاحب کی جنس کے متعلق نیا انکشاف کیا!"

اس پر سب لوگوں نے ٹھٹھا مارا تو حکیم بانا نے رشتہ کی آڑ لی۔ وہ بولے "ظہور صاحب آپ تو ایسا نہ فرمائیے۔ میرے گھر میں اس کے خلاف ثبوت موجود ہیں!"

اس پر بھی جب ہنسی ہوئی تو ظہور بولے "حکیم صاحب، یہ آپ رشتے کو ڈنڈے کی طرح کہاں تک پکڑے پکڑے پھریں گے!"

حکیم بانا نے جواب دیا "جی آپ فرمائیں تو آپ کے ہاتھ میں دیدوں۔ مگر ڈر ہے کہ اس طرح دست بدست ہونے میں کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ نہ جائے!"

خاں صاحب نے کہا "قبلہ پھر وہی ضلع جگت میں بات کہاں سے کہاں جا پڑی۔ اور رات بھیگتی جا رہی ہے۔ اور منزل غالباً دور ہے!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ آپ آشفتہ نہ ہوں، میں اسے سمیٹے دیتا ہوں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے گھوڑے پر زین کسی اور قطب نما سے مدد لے کر اس جانب چلا جدھر وہ نار تھا اور چشمۂ حیواں۔ ہوں ہوں ہوں۔ مگر اب رکاب میں ابعض آنجہانی نہ تھا۔

ظہور نے کہا "اونٹ کے لئے آنجہانی بھی کیا خوب!"

حکیم بانا نے منہ سکھا کر کہا "جی وہ ہزاروں انسانی رفیقوں سے بہتر تھا۔ اس کی رفاقتیں آپ سُن چکے ہیں۔ وہ بے زبان ہمدرد تھا۔ رفیق تھا، دوست تھا، روز سیاہ کام میں آنے والا، مصیبتوں میں ساتھ دینے والا، آفتوں سے بچانے والا! ہوں ہوں ہوں۔

مبین نے کہا "مگر قبلہ آپ نے ابیض کو بحر عرب میں جہاز سے اتار کر چھوڑا تھا، وہ پہلے ہی آنجہانی کیسے ہو گیا؟

حکیم بانا چوک گئے تھے۔ دروغگو را حافظہ نہ باشد۔ مگر وہ اس اکھاڑے کے سب سے بڑے پہلوان تھے، جگت گرو۔ انکو معمولی داؤ پیچ میں پچھاڑ لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ انھوں نے فوراً جو جٹسو کا کرتب دکھایا۔ وہ بولے:۔

"ہوں ہوں ہوں۔ ابیض آنجہانی سے این جہانی کیونکر بنا وہ آپ آگے سنیں گے فی الحال میرے لئے تو وہ مردہ ہی تھا۔ اس لئے مرحوم آنجہانی۔ ہوں ہوں ہوں۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ میں اپنے بوڑھے سبزہ پر سوار اس طرف چلا جدھر چشمہ حیوان تھا۔ نہ اس اسپ وفا شعار میں ابیض کی سی تیز رفتاری، نہ وہ بادپائی۔ بس کسی طرح دن میں پندرہ بیس میل چل لیتا اور یہاں راستہ کئی سو کوس کا۔ ہوں ہوں ہوں۔ یہ کوس اس لئے اور بھی کڑے کہ پہاڑوں ہی پہاڑوں میں چلنا تھا۔ ناہموار، پتھریلی کہیں زیر نشیب، کہیں بر فراز، کہیں غار راہ، کہیں آبشار راستہ روکے ہوئے۔ نہ کوئی رہنما، نہ خضر راہ۔ ہوں ہوں ہوں۔ بس قطب نما کو دیکھتا ہوں، پہاڑ کی چوٹیوں کو دیکھتا ہوں۔ آفتاب کے ڈوبنے اور نکلنے سے سمتوں کی تحقیق کرتا ہوں اور چلا جا رہا ہوں۔ ہوں ہوں ہوں۔ ہفتوں قطع مراحل

اور طے منازل کے بعد اس مقام پر پہنچا جہاں کارواں ٹھہرا تھا۔

ظہور نے کہا "قبلہ ایک شعر حسب حال ذہن میں آگیا سن لیجئے۔ ے

آنکھوں میں کچھ نمی سی ہے ماضی کی یادگار
گزرا تھا اس مقام سے اک کارواں کبھی!

حکیم بانا نے کہا "واقعی میری حالت کی مرقع کشی کی ہے۔ میں چشم پرآب بھی تھا اور نالہ بہ لب بھی!۔۔۔

ظہور نے کہا "ہائے محبوبہ نے یہیں تو پاؤں دھوئے تھے، انھیں جلے ہوئے خیموں میں اس سے وعدہ وعید ہوئے تھے۔ ے

عمر بھر کا اس نے پیمان وفا باندھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہیں ہے پائداری ہائے ہائے!

حکیم بانا نے کہا "ہُوں، ہُوں، ہُوں۔ ایک ہوک سی اُٹھتی تھی تلاش کے لئے قدم بھی بڑھتے تھے، مگر جیسے بار بار کوئی کہتا تھا۔ ے

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے؟"

ظہور نے بڑی بے رحمی سے کہا "جی، وہ آگ بھی تو آپ ہی نے لگائی تھی!

حکیم بانا نے لب ولہجہ میں مصنوعی درد پیدا کر کے کہا "ظہور صاحب، میری آگ کو آپ کیا بار بار نام دھرتے ہیں۔ اجی حضرت! ے

افروختن و سوختن و جامہ دریدن
پروانہ زمن، شمع زمن، گل زمن آموخت!

خاں صاحب نے بیساختہ کہا "سبحان اللہ، حکیم صاحب، کیا کہنا ہے اس قادر الکلامی کا ے

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

ہمین نے منہ بنا کر کہا "پھر وہی شاعری ہونے لگی۔ اجی یہ بتائیے کہ جل پری ملی یا نہیں!"

حکیم بانا نے بڑے ڈرامائی انداز سے ہاتھ مل کر کہا "وہ کیسے ملتی ؟ غار بڑے بڑے پتھروں سے پٹا پڑا تھا۔ میرے لائے ہوئے زلزلہ نے اسے بھی پٹر کرکے ہموار میدان بنا دیا تھا۔ ہُوں ہوُں ہُوں۔ اب نہ غار تھا، نہ چشمہ حیواں، نہ جل پری!"

لالہ صاحب نے کہا "ہائے اس سماں کو دیکھ کر کیسا کچھ دُکھ ہوا ہوگا آپ کو!"

حکیم بانا نے اُٹھتے ہوئے کہا "دُکھ سا دُکھ! پھر جنوں کا دورہ پڑنے لگا تھا۔ مگر کرتا کیا؟ صبر کی سل چھاتی پر رکھنا ہی پڑی! سہ

جب ڈوبنے والے ڈوب چکے اور ساحل وہ دریا ایک ہوئے
پھر لطفِ امید و بیم کہاں ؟ دریا میں نہیں، ساحل میں نہیں"

اور وہ پھر پھر کرتے ڈیوڑھی سے چلے گئے۔

بیسواں باب

"شراب محبت"

سین کو اسکی بڑی فکر تھی کہ ابیض آنجہانی سے اپن جہانی کیونکر بنا۔ اس لئے دوسری شام کو حکیم بانا کے آتے ہی وہ بے صبری سے بول اُٹھے "قبلہ ابیض کی بازگشت کی کہانی! اسکی بیتی آپ کی زبانی!"

حکیم بانا نے کہا "ماشاءاللہ اب آپ پر بھی ظہور صاحب کی صحبت کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ آپ اگر شعر نہیں پڑھتے تو مقفیٰ عبارت ضرور بول لیتے ہیں! ہُوں ہوُں، ہوُں!

لالہ صاحب نے کہا "تخم تاثیر صحبت کا اثر!"

ظہور نے کہا "صحبت کے ساتھ ساتھ تخم، کیا کہنا! بہت سے پھل پھول دے سکتا ہے یہ فقرہ!"

امین نے کہا "یہ سارے فقرے اور پھبتیاں سر آنکھوں پر، مگر قبلہ مجھے ابھیں سے ملائیے، میں اسی کی واپسی کا منتظر ہوں!"

ظہور نے کہا "اب اس اونٹ کو کسی کل بٹھائیے قبلہ، ورنہ یہ برابر شتر غمزے کرتا رہے گا!"

سب لوگ ہنس دئیے۔ حکیم بانا ہُوں ہُوں کر کے بولے "بہت بہتر، مگر اپنا ملبلانا تو بند کیجئے! ہوں ہوں ہوں۔ ایک دن جب میں مجنوں وارانہ صحراؤں میں، جنگلوں میں گھومتے گھومتے اور ٹھوکریں کھاتے کھاتے تھک کر ہمت ہار بیٹھا اور غالب کی زبان میں سوچنے لگا کہ ؎

لختِ جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گُل تا چند باغبانیٔ صحرا کرے کوئی!

ہُوں ہُوں ہُوں! تو راستہ بھٹک کر پھر اسی مقام پر پہنچا جہاں آپ کے غار کا داغ تھا"

ظہور کو بیساختہ ہنسی آگئی۔ امین نے بڑے غصّہ سے انھیں گھورا، ظہور نے خاموشی سے سر جھکا لیا اور حکیم بانا جلدی سے آگے بڑھ گئے:۔

"میں نے اس مقام کو پہچانتے ہی گھوڑے کی باگ دوسری جانب موڑ دی۔ ہوں ہوں ہوں۔ دل چاہتا تھا کہ پھر وہیں بیٹھ کر نوحہ خوانی و سینہ کوبی کروں۔ اسی لئے ادھر سے منہ پھیرے دوسری طرف چلا۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ تھوڑی دور کی بلندی کے بعد راستہ نشیب کی طرف تھا۔ گھوڑا آہستہ آہستہ اترنے لگا۔ ہُوں ہُوں ہُوں! شام کا وقت تھا،

آفتاب غروب ہو رہا تھا، خیال تھا کہ اگر کوئی چشمہ مل جائے تو اسی کے کنارے سوکھی روٹی کے دو ٹکڑے کھا کر اور پانی سے پیٹ بھر کر پڑ رہوں۔ ہوں ہوں ہوں گھوڑے نے پانی کی بو پائی۔ اس نے کنوتیاں بدلیں، وہ ہنہنایا اور تیز گام ہو گیا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ ایک فرسخ کی راہ طے کرنے پر میں نے دیکھا کہ ایک پہاڑ کی چوٹی سے ایک چادر آب گر رہی ہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ ڈوبتے سورج کی کرنیں اُسے ایک سنہری سہرا بنا رہی تھیں، ہوں، ہوں، ہوں۔ اس کی لڑیاں نیچے بہتے ہوئے چشمے کے سینے پر انار کے دانوں کی طرح گرتیں اور اس میں قوس قزحی حباب اُبھرتے اور ٹوٹتے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ پانی کے قطرے چمکتی مچھلیوں کی طرح اچھلتے اور موجوں کے دامن میں گر کر "تو من شدی، من تو شدم" کا منظر نظر فریب پیش کرتے۔ ہوں، ہوں، ہوں!..."

ظہور نے کہا "عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا!"

خاں صاحب پھڑک اُٹھے: "ظہور میاں تعریف نہیں ہو سکتی کس قدر برمحل مصرعہ پڑھ دیا ہے!"

حکیم بانا نے کہا "خاں صاحب، قطرہ کے لفظ نے ایک اور شعر یاد دلا دیا، جو میرے حسب حال بھی ہے اور آپ کے نظریہ کا موید بھی! کیا کہا ہے اس بالغ نظر نے! ذرا الفاظ کے در و بست کو بھی دیکھئے گا! ؎

شوق ہے ساماں طراز نازش ارباب عجز ذرہ صحرا دست گاہ و قطرہ دریا آشنا!"

خاں صاحب کو نصف منٹ مطلب پر غور کرنا پڑا۔ انھوں نے شعر کو دہرایا۔ پھر وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولے "سبحان اللہ! سبحان اللہ!۔ کیا کہنا ہے ذرہ صحرا دست گاہ! قطرہ دریا آشنا! آہا ہا۔ واہ، واہ!"

ظہور نے کہا "پھر اس شوق کو تو دیکھئے جو عاجزوں اور مجبوروں کے لئے سامان مہیا کر رہا ہے۔ واہ، واہ!

مبین قصہ سننے کے لئے بیتاب تھے، انھوں نے بات کا رخ ادھر موڑنے کے لئے کہا "جی سارے طوفان تو اسی قطرہ نے اُٹھائے ہیں ؎

دل کہ یک قطرہ خوں نہیں ہے بیش ایک عالم کے سر بلا لایا!

ظہور نے مسکرا کر کہا "مبین میاں دوسرا مصرعہ یوں پڑھئے۔ ع

ایک عالم کے سر بلا لایا!"

لالہ صاحب بولے "واہ، واہ ظہور میاں! سچ ہے حکیم صاحب قبلہ جیسے صاحبِ علم بھی اس سے نہ بچ سکے!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ آپ بچنے کو کہتے ہیں اور یہاں یہ حال ہے کہ ؎

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگن عشق لب ساقی پہ مکرر ہے صدا میرے بعد!"

ظہور نے فوراً کہا "اے فوج! چھائیں پھوئیں! شیطان کے کان بہرے!

وہ قہقہہ پڑا کہ دور تک آواز گئی۔ حکیم بانا بھی "میرے بعد" سے جو ظہور نے فائدہ اٹھایا تھا اس سے محفوظ ہوئے۔ وہ بولے "آپ حضرات نے اس پر نظر نہ کی کہ ظہور صاحب کی ریش سفید پر یہ زنانے محاورے کس قدر موزوں ہیں!"

ظہور تو چونکہ خود سے اوڑھ لی تھی اس لئے وہ جھینپے نہیں، بلکہ وہ ہنسکر بولے "بازی! بازی! از ریش بابا ہم بازی!" اور داڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

لالہ صاحب نے فوراً ذوقؔ کا شعر پڑھ دیا ؎

"اے زاہد دو رنگ نہ پیر آپ کو بنا! مانند صبح کاذب ابھی ہے ادھیڑ تو!"

اس پر خاصا قہقہہ پڑا۔ مگر بسین کو تو کہانی کی دھن لگی تھی۔ وہ ان بذلہ سنجیوں سے زیادہ خوش نہ ہوئے۔ جیسے ہی ذرا سی خاموشی ہوئی، انھوں نے کہا "ہاں قبلہ، آپ آبشار تک پہنچے، پھر کیا ہوا؟"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ بسین صاحب عملی آدمی ہیں۔ وہ جذبہ و تخیل کی دنیا کے قائل نہیں۔ وہ آبشاروں کے مناظر میں نہیں کھو جاتے، وہ تو اس سے اپنی تشنگی ہی کی آسودگی چاہتے ہیں۔ ہوں ہوں ہوں!

ظہور نے کہا "اور یہاں یہ حالت کہ ؎

"جہاں بھی روک دے منظر وہیں ٹھہر جاؤں عرب کی بات نہیں! عجم کی بات نہیں!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ اچھا شعر ہے۔ مگر مجھے تو بسین صاحب کی خاطر منظور ہے۔ اس لئے وہی رام کہانی سنئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے یہ آبشار ایک بلندی سے دیکھا تھا۔ ساحل تک پہنچنے کے لئے اِدھر اُدھر نظر ڈالی۔ تو کنارے تک پہنچنے کی کوئی صورت نہ دکھائی دی ہوں ہوں ہوں۔ آبشار کی دونوں جانب عمودی چٹانیں، ان سے اترنے کی کوئی راہ نہیں۔ پھر فرسخوں کنارے کنارے چٹانیں ہی چٹانیں! اور سب نم، ان پر اس غضب کی پھسلن کہ قدم ٹکنا محال! ہوں ہوں ہوں۔ ہزاروں برس کی نمی، سیلن، کائی! ہوں ہوں ہوں۔ میں نے اپنی دوربین سے ان پتھروں کو بغور دیکھا تو عجیب ماجرا نظر آیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ عجیب قسم کے جانور ان سے لپٹے ہوئے تھے۔ کالے کالے، گز گز ڈیڑھ ڈیڑھ گز لمبے۔ نہ مگرمچھ، نہ گھڑیال، نہ ان کے بچے! نہ جانی پہچانی مچھلیاں! ہوں ہوں ہوں! بہت غور کیا، کئی پہلوؤں سے دیکھا تو شناخت کی۔ کہ جونکیں ہیں جونکیں! ہوں ہوں ہوں۔

میں نے کہا۔ معاذ اللہ! اگر ان میں سے ایک بھی انسان کو چپک جائے تو منٹوں میں فاسد و صالح ہر طرح کا خون ختم ہو جائے!"

حکیم بانا بولے "ہوں ہوں ہوں۔ اجی، انسان کا کیا ذکر، ہاتھی بھی ہو تو منٹ دو منٹ میں خالی خول رہ جائے۔ لہو کی بوند دھڑ بھر میں نہ رہے۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ راستہ بھی ہوتا تو اسے آبشار تک پہنچنے کی کون کوشش کرتا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے بھی چشمے کے کناروں کو نظر میں رکھا اور ان کے متوازی چلنے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ تقریباً نصف میل چلنے کے بعد نشیب کی طرف جاتا ہوا جانوروں کا بنایا ایک راستہ ملا۔ گھوڑے نے وہی راہ اختیار کی۔ ہوں ہوں ہوں۔ بڑے خطرناک مقامات سے گزر کر چشمے کے کنارے پہنچا، الحمدللہ کہ نہ تو جونکیں تھیں اور نہ کسی قسم کا کوئی اور کیڑا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ایک پتھر پر بیٹھ کر ہاتھ پاؤں دھوئے، نماز پڑھی خورجین سے سوکھی روٹی نکالی، اسے کھانے کا قصد کر ہی رہا تھا کہ ایک مچھلی اچھلی، کوئی دو سیر کا رہو ہو! ہوں ہوں ہوں۔ نظر پڑتے ہی میں نے ڈنڈا اچھالا اور مچھلی چوٹ کھا کر کنارے پر گر کر پھڑکنے لگی۔ ہوں، ہوں ہوں۔ اب کیا تھا مسبب الاسباب اور رزاق عالم نے روٹی کے لئے سالن بھی مہیا کر دیا تھا۔ شکر خدا بجالایا اور اسے بھون کر کھایا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب تاریکی ہر طرف پھیل گئی تھی اور سماں حد درجہ بھیانک ہو گیا تھا۔ ٹھنڈک بھی بڑھ رہی تھی اس لئے میں نے آگ کو الاؤ کی صورت دی اور کمبل اوڑھ کر اس کے پاس ہی لیٹ رہا۔ ہوں ہوں ہوں۔ کئی دن کے بعد پیٹ بھر کھانا کھایا تھا اس لئے تھوڑی دیر میں غافل سو گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ بارہ بجے شب کے قریب گھوڑے نے شانے میں تھوتھن کے

ٹھوکے دے کر مجھے جگایا۔ ہوں، ہوں ہوں۔ میں نے ادھر اُدھر نظر ڈالی۔ کوئی چیز اس کو خائف کرنے والی نہ دکھائی دی اور نہ کوئی آہٹ ہی سنائی دی۔ نہ کوئی سرسراہٹ نہ کسی کی چاپ، نہ کسی جانور یا درندے کی بو ناک میں آئی۔ ہوں، ہوں، ہوں۔

لالہ صاحب نے پوچھا "کیا قبلہ حکیم صاحب، جانوروں کی بو دور ہی سے محسوس ہو جاتی ہے؟"

ظہور نے کہا "کیا شریمتی جی نے کبھی شکایت نہیں کی؟"

سب لوگ ہنس پڑے اور لالہ صاحب جھینپ گئے۔ حکیم بانا نے ہوں ہوں کر کے کہا "لالہ صاحب جب کوئی جنگلوں اور صحراؤں میں زندگی بسر کرتا ہے تو اسکی قوت شامہ بہت بڑھ جاتی ہے۔ وہ ہر چیز کی بو محسوس کرنے لگتا ہے۔ شجر کی، حجر کی قسم قسم کے درندوں کی، جانوروں کی، انسانوں کی، ورنہ وہ بہت جلد لقمہ اجل ہو جائے۔ یہ قانون فطرت ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ غرض جب کسی طرح کا خطرہ محسوس نہ کیا تو یقین ہو گیا کہ اسپ وفاشعار نے بے موقع اظہار محبت سے کام لیا ۔۔۔۔۔۔۔

ظہور نے کہا "خیریت گزری کہ صرف تھوتھن ہی ماری!"

سب لوگ مسکرائے۔ حکیم بانا نے ایک اچھے قصہ گو کی طرح ان کے جواب میں وقت ضائع نہ کیا۔ انھوں نے اپنی کہانی جاری رکھی۔ انھوں نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ میں نے قصد کیا کہ پھر لیٹ رہوں۔ دفعتہً بانسری کی آواز کان میں آئی ۔۔۔۔۔۔۔

مبین بچوں کی طرح بول اُٹھے "ارے وہی جل پری والی بانسری؟"

حکیم بانا نے کہا "جی ہاں، اسی قتالۂ عالم کی بانسری! ہوں، ہوں، ہوں۔ کیا کہوں کیا حالت ہوئی۔ ہر رگ جسم تار بن گئی، معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے ناخن انھیں

تاروں پر دوڑ رہے ہیں۔ ہر بن مو پر ایک جھٹکا پڑ رہا ہے۔ دل بلیوں اچھل رہا ہے جسم بھر سے کانپ رہا ہوں، سارے اعضا بے قابو ہو رہے ہیں۔ ہوں ہوں ہوں ہوں۔ میں افتاں خیزاں، بدحواس اس آواز کی طرف دوڑا۔ اندھیرے میں کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ نہ جانے کتنی ٹھوکریں کھائیں، کتنی بار گرا، کتنی بار اٹھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ بس ایک چیخ تھی، ایک پکار تھی، ایک نام کی رٹ تھی جو گلوگیر بھی تھی، زباں پر جاری بھی تھی:۔ آبی! آبی! آبی!۔ ہوں ہوں ہوں۔ دفعتہً بانسری کی آواز بند ہو گئی۔ میں بے سہارا ہو کر چیخا "ارے کدھر ہو آبی! ارے کیسے پہنچوں تم تک! بولو! آواز دو! ہوں ہوں ہوں۔ دفعتہً سارے میں ایک نور سا پھیل گیا، جنگل کا گوشہ گوشہ روشن ہو گیا۔

ظہور نے مصحفی کا شعر پڑھ دیا ؎

کل شب تاریک میں جونہی ہوا وہ بے نقاب　　جلوہ گر روئے زمیں پر ہو گیا مہتاب سا

حکیم بانا نے کہا "اس مہتابی روشنی میں آواز آئی حکیم ہندی! حکیم ہندی، ادھر! ہوں ہوں ہوں۔ میں نے دیکھا وہ بقۂ نور بنی ایک چٹان پر میری طرف دونوں ہاتھ پھیلائے چلی آرہی ہے! ۔۔۔

ظہور نے شعر پڑھے:

آ ہی گیا اک مستِ شباب　　شیشہ بدست و نغمہ بہ لب!

ختم ہوا انعام فراق　　آ ہی گیا پیغام طلب!

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں۔ ہم ملے اس طرح ملے جس طرح دو بچھڑے ملتے ہیں۔ جس طرح زخم کے دونوں لب بعد صحت ملتے ہیں، جس طرح اعضا کی ٹوٹی ہڈیاں

پھر سے جڑنے پر ملتی ہیں جس طرح وہ اجنبی شاخیں قلم بنائے جانے پر ملتی ہیں! ہوں ہوں ہوں!

لالہ صاحب نے کہا "حکیم صاحب قبلہ، کیا کیا مثالیں تلاش کی ہیں، کیا کہنا ہے اس قادر الکلامی کا!"

ظہور نے کہا "اللہ کرے زورِ زباں اور زیادہ! لیکن خدارا سر سری نہ گزر دیجئے گا۔! سمندر پہ چل اور الیاسس بن جا ہواؤں پہ اڑ اور سلیماں نیاں کہہ!

حکیم بانا ہوں ہوں کر کے بولے "ہم نے پوری رات حکایتوں شکایتوں میں بسر کی میں نے اپنے مصائب کو زیب دے کر طویل سے طویل تر بنا کر پیش کیا۔ ہوں ہوں ہوں۔

ظہور نے فوراً مصرعہ عادتاً اصلاح دے کر پڑھا "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتی!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ جب ایسے دربارِ دُر بار میں کوئی بار پائے اور گہر ہائے الفاظ کا سلسلہ بھی نہ کو ندھ پائے تو تُف ہے اس پر! ہوں ہوں ہوں۔ میں نے طلاقت کے دریا بہائے، فصاحت و بلاغت کے موتی لٹائے اور عروس سخن کو سطلّی و مجلّی کر کے نذرِ محبوب کیا۔ ہوں ہوں ہوں۔

مبین نے صبر کی بڑی کوشش کی مگر پیمانہ چھلک اٹھا۔ وہ بالآخر بول اٹھے۔ اجی قبلہ، شاعری ہی کیا کیے یہ نہ پوچھا کہ وہ اس زلزلہ سے کیسے بچ نکلی؟"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ زلزلہ کے وقت وہ اپنے محل میں آرام کر رہی تھی۔ اس پر اس ہنگامہ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ہوں ہوں ہوں۔ جب چشمۂ آب کو ایک طرف سے بہنے کا راستہ نہ ملا۔ تو اس نے دوسری جانب سے نکاس کی صورت نکالی۔ اور آبشار بنکر ادھر گرنے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ بلکہ آب خواب سے چونکی تو چشمہ کروٹ بدل چکا تھا۔

اسے کوئی تعجب نہ ہوا۔ وہ اس طرح کے انقلابات کی عادی تھی۔ ہاں اس کو غم تھا تو یہی کہ اب شاید عمر بھر مجھ سے ملاقات نہ ہو۔ جانے پہچانے غار تک پہنچنا ہی محال تھا نہ کہ نئے سوتے کا سراغ لگانا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے ایک ماہ لبِ جُو قیام کیا۔ دن بھر ہم اس کے محل میں رہتے، شبوں میں ہیں ساحلِ پر الاؤ جلاکر اپنے کو سینکتا، گرماکر سوتا، سپیدۂ سحری ظاہر ہوتا کہ وہ سرہانے آکر جگاتی "کے عاشق شوریدۂ من خوابت ہست!"

ظہور نے حافظ شیرازی کے اس مشہور قطعہ کا آخری شعر پڑھ دیا۔

عاشقے را کہ چنیں بادۂ شب گیر دہند کافر عشق بود گر نبود بادہ پرست!

لالہ صاحب کچھ اس چیز سے بھی شوق کرتے تھے اس کے جواز کی نئی دلیل ہاتھ آئی۔ وہ جھومنے لگے۔

مبین نے مسکین صورت بناکر پوچھا "تو کیا قبلہ، آپ نے وہاں پی!

حکیم پانا نے اپنے مخصوص انداز سے مسکرائے۔ وہ بولے "جناب من! جب پی خود اصرار کرے تو نہ پینا حرام ہے! میں نے پی اور چھک کے پی! ہُوں ہُوں ہُوں۔

مبین اور لالہ کا منہ استعجاب سے کھل گیا۔ حکیم پانا سا عالم متشرع، متقی و پرہیزگار اور اس طرح کا اقرار!

حکیم پانا نے ان کو مسکرا کر دیکھا۔ وہ رگ کرا نکی بوکھلاہٹ سے مزہ لیکر بولے مگر یہ شرابِ انگور نہ تھی، شرابِ محبت تھی! ہُوں ہُوں ہُوں!

اور مبین کے بیساختہ "استغفراللہ!" کہہ اٹھنے پر ظہور خاں صاحب و لالہ صاحب ہی نہ ہنسے بلکہ حکیم پانا بھی ہوں ہوں کہہ کر ہنس دیئے۔

اکیسواں باب

"آں جہانی و ایں جہانی"

دوسری شام کو حکیم بانا کے آتے ہی مبین نے شکایت کی "قبلہ کل میرے نشتر غمزوں پر چوٹیں کی گئیں میرا بلبلانا بھی ناگوار خاطر بتایا گیا مگر ابیض اب تک واپس نہ لا۔ میں تو "کیف تحی الموتیٰ" کا منظر دیکھنا چاہتا ہوں"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں مبین صاحب نہ تو میرے پاس عصائے موسیٰ، نہ دم عیسیٰ!......"

ظہور تڑسے بولے "مگر مبین تو خر عیسیٰ بننے کو تیار نہیں!"

حکیم بانا نے کہا "مگر میں تو ان پر سواری کرنے کے لئے تیار نہیں! ہوں ہوں ہوں۔

مبین نے کہا "جی، فقرہ بازی نہیں، ابیض کا قصّہ چاہیئے۔

ظہور بولے۔ دیکھتے ہیں آپ اس بالک ہٹ کو!

حکیم بانا بولے "اور اگر آپ اس اصرار میں شریک ہو جائیں تو تریا ہٹ بھی ہو جائے! ہوں، ہوں، ہوں۔

لالہ صاحب نے کہا "اور خاں صاحب کی شرکت اُسے راج ہٹ بھی بنادے گی! کیوں قبلہ؟"

حکیم بانا نے کہا "جب تین تین ہٹ یوں جمع ہو جائیں تو مجھے جھٹ پٹ ابیض کے قصّہ کا پٹ کھولنا ہی پڑے گا! ہوں، ہوں، ہوں۔ ایک دن آپ ہی سے سلسلۂ گفتگو میں

پچھلے چشمہ کا ذکر آ گیا۔ بے اختیار خواہش ہوئی کہ اس مقام کو پھر ایکبار دیکھ لوں جہاں اتنے معرکے سر کئے تھے اور جہاں محمودہ سی نیک ذات و پسندیدہ صفات محبوبہ ملی تھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ آبی سے فرمائش کی تو وہ دو چار دن ٹالتی رہی۔ راہ پُر پیچ تھی اور راستے میں بہت سی بلاؤں کے مقابلے کا ڈر تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ سب سے زیادہ قیامت وہ جونکیں تھیں جو میں نے آبشار کے قریب دیکھی تھیں۔ یہ گویا اس سرنگ کی محافظ تھیں جن سے ہم دوسرے غار تک پہنچے۔ آبی نے بتایا کہ اگر ان میں سے ایک کا بھی منہ میرے یا اس کے جسم تک پہنچ گیا تو پھر ہماری خیر نہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ مگر پہلی منزل کی دید کا شوق خوف پہ غالب آیا۔ اور ہر چہ بادا باد کشتی در آب اندا ختیم!۔ ہوں ہوں ہوں۔ ہم دونوں تہ میں تیرتے ہوئے جب بالکل سرنگ کے قریب پہونچے تو جونکوں کا ایک لشکر ہماری طرف بڑھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے پانی میں بانا کے ہاتھ ہلانا شروع کئے اور تھوڑی ہی دیر میں دونوں کناروں سے ملے ہوئے دو نئے کنارے کھڑے ہو گئے۔ یہ مری ہوئی جونکیں تھیں! ہوں ہوں ہوں۔ دوران جنگ ہی میں آبی نے سرنگ کے منہ کو چند سکنڈ کے لئے خالی پایا اور وہ پھرتی سے اندر داخل ہو گئی۔ میں بھی ہاتھ ہلاتا جونکوں کو مارتا، راستے سے بھگاتا جلد ہی اس کے پاس پہنچ گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب ہمیں بڑے پُر پیچ راستوں سے گزرنا پڑا۔ بعض جگہیں تو ایسی تھیں کہ اگر آبی ساتھ نہ ہوتی تو مجھے کبھی ان کی خبر بھی نہ ہوتی! ہوں ہوں ہوں۔ بارے گھنٹوں پانی میں تیرتے رہنے کے بعد ہم کھلے ہوئے پانی میں پہنچے۔ یہ زیر زمیں ایک بحر تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ابھی دور ہی تھا کہ ایک برف کا پہاڑ دکھائی دیا، وہی جسے ظہور صاحب کی زبان میں گلیشیر کہتے ہیں!"

لالہ صاحب سیدھے تھے۔ انھوں نے تعجب سے پوچھا۔ "گلیشیر تو قبلہ انگریزی

لفظ ہے، ظہور صاحب کی زبان کیسی ہے؟"

حکیم بانا نے کہا "گھبرائیے نہیں، میں نے ظہور صاحب کی نسل و نسب پر خدانخواستہ حملہ نہیں کیا ہے۔ میں نے انکی فہم و فراست، زیرکی و ہوشمندی کو انگریز کہہ کر سراہا ہے ہوں ہوں ہوں! روئے سخن جو انکی طرف تو رو سیاہ!

ظہور نے مسکرا کر کہا "شکریہ! آپ تو کہا کرتے تھے ع

ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیِ منصور نہیں۔

مگر اس وقت تو میری طرح مصرعہ میں ترمیم بھی کر ڈالی!

حکیم بانا نے کہا "کیا کروں۔ جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد! ہوں ہوں ہوں۔

خاں صاحب نے کہا "اللہ جمیل و یحب الجمال" مگر ظہور صاحب کے ہاں جمال کا ذکر۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔"

ظہور نے کہا "تو تیرے حضور میں آپ جیسا اللہ والا کہاں سے بن سکتا ہوں۔

عمر تو ساری کٹی عشقِ بتاں میں میری آخری وقت کیا خاک مسلماں ہوں گا!

مبین نے کہا "اجی چھوڑیئے ان کا ذکر، ان کے لئے تو آیت اتر چکی۔ ختم اللہ علیٰ قلوبہم!

ظہور نے کہا "لیجئے قبلہ، انھوں نے قلب ہی پر نہیں میرے لبوں پر بھی مہر لگا دی اب آپ سرنگ میں پھر داخل ہو جیئے!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ آپ بڑے فراخ دل واقع ہوئے ہیں۔ اچھا صاحب، پھر گلیشیر تک میرے ہمراہ زحمت کیجئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے جل پری سے کہا اب تک برف کا پہاڑ دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ چلو اسے بھی دیکھتے چلیں۔

ہوں ہوں ہوں۔ ہم دونوں اس پر چڑھ گئے۔ پانی کے دھارے نے اس میں عجیب عجیب محرابیں، ستون، چھتیں، دیواریں بنائی تھیں، ہوں ہوں ہوں۔ بعض ان میں سے ایسی خوبصورت، اتنی منقش اور اتنی نفیس جالیدار بن گئی تھیں کہ بہتر سے بہتر سنگ تراش بڑا سے بڑا صناع ہونے پر بھی عمر بھر کی کوشش و کاوش کے باوجود ان کا مقابل انہیں تیار کر سکتا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں انھیں کے دیکھنے میں محو تھا کہ دفعتہً اوپر سے ایک چٹان اپنی جگہ سے کھسکی۔ آواز جو پیدا ہوئی تو میں نے نظر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ابیض بلند ترین چوٹی پر اور لاکھوں ٹن برف میں ڈھکا پڑا تھا۔ ہوں ہوں ہوں!

ہبین نے سادگی سے پوچھا "ارے ابیض وہاں کہاں سے پہنچا؟"

حکیم بانا بولے "ہوں ہوں ہوں۔ ساحر کی نظر کے اثر سے بیہوش ہو کر ابیض جس غار میں گرا تھا اس میں برف جمی ہوئی تھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ جب میرے بانا کے ہاتھ نے سارے کہسار میں زلزلہ ڈالا تو وہ حصہ برف دھنس کر اندرونی سوتے تک پہنچ گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہاں کی یخ نے اسے اور بھی جما دیا اور جب برف کے مختلف حصوں نے مل کر پہاڑ کی صورت اختیار کی تو ابیض انھیں میں منجمد ہو کر رہ گیا! ہوں ہوں ہوں۔ میں نے آبی سے کہا "میں ابیض کو اس طرح بے غسل و کفن نہیں دیکھ سکتا۔ میں اسے انسانوں کی طرح سپرد خاک کروں گا۔ وہ میرا سب سے بڑا رفیق تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس نے کہا مگر اس کو اس تودۂ برف سے نکالنا کوئی آسان کام نہیں۔ نہ ہمارے پاس کوئی تیشہ نہ کلہاڑی، نہ پہاڑ کاٹنے والے اوزار، نہ برف توڑنے والے ہتھیار! ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کہا اچھا تم ذرا دور کھڑی ہو جاؤ۔ میں تماشا دکھاتا ہوں۔ اور میں نے ایک بلندی پر چڑھ کر بانا کے ہاتھ ہلانا شروع کئے۔ تڑاتڑ، تڑاتڑ، تڑاتڑ، تڑاق

پڑاق، تڑاق پڑاق۔ برف ٹوٹنے لگی اور ابیض مجھ سے قریب سے قریب تر ہونے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ نصف گھنٹہ کی محنت شاقہ کے بعد ابیض لڑھک کر میرے ہاتھوں پر آگیا۔ مگر بالکل برف! یخ بستہ! ہوں ہوں ہوں اب اسے سہارا دیئے ہوئے پانی پر لیکر چلا۔ آبی نہ ہوتی تو سرنگ کے بعض تنگ حصّوں سے نکل ہی نہ سکتا تھا۔ بعض بعض جگہ تو ہمیں باقاعدہ ٹانگیں اور سر پکڑ کر کھینچنا پڑا۔ ہوں ہوں ہوں۔ جب ہم سرنگ کے منہ پر پہنچے تو پھر جونکوں کی فوج نے حملہ کیا۔ اب کس کس کو بچاؤں اپنے کو، آبی کو یا ابیض کو۔ ہوں ہوں ہوں۔ چنانچہ باوجود ان تھک کوششوں کے درجن بھر اس کے جسم سے لپٹ ہی گئیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے دل میں کہا، ابیض تو مر ہی چکا ہے، یہ جونکیں اس کا کیا بگاڑ سکیں گی۔ بس اپنی دو جانیں سلامت رہیں تو بہت ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ جب کسی طرح خستہ تھکا ہوا اپنے کو کنارے پر گرا پایا اور ابیض کو کھینچ کر نکالا تو آپ کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ اس کے جسم میں لپٹی ہوئی جونکیں سب مردہ تھیں!۔ ہوں ہوں ہوں۔ انھوں نے ابیض کے یخ جسم پر چپک کر اپنے کو ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کر لیا تھا۔ ہوں ہوں ہوں حرص ان کے لئے باعث موت بنی! ہوں ہوں ہوں!۔ میں نے ابیض کے جسم سے انھیں نوچ نوچ کر دور پھینک دیا اور جلدی سے آگ روشن کر کے اپنے کو سینکنے لگا ہوں ہوں ہوں۔ آگ کی گرمی سے ابیض کے جسم سے برف پگھلنے لگی اور آہستہ آہستہ اس کا جسم بھی گرم ہونے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں اُٹھ کر چلا کہ میں ابیض کے لئے ایک قبر تیار کروں کہ میں نے دیکھا دفعتہً اس کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ میں ابیض! ابیض! کہہ کر چیخ پڑا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس نے ٹانگیں پھیلائیں اور سکوڑیں، اس نے گردن

بڑھائی، سر میرے قدم سے ملے اور وہ بلبلاتا ہوا اُٹھ کر کھڑا ہو گیا! ہوں ہوں ہوں میں نے خوشی سے اچھل کر اس کی گردن میں باہیں ڈال دیں اور میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے!۔ اور حکیم بانا نے اپنا ہشت پہل رومال قبا کی جیب سے نکالا اور اثر کو بڑھانے کے لئے اپنی چیاں آنکھوں کے کونے پونچھے۔ ہبین لالہ صاحب اور خاں صاحب نے لمبی لمبی سانسیں لیں۔ ظہور نے سر جھکا کر مسکراہٹ چھپائی۔

حکیم بانا نے کہا "ابیض کے دوبارہ مل جانے سے جو خوشی مجھے ہوئی تھی اس کی حد و انتہا نہیں بیان کر سکتا۔ ہوں ہوں ہوں۔

خاں صاحب نے کہا "قبلہ کسی انگریزی شاعر نے کہا ہے کہ بچھڑے ہوئے دو دیرینہ رفیقوں کی دوبارہ ملاقات سے زایدہ کوئی واقعہ مسرور و شاداں کرنے والا ممکن ہی نہیں!"

ظہور نے کہا "بشرطیکہ دونوں ہم جنس بھی ہوں"!

حکیم بانا نے حسب عادت ظہور کو دنداں شکن جواب دینے کی کوشش نہ کی بلکہ انکی چوٹ سے فائدہ اُٹھایا وہ بولے "ظہور صاحب نے ہم جنس کا لفظ بڑے موقع سے استعمال کیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ آپ اور میرے معاملے میں بھی غیر جنسیت مقاطعہ کا باعث بنی۔ ہوں ہوں ہوں۔ باوجود محبت و عشق کے صحبت غیر جنس ہم دونوں کو کھلنے لگی۔ ہوں ہوں ہوں۔ کچھ تو جسموں کی بو، کچھ مزاجوں کا انداز، کچھ دماغوں کی ساخت، کچھ علوم کا تناقص، کچھ اخلاط کا تباین، کچھ تربیت و پرداخت کا اختلاف ہوں ہوں ہوں۔ غرض کچھ ہی مدت حیوانیت ان پر سر بر آرا

رہی پھر جیسے جیسے یہ جذبہ کمزور ہوا، دبی ہوئی کراہتیں اُبھر آئیں۔ہوں ہوں ہوں۔

لالہ صاحب نے کہا "سبحان اللہ، سبحان اللہ حکیم صاحب قبلہ، اس وقت کی تقریر علم بیان اور علم النفس کا معجزہ ہے۔

خاں صاحب نے کہا "ہمارے قبلہ کی معجز بیانی میں کس کو کلام ہو سکتا ہے!"

ظہور نے مسکرا کر کہا "قبلہ، ایک مصرعہ یاد آ گیا۔ عجب نہیں جو با موقع ہو ؎

وہ عناصر کا تباین اور وہ آپس کا ملاپ!

حکیم بانا نے کہا "واقعی بہت ہی عمدہ بات کہی۔ وہ آبی، میں خاکی۔ دونوں میں عناصر کا اختلاف، باوجود اس کے وہ کشش کہ بغیر ایک دوسرے کے ماہی بے آب! ہوں ہوں ہوں۔ پھر بھی جیسا میں نے عرض کیا پرانا اکراہ جو ہوس و بہیمت کے انگاروں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے نیچے دبا پڑا تھا، ان جذبوں کے ٹھنڈا ہوتے ہی ان کے خاکستر میں سے نکل آیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ہم نے عمداً "ایک دوسرے سے جدا اور الگ رہنے کی مدت کو طول دینا شروع کیا، اور بالآخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ چوبیس گھنٹے میں ہم مشکل سے ساعت دو ساعت کے لئے ملتے ورنہ ہم میں دید و بازدید کی خواہش تقریباً مفقود ہو گئی۔ ہوں ہوں ہوں

ظہور نے کہا "قبلہ آپ کے جذبے کی ترجمانی حالی نے خوب کی ہے۔ ملاحظہ ہو بڑے ادیبانہ طور پر کہا ہے ؎

سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے!

خاں صاحب نے بے اختیار ظہور کو گلے سے لگا لیا۔ "واللہ تلاش کی داد نہیں دی جا سکتی!"

لالہ صاحب بھی آپے سے باہر تھے، حکیم بانا تک ہوں ہوں کر رہے تھے مگر مبین کو وہی دھن لگی تھی۔ آگے کیا ہوا قبلہ، اس شعر وشاعری میں قصّہ کا مزہ کِرکِرا ہو جاتا ہے۔

حکیم بانا نے کہا "ہُوں ہُوں ہُوں۔ میری خواہش گریز کو ابیض کی بازیافت نے تیز تر کر دیا تھا۔ اب مجھے پاؤں توڑ کر پڑا رہنا کھلنے لگا۔ میرا جذبۂ تنافر بھی بڑھ گیا۔ میں طبیب تھا، طالب علم تھا، سیاح تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ مجھے دامِ عشق میں گرفتار ہو کر بیکار بیٹھنا حد درجہ برا معلوم ہونے لگا۔ ساتھ ہی وطن کی یاد بھی ستانے لگی۔ ایک زمانہ ہو گیا تھا گھر چھوڑے ہوئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ یہ کیا خانہ بدوشوں کی زندگی کہ دن قلبِ بحر میں بسر کیا اور رات ستھر یلی زمین پر لیٹ کر کاٹی۔ نہ بدلنے کے لئے لباس، نہ لیٹنے کے لئے بستر، بہت زیادہ قیمت دینا پڑ رہی تھی مجھے چند لمحوں کی لذت کی۔ ہوں ہوں ہوں۔ انسانی فطرت ہے کہ جب غیر دل سے متواتر و مسلسل یکساں ساتھ رہتا ہے تو اپنے بہت یاد آتے ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ کیسے ہوں گے والد بزرگوار، کیا کرتے ہوں گے گاؤں کے لوگ! ظہور، مبین و خاں صاحب بھول گئے سب مجھ کو کہ میں کبھی کسی کو یاد آتا ہوں۔ ہُوں ہُوں ہُوں۔ بقول اکبر

ہمیں تو آٹھ پہر رہتی ہے تمہاری یاد   کبھی تمھیں بھی ہمارا خیال آتا ہے؟

ظہور نے کہا قبلہ، کہئے تو بات بناؤں ورنہ حقیقت وہی تھی جسے فراق نے کہا ہے ؎

مدتیں گذریں تری یاد بھی آئی نہ ہمیں   اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں!

مبین نے کہا "اچھا آپ زیادہ محبت نہ جتائیے۔ بات سننے دیجئے۔

ظہور نے کہا "قبلہ، اس ظالم نے آپ کو ایک دفعہ بھی یاد نہ کیا ہو گا!
حکیم بانا نے کہا "ایں شیوۂ معشوقان است بابا!"
اس پر بڑے زور کا قہقہہ پڑا۔
حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ میں نے ایک دن آبی سے بالمشافہ کہہ دیا کہ اب میں وطن جانا چاہتا ہوں۔ ہوں ہوں ہوں اس نے بھی زیادہ رد و قدح نہ کی۔ وہ اس پر تیار ہو گئی کہ وہ تحت الارض راستوں سے مجھے ساحل بحر پر پہنچا دے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے ابیض پر سوار ہو کر اس کی ہمراہی میں چشمہ میں غوطہ لگایا۔ اور چند گھنٹوں میں وہاں پہنچے جہاں بندرگاہ میں ہندوستان آنے والا جہاز کھڑا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ شام تک ہم ایک جھاڑی کے نیچے چھپے رہے۔ شب کی تاریکی میں میں نے ایک دوکان سے سلے سلائے کپڑے خریدے، کچھ کھانے کی چیزیں مول لیں اور رات وہیں بندرگاہ کے قریب آبی کے ساتھ کاٹی۔ ہوں ہوں ہوں۔ صبح کو وداع ہوتے وقت ہم ایک دوسرے سے مل کر بہت روئے۔ گریہ آنسو ماضی کی مسرتوں کا نوحہ تھے۔ استقبال کے فراق سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس نے بحر میں غوطہ لگایا اور میں ابیض سمیت جہاز پر سوار ہوا۔ وہاں اس شتر باوفا کے معاملے میں جو پیش آیا وہ میں آپ حضرات سے بیان کر چکا ہوں۔ میں اس رفیق با اخلاص سے بمجبوراً رخصت ہوا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے اسے آبی کے حوالہ کر دیا کہ اسے صحرائے عرب میں پہنچا کر چھوڑ دینا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں ہندوستان چلا آیا اور آج ......"
حکیم بانا رک کر خاص انداز سے مسکرائے "ظہور صاحب، خفا ہو جائیں گے، اس لئے کچھ نہ کہوں گا! بس اتنا ہی کہ ؎

مری روداد غم وہ سن رہے ہیں　　تبسم سا لبوں پر آ رہا ہے!

ظہور نے کہا "اور مجھے بھی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ

جڑیں پہاڑوں کی ٹوٹ جاتیں، فلک تو کیا عرش کانپ اٹھتا
اگر میں دل پر نہ روک لیتا، تمام زورِ عتاب تیرا!

حکیم بانا نے "ہوں ہوں" کہہ کر ڈنڈا اٹھایا۔ چیاں سی آنکھوں سے مسکرائے پھر بولے "اچھا تو لو، سپر یہ وار روکو!"

ظہور اچھل کر دور کھڑے ہو گئے۔ اور انھوں نے مسخرے پن سے ہاتھ نچا کر غالب کا یہ شعر پڑھا۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا　　لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔

اور ایک قہقہہ پر یہ نشست بھی ختم ہو گئی۔

بائیسواں باب

"خیر سے بانا گھر کو آئے"

بخت واتفاق کا مذاق دیکھئے کہ حکیم بانا کسی رئیس کے علاج کے سلسلے میں مہینہ بھر کے لئے مہندی پور سے کہیں باہر چلے گئے۔ اسی زمانے میں کسی وبا کے دوش پر سوار حضرت عزرائیل تشریف لائے۔ گاؤں والے ہمیشہ سے اپنی ضیافت کے لئے مشہور تھے۔ انھوں نے اپنی قدیم روایت مہمانداری کو برقرار رکھا۔ اچھے سے اچھا ناشتہ اور کھانا پیش کیا۔ جب یہ حضرت شکم سیر ہوکر تشریف لے جا چکے تو حکیم بانا پلٹے۔ گاؤں والوں نے بڑی آؤ بھگت کی۔ گو ہر شخص اس کا قائل تھا کہ ع۔ موت کا ایک دن معین ہے۔ اور حکیم بانا ہوتے بھی تو یہی ہوتا۔ ان کا یا نا کبھی اس معاملے میں آنا کانی کرتا۔ پھر بھی وہ اپنی سی تو کر لیتے۔ "خانۂ خالی را دیو می گیرد" والی بات تو نہ ہوتی۔

ادھر حکیم بانا بھی بقول خود معرکے سر کر کے آئے تھے۔ جیبیں بھی گرم تھیں مزاج بھی نرم تھا۔ اور ملک الموت کے پس خوردہ انکی دواؤں سے اچھے بھی ہو رہے تھے۔ اس لئے انکی حذاقت، انکی قابلیت اور انکی ہمہ دانی کے دعووں کے ٹوکنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ اس لئے خاں صاحب کی نشستوں میں بڑی گھا گھمی آگئی تھی۔

ایک دن میں نے پوچھ دیا۔ "قبلہ، آپ کی سیاحت کے اکثر واقعات سنے، ہندوستان واپسی کیونکر ہوئی، اس کی روداد آپ نے اب تک نہ بیان فرمائی۔"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ اس سفر کی روداد بھی عجیب و غریب ہے۔ ابیض کا جہاز سے اتارا جانا تو آپ حضرات سن ہی چکے ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ دو چار دن مجھے بھی لوگوں نے ایک عجیب طرح کا انسان سمجھا، اور برابر فرنگنیں جوق در جوق مجھکو دیکھنے آئیں!۔۔۔۔۔"

آج چونکہ تخلیہ کی صحبت نہ تھی اس لئے ظہور مسکرا کر رہ گئے، نہ کوئی فقرہ کس سکے نہ کوئی شعر پڑھ سکے۔ حکیم بانا نے انکو دیکھا، ڈنڈے کو ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر اُٹھا کر رکھا۔ ظہور مہرے کی ان چالوں کو خوب سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ خاموش بیٹھے مسکرایا ہی کئے۔ حکیم بانا آج شیر تھے۔ اصل میں شیر قالین سہی، مگر ان کے لئے تو اس وقت شیر غرّاں کی طرح ناخون و دنداں تیز!

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ دو چار دن میں یہ بات بھی جاتی رہی اور سب اپنے اپنے مشاغل میں مشغول ہو گئے۔ میں بھی دن میں سمندر کے مناظر سے لطف لیتا اور شب میں ماضی کی یاد میں غزلیں کہتا۔ ہوں ہوں ہوں۔ ہم لوگ بحر ہند میں داخل ہو چکے تھے اور دن کے آٹھ بجے تھے کہ دفعتہً ایک شور سا اُٹھا۔ گھنٹیاں بجنے لگیں، ملاح جلدی جلدی لائف بوٹ ٹھیک کرنے لگے۔ اور مسافروں کو ربڑ کے پھولے پھولے حلقے بانٹے جانے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ عورتیں یکجا کی جانے لگیں، بچے اکٹھا کئے جانے لگے۔ عورتیں اپنے اپنے مردوں سے چمٹ چمٹ کر رونے لگیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں بیٹھا ایک قصیدہ کی تشبیب نظم کر رہا تھا، خیال تھا کہ کوئی ایسی چیز کہوں کہ خاقانی و قاآنی کو اس کی ہوا تک نہ لگی ہو۔ ہوں ہوں ہوں اس سراسیمگی، چیخ و پکار، فریاد و شیون اور شور شغب نے مجھے بھی اپنی طرف متوجہ کیا۔

ہوں ہوں ہوں۔ میں نے ایک ملّاح سے سوال کیا کہ یہ کیا ہنگامہ ہے۔ اس نے شمال کی طرف اشارہ کر کے کہا عجیب و غریب بلا اس طرف سے آرہی ہے جو آجتک نہ سنی نہ دیکھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے دیکھا تو واقعی ایک سپید دھواں سا ہے جو سطح سمندر سے آسمان تک چھایا ہوا ہے اور جہاز کی طرف تیزی سے بڑھتا چلا آرہا ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔

حکیم بانا نے رُک کر لوگوں کے استعجاب اور بیچینی میں اضافہ کرنے کے لئے اطمینان سے پان کھائے اور حقے کے کئی کش لئے تب وہ بولے "میں نے دور بین لگا کر بغور دیکھا۔ ایک میل کے قطر میں ایک فوارہ دکھائی دیا جو سطح سمندر سے بلند ہوتا تھا اور اتنی بلندی تک چلا جاتا تھا کہ دور بین بھی اس رفعت کو نہ دیکھ سکی۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں پہلے تو یہ سمجھا کہ یہ کوئی بحری بگولا ہے۔ مگر دیر تک دیکھتا رہا تو سمجھ میں آیا کہ یہ فوارہ ایک گلابی رنگ کے درے سے نکل رہا ہے اور وہ ہے ایک مچھلی کا مُنہ! ہوں ہوں ہوں۔ اور وہ جو اس دھوئیں کے پیچھے ایک دھندلا سا پہاڑ چلا آرہا ہے وہ ہے اس مچھلی کا جسم! ہوں ہوں ہوں۔ مجھے یقین آگیا کہ یہ وہی مچھلی ہے، جس نے حضرت یونس کو نگل لیا تھا! ......"

ظہور بول اُٹھے "وہی جس کے بارے میں شیخ سعدی نے فرمایا ہے۔ یونس اندر دہانِ ماہی شد!؟"

حکیم بانا بولے "ہوں ہوں ہوں۔ یقینی وہی! استداد زمانہ نے اس کے قد کی طوالت و جسامت کو عظیم سے عظیم تر اور مہیب سے مہیب تر بنا دیا تھا اور مجھے یقین آگیا کہ ہم سب کا لقمۂ ماہی بننا یقینی و لابدی ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے

جلد ہی سے کپتان کو اپنے پاس بلایا۔ وہ حد درجہ سراسیمہ و بد حواس تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کہا یہ بلا منٹوں میں ہم پر آیا چاہتی ہے۔ مسافروں کو کشتیوں میں اتارو یا اسی جہاز میں رکھو موت نہیں ٹلتی۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس نے کہا میری عقل کام نہیں دیتی۔ تم ہی کوئی صورت بتاؤ کہ کیا کروں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کہا میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے، شاید کارگر ہو جائے مگر شرط یہ ہے کہ جو میں حکم دوں اس پر حرف بہ حرف عمل کیا جائے، سرمو انحراف نہ ہو۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس نے کہا حکیم ہندی جو حکم دو بجا لاؤں۔ مجھے اپنی جان کی فکر نہیں، مجھے جہاز کی بربادی کی بھی پروا نہیں، مگر میں اتنے مسافروں کی جانیں ضائع جاتے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کہا "اچھا تو بچوں، عورتوں اور مسافروں کو الگ کمروں میں بند کر دو۔ کمرے ایسے بلند ہوں اور دروازے کھڑکیاں اتنی مضبوط ہوں کہ پانی کا قطرہ بھی ان تک نہ پہنچ سکے۔ اس کے حکم دیتے ہی منٹوں میں مسافر بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکا کر بند کر دیئے گئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب میں نے ملاحوں کی طرف رخ کیا۔ ان سے کہا صرف وہی لوگ میرے ساتھ رہیں جو پانی کے اندر سانس لے سکتے ہیں۔ اور غوطہ لگانے کے عادی ہیں بقیہ نیچے اپنے کمروں میں چلے جائیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ .... ایسا ہی ہوا۔ کپتان کے علاوہ صرف تین افسر اور ایک درجن ملاح میرے پاس رہ گئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے توپچیوں کو توپوں پر تعینات کیا، باقی کو مختلف اسلحے تقسیم کئے۔ رائفلیں، بندوقیں، ریوالور، کلہاڑے، ہتھوڑے بڑے بڑے چاقو۔ ہوں ہوں ہوں۔

لالہ صاحب نے پوچھ لیا: "حکیم صاحب قبلہ یہ مسافروں کو لے جانے والے

جہاز پر توپ کیسی؟

حکیم بانا نے انھیں غصہ سے دیکھا۔ وہ بولے "جناب جنگ عظیم ویسے ہی ختم ہوئی تھی۔ اس وقت تک مسافر جہازوں کو بھی توپیں رکھنے کا حکم تھا۔ ہوں ہوں ہوں میں نے افسروں کو سمجھایا توپیں دغیں، گولیاں چلیں اور پوری باڑھ ماری جائے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کپتان سے کہا کہ چاہے جان جائے یا رہے آپ کے ہاتھ سے جہاز کو قابو میں رکھنے والا پہیہ نہ چھوٹے، ورنہ جہاز الٹا تو پھر کوئی بھی کسی طرح نہیں بچ سکتا! ۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس نے یہہ سنتے ہی مضبوط رسوں سے اپنے کو پہئے میں بندھوا دیا اور سب پر تاکید کی حکیم ہندی کے اشاروں پر کام کیا جائے!"

حکیم بانا نے رک کر اگال پھینکا۔ دو پان کلے میں دبائے چٹکی بھر تمباکو منہ میں ڈالی۔ حقّے کی نے سیدھی کردی ہر ہوں ہوں ہوں کے ساتھ اس پر کش لگ چکا تھا۔ اس لئے وہ سلفہ ہوگیا تھا۔ لوگ قصہ سننے کے لئے بیچین ہوتے رہے۔ پہلو بدلتے رہے۔ مگر انکو فی البدیہہ گڑھنے کے لئے، اسے ترتیب دینے کے لئے، اس کے لئے ماحول پیدا کرنے کے لئے کچھ تو موقع ملنا ہی چاہئے تھا۔ عام طور پر تو یہ ہوں ہوں کے کھنکے اسی لئے تھے۔ ظہور کا خیال تھا کہ حکیم بانا کی پہلی ہوں کے معنی تھے چیلنج دینا۔ یعنی۔ "کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگنِ کذب!" دوسری ہوں اسکی تکرار تھی مگر اور بھی تیکھے تیوروں سے۔ مگر تیسری "ہوں بانا کا وہ تیسری اچک تھی جس کے بعد وہ بھر پور ہاتھ مارا جاتا کہ صدق کے پہاڑ پھٹ جاتے اور کذب کے دریا پھوٹ بہتے!

حکیم بانا نے پان کچلتے ہوئے کہا، "ابھی بات پوری بھی نہ ہونے پائی تھی

کہ جہاز ایک بار ڈگمگایا، چاروں طرف اندھیرا سا چھا گیا اور ہوا اکھڑنے سی لگی - جہاز مچھلی کے جبڑوں میں پہنچ گیا! ہوں ہوں ہوں - میں نے چیخکر کہا "فائر! بس دھائیں دھائیں توپیں دغیں، تڑا تڑ بندوقیں اور ریوالور چلے اور جہاز حلق میں پہنچا ہی تھا کہ زلزلہ آ گیا! ہوں ہوں ہوں - پورا جہاز اچھلنے، گرنے، گھومنے، چکر کاٹنے لگا ہوا بالکل بند ہو گئی اور دم گھٹنے لگا - ہوں ہوں ہوں - میں نے کپتان کو للکارا حواس سے کام لو جہاز الٹنے نہ پائے - وہ پہیہ سے چمٹا رہا - ہوں ہوں ہوں - اب میں نے توپوں کا رُخ مڑوایا - کہا سب مل کر چاروں توپیں بغلی فیر کرو - دھائیں دھائیں توپیں دغیں کلّے میں سوراخ ہو گیا - اور کپتان نے میرے اشارے پر جہاز کو اس طرف موڑا - ہوں ہوں ہوں - اب میں نے کہا سب چاکو، کلہاڑے، ہتوڑے لے کر میرے ساتھ آؤ - ہمیں اس سوراخ کو بڑھانا ہے - ہوں ہوں ہوں - ہم سب نے مل کر اس پہاڑ کو کاٹنا شروع کیا اور مچھلی کی یہ حالت کہ وہ تکلیف کی وجہ سے کبھی منہ کے بھل غوطہ لگاتی ہے، کبھی دم کے بھل کھڑی ہو جاتی ہے - ہوں ہوں ہوں - اور ہمارے فرہادی تیشے ہیں کہ چلے جا رہے ہیں - کھچا کھچ، کھچا کھچ کلّے کی تہیں کٹ رہی ہیں - جہاز نکلنے کے لئے سڑک نکالی جا رہی ہے - ہوں ہوں ہوں - جہاز پر جھٹکے پر جھٹکے پڑ رہے ہیں - کوئی چیز اپنی جگہ پر قائم نہیں - مسافر بند کمروں میں جامنوں کی طرح گھمائے جا رہے ہیں - ہوں ہوں ہوں - ہوا نکلنا بند ہے - تعفّن سے دماغ پھٹا جا رہا ہے - معدہ کی ہضم کرنے والی گرمی بڑھتی جاتی ہے، گویا ہمیں بند دیگچی میں ابالا جا رہا ہے ہوں ہوں ہوں!"

حکیم بانا نے اگال تھوک دیا - شاید وہ زبان کی روانی میں رکاوٹ ڈالتا تھا -

اس لئے کہ اب کے انھوں نے دوسرا پان بھی نہ کھایا اور حقہ پھر جو نئی چلم بھر کر رکھی گئی تھی اس کی بھی نبض نہ دیکھی۔ وہ بولے تو: بچی غش کھا کر گر پڑے۔ بندو قچھوں کو چکر آنے لگا۔ کپتان بے حال ہو گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے دل میں کہا حکیم اماں اگر پانچ منٹ بھی کالی کوٹھری سے نہ نکلے تو سب گھٹ کر مر جائیں گے۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس لئے اب ہانک کا وقت نکل گیا، اب صرف بانا ہی کام کر سکتا ہے۔ ہوں ہوں ہوں ۔۔۔۔"

انھوں نے کنکھیوں سے مجمع پر نظر ڈالی۔ کوئی مسکرا تو نہیں رہا ہے۔ پھر ہوں نے گردنیں نیچی کر کے اپنے گناہ چھپا لئے۔ حکیم بانا مطمئن ہو کر بولے "اور میں نے بانا کے ہاتھ ہلانا شروع کر دیئے۔ اب یہ کانٹا ٹوٹا، اس کانٹے کے دو ٹکڑے ہوئے۔ وہ جال پھٹا، اور وہ گوشت کا لوتھڑا اڑا۔ ہوں ہوں ہوں۔ مگر فلس پر آ کر ہاتھ رک گیا۔ جب ہاتھ مارتا ہوں ٹھن سے آواز آتی ہے، مگر جنبش نہیں ہوتی۔ ہوں ہوں ہوں۔ خود میری یہ حالت کہ دم پھول رہا ہے۔ سر سے پاؤں تک مچھلی کے خون اور چربی سے اور خود اپنے پسینے سے نہایا ہوا ہوں۔ اور گرمی اس شدت کی کہ گلا جا رہا ہوں۔ ہوں ہوں ہوں۔ پھسلن اس غضب کی کہ نہ تو پاؤں کسی جگہ ٹکتے ہیں اور نہ ڈنڈے ہی کی گرفت مضبوط طور پر ہوتی ہے۔ بار بار ہاتھ سے گرا جاتا ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب میری بھی ہمت جواب دینے لگی۔ اس حالتِ یاس میں ادھر ادھر نظر ڈالی۔ چار توپوں میں سے تین تو پھسل کر جہاز سے گر گئی تھیں، مگر ایک اب بھی باقی رہ گئی تھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے جلدی سے لپک کر اسے اپنے ہٹائے ہوئے راستہ کی طرف گھمایا اور اس میں گولا

پھر کر داغا۔ دھائیں! اور فلس کے پر اچھے اڑ گئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ مگر گولے نے مشکل سے چار گز سوراخ کیا۔ اور یہاں پورا جہاز باہر نکالنا تھا! ہُوں ہُوں ہُوں۔ اس لئے توپ کو گھما کر پورے پچیس فیر کئے جب جہاز کے نکلنے بھر کا راستہ بنا۔ ہوں ہوں ہوں۔

حکیم بانا نے رک کر دو گولیاں اور چٹکی بھر تمبا کو منہ میں رکھی۔ پھر وہ جگالی کر کے بولے:۔

اب ایک نئی مصیبت دفعتہً سر پر آ پڑی۔ پانی اس نئے سوراخ سے مچھلی کے منہ میں گھسنے لگا! ہوں ہوں ہوں۔ اب گلے جبڑے کا غلاف تو معدوم تھا اس لئے جہاز اس طغیانی آب میں غرق ہونے لگا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب میں بالکل مایوس ہو گیا۔ اتنی محنت اور اتنی جانفشانی کے بعد مقصد میں اس وقت ناکامیابی جب ساحل مراد نظروں کے سامنے ہو غم والم کا پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑا ہوں ہوں ہوں۔ میں نے صمیم قلب سے رب العالمین سے دعا کی "اے قادر مطلق تو ہی اتنی جانوں کا خالق بھی ہے اور محافظ بھی اب مدد کر اور ہمیں شکم ماہی سے نکال! ہوں ہوں ہوں۔ معاً مچھلی کا منہ پانی سے بلند ہونا شروع ہوا۔ موت کی آخری تڑپ میں وہ دم کے بل کھڑی ہو رہی تھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں جلدی سے پھر کر اس مقام پر پہنچا جہاں پہئے سے بندھا کپتان بیہوش تھا، اور جیسے ہی سطح آب سے مچھلی کا منہ بلند ہوا میں نے "یا حفیظ" کہہ کر جہاز کو پوری قوت سے جھٹکا دیا۔ وہ مچھلی سے باہر سطح سمندر پر آ کر گرا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس جھٹکے نے جہاز کو مچھلی سے ایک فرسخ دور سمندر میں پھینکا اور وہ نصف کے قریب سمندر میں ڈوب گیا

ہوں ہوں ہوں۔ میں نے چند منٹ اس کو سنبھالنے میں صرف کئے۔ پھر کھلی ہوا میں لمبی لمبی سانسیں لے کر حواس درست کئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ ابھی کسی اور طرف متوجہ ہی نہ ہونے پایا تھا کہ مردہ مچھلی نے غوطہ کھایا اور وہ تموج اٹھا کہ جہاز کو پہلے ہی موج نے میلوں اچھال کر پھینک دیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ عجیب تر بات یہ ہوئی کہ اس جھٹکے نے کوئی ایسی کیمیائی یا طبیعاتی صورت پیدا کر دی کہ بند انجن خود بخود چلنے لگا! ہوں ہوں ہوں۔ اب میں نے بغل میں بیہوش کپتان کی طرف توجہ کی۔ جیب سے ناس نکالی اور اس کی ناک ہی میں نہ بھر دی بلکہ کھلے ہوئے منہ میں بھی ایک چٹکی ڈال دی۔ ہوں ہوں ہوں اسے چھینک آئی اور ساتھ ہی ابکائی۔ وہ آنکھ بند کئے اٹھ بیٹھا اور اس نے وہ سارا پانی اگل دیا۔ جو اس کے پیٹ کو مشکا بنا چکا تھا! ہوں ہوں ہوں۔

ظہور نے کہا "سلما والا نسخہ اس پر استعمال کرنے کی ضرورت نہ ہوئی؟"

حکیم بانا نے تخلیہ کی گفتگو کی طرف اشارہ اس بھرے مجمع میں سخت ناپسند کیا۔ وہ بولے "ظہور صاحب، آپ اس گاؤں کے بھانڈ اور خاں صاحب کے دربار کے مسخرے سہی مگر میں طبیب ہوں، مجھے اپنی ذمی کا خیال ہے۔ مجھے خلاف تہذیب باتیں ناپسند ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔

ظہور کوئی سخت جواب دینا چاہتے تھے مگر خاں صاحب نے ان کی طرف دیکھ کر کہا "خدا کے لئے!"۔۔۔ ظہور سر جھکا کر بڑبڑائے "بہت خوب، جو مزاج یار میں آئے!"

حکیم بانا نے ہوں ہوں کر کے مجمع پر نظر ڈالی۔ اب کس کی ہمت تھی کہ وہ

مسکرا بھی سکتا۔ اکثر نے گردنیں جھکا لیں۔ انھوں نے یوں سلسلۂ کلام جاری رکھا
"ہوں ہوں ہوں۔ جب کپتان تڑپتا کراہتا ہوش میں آیا تو میں نے جلدی سے
پہیہ اس کے ہاتھ میں دے کر کہا "اب تم جہاز سنبھالو! میں دوسروں کی خبر
لوں۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہ بھی مرد باہمت تھا۔ آنکھیں کھول کر اس نے پوچھا
حکیم ہندی۔ کیا جہاز تم مچھلی کے پیٹ سے نکال لائے؟ ہوں ہوں ہوں۔
میں نے کہا "ہاں شکر خدا اس آفت سے تو بچ گئے، مگر مسافروں اور ملاحوں
کی کیا حالت ہے نہیں معلوم۔ ہوں ہوں ہوں۔ اس نے اپنا ہونٹ دانت
سے دبا کر کہا "حکیم ہندی تم ادھر سے بیفکر ہو جاؤ، جب تک میری جان میں
جان ہے جہاز ڈوبنے نہ دوں گا۔ بس اب تم مسافروں اور ملاحوں کو دیکھو"
ہوں ہوں ہوں۔ میں نے اسکی پیٹھ ٹھونکی اور عرشے کی طرف بڑھا۔ راہ میں
کئی جہازی بے جان، نیم مردہ جہاز کے مختلف حصّوں میں پھنسے اور اٹکے ہوئے
ملے۔ اُن سب کے ساتھ وہی کپتان والا نسخہ استعمال کیا ہوں ہوں ہوں۔
جب اُن میں سے ایک کو اتنا ہوش آگیا کہ وہ درد اور تکلیف سے کراہنے
اور تڑپنے لگا تو اسے زور زور کے دو طمانچے رسید کئے ہوں ہوں ہوں۔

کسی نے کہا "موئے کو ماریں شاہ مدار!"

حکیم بانا نے کہا "جی، فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ! یہ ظلم نہ تھا۔ علاج تھا!
مارنا نہ تھا، جِلانا تھا! ہوں ہوں ہوں۔ طمانچے پڑتے ہی اس نے گھبرا کر آنکھیں
کھول دیں۔ میں نے کہا اب اپنے ساتھیوں کو دیکھو، سب تم سے بھی زیادہ بدحال
ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ فوجی تعلیم، وہ بری ہو یا بحری بڑی عمدہ چیز ہے۔

وہ ہر سپاہی کو ڈسپلن سکھا دیتی ہے۔ حکام بالا کے احکام کی بے چون و چرا بجا آوری ہوں ہوں ہوں۔ ملاح نے نیم مردہ ہونے پر بھی کہا "بہت خوب جناب!" اور وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور میں آگے بڑھ گیا۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب میں نے جہاز کے کیبن کھولنا شروع کئے۔ جسے کھولتا ہوں اس میں لوگ نیم جاں اور بے ہوش پڑے ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے ہر ایک کی ناک اور منہ میں ناس کی چٹکی رکھی۔ بس چھینکو اور متلی کا ایک سلسلہ چلا۔ ٹھائیں ٹھائیں۔ اوا او آچھی آچھی۔ ہوں ہوں ہوں۔ ادھر کپتان نے ملاحوں کو ڈانٹنا اور احکام دینا شروع کئے۔ جو ڈک پر باقی رہ گئے تھے وہ ہوش میں آئے اور جلدی جلد نیچے اترے۔ وہاں ملاحوں کے کمروں میں کمر کمر تک پانی تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ جو نیچے کی بنچوں پر تھے وہ تو مر چکے تھے، اور انکی لاشیں پانی میں تیر رہی تھیں۔ مگر جو اوپر چڑھ گئے تھے وہ ابھی تک زندہ تھے۔ ہوں ہوں ہوں۔ انھیں کھینچ کھینچ کر اوپر لائے، مگر لاکھ تدبیریں کرتے ہیں کسی طرح ہوش میں نہیں آتے۔ ہوں ہوں پھر حکیم ہندی! حکیم ہندی، کی فریاد اٹھی۔ میں نے جلدی سے جاکر انکی حالت دیکھی اور ہر ایک کے منہ اور ناک میں ایک ایک چٹکی ناس کی رکھ دی۔ ہوں ہوں ہوں انھوں نے بھی آچھی آچھی اور عوعو، کرنا شروع کر دیا۔ اور گھنٹے بھر میں سب ہوش میں آگئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ مگر ہوش میں آنا تھا کہ ہر ایک ایک نئی طرح کی کرب میں مبتلا ہو گیا ہوں ہوں ہوں۔ جہاں سے ہاتھ لگتا ہے جسم کی کھال الگ ہو جاتی ہے اور لال لال کھال نکل آتی ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔

ظہور نے پھر شرارتاً پوچھا "مسافروں میں خواتین بھی تو تھیں!"

حکیم بانا نے کہا "جی ہاں، گرمی اور بھاپ کے اثرات دونوں جنسوں پر یکساں ہوتے ہیں۔ قوانین فطرت روحانی جذبات سے معرا ہیں! ہوں ہوں ہوں۔ جہاز کی یہ حالت کہ نچلا حصّہ پانی سے بھرا ہے۔ انجن میں کوئلہ نہ پڑنے سے اب وہ پھر خاموش تھا، اور جہاز بالکل موجوں کے رحم وکرم پر! ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کپتان کو اس طرف متوجہ کیا تو اس نے کہا حکیم ہندی میں کس سے کہوں کہ وہ انجن میں کوئلہ دے۔ انکی حالت آپ خود ہی دیکھ رہے ہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ پھر اگر یہ پانی پمپ کرکے نہ نکالا گیا تو جہاز کا غرق ہونا یقینی ہے۔ ہم فوری موت سے تو بچ گئے مگر اب ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا مقدر ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔

حکیم بانا کو مجمع موافق مزاج ملا تھا۔ فرضی روداد سفر بیان کرنے میں انھیں خود بھی مزہ مل رہا تھا۔ نہ کسی میں ٹوکنے کی ہمت تھی نہ فقرے کسنے کی۔ وہ جو کچھ کہیں آج تو سب کو آیت و حدیث ماننا ہی پڑے گا!۔۔ انھوں نے اگال پھینکا، پھر پان کھایا، تمباکو نوش جاں فرمائی اور وہ یوں گویا ہوئے۔ "خود میری حالت دوسروں سے بھی بدتر تھی۔ تھک کر چور تھا، سر پھٹا جارہا تھا، اعضا و جوارح جواب دے رہے تھے۔ بس قوت ارادی کے زور پر اور "آبی" کے دیئے ہوئے زہر مہرہ کے اثر سے زندہ بھی تھا۔ با حواس بھی تھا اور کام کیے جاتا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔

ظہور نے کہا "اچھا تو جل پری نے کچھ تحائف بھی دیئے تھے!"

حکیم بانا ہی کو نہیں۔ بلکہ خاں صاحب مین اور لالہ صاحب کو بھی ظہور کا

اس وقت بیچ میں بولنا بُرا لگا۔ سب حکیم بانا کی چرب زبانی سے مسحور ہو چکے تھے۔ باتوں کے اس شاعر کا یہی تو کمال تھا کہ وہ محال اور انہونی باتیں بھی اس وثوق سے کہتا تھا کہ وہ بالکل سچ معلوم ہونے لگتی تھیں۔

حکیم بانا نے ظہور کے جواب میں ہوں ہوں کر کے کہا" جی اس نے زہر مہرہ ہی نہیں دیا تھا بلکہ کئی چیزیں یادگار کے طور پر دی تھیں۔ وہ آپ کی ہمشیرہ کے قبضہ میں ہیں۔ جب جی چاہے جاکر ملاحظہ کر لیجئے!"

سب لوگ ہنس پڑے۔ حکیم بانا نے کہا" ہوں ہوں ہوں۔ اب دو اہم سوال پیش نظر تھے۔ ایک تو یہ کہ جہاز چلتا رہے اور اس میں سے پانی نکلتا رہے، دوسرے یہ کہ اُبلے ہوئے جسموں کی مرہم پٹی کی جائے۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے سارے ملاحوں کو اکٹھا کیا۔ اور ایک بڑے سے بڑے ٹب میں مرہم تیار کر کے ان کے افسروں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے جسم پر لگائیں اور ڈک دھونے والے برشوں سے ملاحوں کے جسموں پر پوت دیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ ہر ایک ملاح کو اس کے فرائض بانٹ دیئے جائیں اور مرہم لگتے ہی انکی انجام دہی پر وہ مامور کر دیئے جائیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ اب میں نے مسافروں کو جمع کیا۔ مرد الگ، عورتیں الگ۔ بچے عورتوں کے ساتھ۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے حکم دیا۔ سب ننگے ہو جاؤ، مردوں نے تو زیادہ پس و پیش نہ کیا، لیکن عورتیں فطری حیا و شرم کے تقاضے سے جھجکتی رہیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں نے کہا میں حکم شرع و آئین سے بھی واقف ہوں اور طبی ضرورتوں سے بھی۔ ہوں ہوں ہوں۔

ظہور نے کہا "قبلہ، آنکھیں سینکنے کا حیلۂ شرعی خوب ہاتھ آیا!"

حکیم بانا نے منہ بنا کر کہا "ہوں ہوں ہوں۔ ظہور صاحب، حسن عریانی میں نہیں بلکہ نیم عریانی میں ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ عورتوں کے جسم کی ساخت جمالیاتی نقطۂ نظر سے بہت سے نقائص کی حامل ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ ان کے جوارح میں اس طرح کا نشیب و فراز ہے ب ـــ"

ظہور نے پھر بات کاٹی "تو آپ نے ان سب کے نشیب و فراز دیکھے!"

حکیم بانا نے رکھائی سے کہا "میں نے ان سب کی ماں، عجوزۂ دنیا کے نشیب و فراز دیکھے تھے۔ میری آنکھوں میں ان کا حسنِ عریاں کیا کشش رکھتا۔ ہوں، ہوں، ہوں۔ پھر ہم سب ہی تو ایک تالاب میں ننگے تھے۔ اور میں ان ننگوں کا ننگا حکیم! ہوں ہوں ہوں۔ پھر شاید آپ نے کبھی گوشت کے سرخ سرخ لوتھڑے نہیں دیکھے۔ انکی چربی، ان کا رنگ حد درجہ مکروہ ہوتا ہے ہوں، ہوں، ہوں

ظہور نے کہا "قبلہ میں نے بات واپس لی۔ حسن کو اب زیادہ گھناؤنا نہ بنائیے!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں، ہوں، ہوں، ہے چونکہ اور لوگ بھی تشریف فرما ہیں اس لئے ایک بات اور اصولی عرض کر دوں۔ ہوں ہوں ہوں۔ حسن اجسام میں، گوشت و پوست میں نہیں ہوتا۔ دیکھنے والے کی نظر میں ہوتا ہے، جنس کی کشش میں ہوتا ہے، مامتا کے جذبے میں ہوتا ہے۔ ہوں ہوں ہوں۔

ظہور نے کہا "آپ کے ہاں تو قبلہ، یہی مامتا کا جذبہ رہا ہوگا؟"

لوگ ہنس دیئے تو حکیم بانا بولے "مجھے بات پوری کر لینے دیتے تبھی تو اس کا کبھی جواب دوں۔ ہوں ہوں ہوں۔ آپ نے سمجھ لیا ہے کہ ابالے ہوئے اجسام عریاں ہو کر بڑے دیدہ فریب رہے ہوں گے۔ ان سے زیادہ گندے، متعفن اور گھناؤنے گوشت کے لوتھڑے آپ کے ذہن میں نہیں آسکتے!۔ ہوں ہوں ہوں۔ میں حکیم تھا، میں دوائیں جانتا تھا، میں ان کے زخموں پر مرہم رکھ سکتا تھا، میں انکی مکھیاں بھنبکتی ہوئی جلدوں کو تندرستی کا جامہ پہنا سکتا تھا۔ ہوں ہوں ہوں۔ کیا مجھ میں جذبۂ نفس پرستی و بوالہوسی اس وقت پیدا ہو سکتا تھا؟ کیا کراہتی ہوئی انسانیت سے اس وقت کھیلا جاسکتا تھا۔ اس کا مذاق اڑایا جا سکتا تھا! ہوں ہوں ہوں۔ یقینی اس وقت مجھ میں اتنا کا جذبہ موجزن تھا وہی جو ان کو اپنے بچوں کی طرح مصیبت و اذیت سے نکال کر راحت و تندرستی کی طرف لے جانا چاہتا تھا! ہوں ہوں ہوں۔

خاں صاحب نے ظہور کو غصہ سے گھورا، مبین کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں لالہ صاحب نے جیب سے رومال نکال کر ناک صاف کی۔ حکیم بانا کے چہرے پر ایک گربہ مسکیں مسکراہٹ جلدی سے دوڑی اور غائب ہو گئی۔

ظہور نے ہارے ہوئے حریف کی طرح کہا "قبلہ میں نے تو پہلے ہی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ آپ تو خود ہی فرما چکے ہیں کہ میں ہمیشہ المیہ میں بھی طربیہ پہلو کی تلاش میں رہتا ہوں۔ بقول غالب ؎

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا ... نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا!"

حکیم بانا نے کہا "ہوں ہوں ہوں۔ مگر اس وقت تو جہاز کی پوری آبادی

فریادی تھی کہ ع "کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غمگسار ہوتا!"

خاں صاحب نے حسبِ عادت تعریف کی: "سبحان اللہ قبلہ، سبحان اللہ!"

حکیم بانا نے "ہوں ہوں ہوں کر کے کہا" اور ہر متنفس گویا زبانِ حال سے سوال کر رہا تھا۔ ؎

داغِ دل گر نظر نہیں آتا — بُو بھی اے چارہ گر نہیں آتی!

خاں صاحب کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ لالہ صاحب نے رومال میں، مبین نے اگالدان میں ناک صاف کی۔ ظہور نے خاموشی ہی میں اسن دیکھا۔ حکیم بانا اس وقت پورا ہاتھ گھما گئے تھے۔ بولنے میں زبان کٹتی تھی۔ وہ چپ بیٹھے رہے۔ کوئی لقمہ نہ دیا۔

حکیم بانا انکو تھوڑی دیر اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے دیکھا کئے۔ پھر بولے: "ایک ہفتہ تک میں ننگے جسموں پر مرہم لگاتا اور تیل کی مالش کرتا رہا اور سب کو دن بھر کھلے ڈک پر اس طرح لٹاتا رہا کہ دھوپ میں ان کے جسم سِلیے اور سخت ہوتے رہے۔ ہوں ہوں ہوں۔ پانچویں چھٹے دن وہ اس قابل ہوئے کہ کپڑے جسموں پر برداشت کر سکیں۔ ہوں ہوں ہوں۔ آٹھویں دن ہمیں بمبئی جاتا ہوا جہاز دکھائی دیا۔ اور ہم ان کی مدد سے دسویں دن بندرگاہ میں پہنچ گئے۔ ہوں ہوں ہوں۔ وہاں ساحل پر مسافروں کے اعزاء کا مجمع تھا، مجھے گھر آنے کی جلدی تھی۔ ہر ایک کی خواہش کہ میں اسی کے ساتھ چلوں۔ ہوں ہوں ہوں۔ ان لوگوں کو جو اپنے عزیز دل دوستوں سے ملنے میں مشغول پایا تو میں خاموشی سے چھپ کر نکل آیا

اور اسی شام کی گاڑی سے روانہ ہو کر مہندی پور آگیا۔ اور یہاں آکر ـــ وہ کھڑے ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے بھڑ بھڑ کرتے ڈیوڑھی سے چلے گئے "ظہور صاحب کے خانوادہ کی عزت افزائی کے باعث!

"کچھ اور ہی فضا دل بے مدعا کی ہے   دیکھا ہے روز وصل و شب انتظار کو!"

